

# البیرونی کا ہندوستان

قدیم ہندوستان کی تہذیب و ثقافت کی مستند تاریخ

[www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)



مؤلف: قیام الدین احمد  
مترجم: عبدالحی



## معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مَجْلِسُ التَّحْقِيقِ الْإِسْلَامِيِّ کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

## تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے  
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی  
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

**PDF** کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے  
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ [KitaboSunnat@gmail.com](mailto:KitaboSunnat@gmail.com)

🌐 [www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

# البیرونی کا ہندوستان

قدیم ہندوستان کی تہذیب و تمدن کی مستند تاریخ  
ڈاکٹر ایڈورڈ ہی سخاو کے انگریزی ترجمے پر مبنی

مرتبہ

قیام الدین احمد

اردو ترجمہ

عبدالحی



## یو پبلشرز

5۔ یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور 7241778

LIBRARY	
University of Veterinary & Animal Sciences, Lahore.	
Date.....	
Accession No.....	21388
Class No.....	

جملہ حقوق محفوظ ہیں

کتاب : البیرونی کا ہندوستان

مرتبہ : قیام الدین احمد

ترجمہ : عبدالحی

اشاعت : 2005

اہتمام : عبید اللہ چوہدری

مطبع : حاجی حنیف اینڈ سنز لاہور

قیمت : 180/=

تقسیم کار: طیب پبلشرز

5۔ یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور 7241778



## فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	تقدیم مرتب	۷
	دیباچہ	۲۳
باب نمبر ۱	ہندوؤں کے عام حالات	۲۸
باب نمبر ۲	خدا کی نسبت، ہندوؤں کا عقیدہ	۳۳
باب نمبر ۳	عقلی اور حسی، دونوں قسم کے موجودات کے متعلق ہندوؤں کے عقائد	۳۶
باب نمبر ۴	فعل کا سبب، نیز روح اور جسم کا اتصال	۴۲
باب نمبر ۵	روحوں کی حالت اور دنیا میں ان کا آواگون	۴۴
باب نمبر ۶	مختلف دنیا کیں اور مقامات جزا و سزا یعنی جنت اور دوزخ	۴۶
باب نمبر ۷	دنیا سے نجات پانے اور نجات کے راستے کا بیان	۵۰
باب نمبر ۸	مخلوقات کی قسمیں اور ان کے نام	۵۷
باب نمبر ۹	ذاتیں جنہیں رنگ (ورن) کہا جاتا ہے اور ان سے نیچے کے طبقات	۶۱
باب نمبر ۱۰	ہندوؤں کے مذہبی اور شہری قانون کے سرچشمے، رسول، نیز یہ کہ دینی احکا م منسوخ ہو سکتے ہیں کہ نہیں	۶۵
باب نمبر ۱۱	بت پرستی کی ابتداء اور بتوں کا بیان	۶۸
باب نمبر ۱۲	وید، پُران اور ہندوؤں کی دوسری مذہبی کتابیں	۷۴
باب نمبر ۱۳	صرف و نحو اور وض کی کتابیں	۸۱
باب نمبر ۱۴	ہندوؤں کے دوسرے علوم مثلاً نجوم وغیرہ کی کتابیں	۸۶
باب نمبر ۱۵	ہندوؤں کے اوزان اور پیمانوں کا بیان تاکہ کتاب میں مذکور پیمائشوں کو سمجھنے میں آسانی ہو	۹۲
باب نمبر ۱۶	ہندوؤں کے رسم الحظ، حساب کتاب کے طریقے اور بعض عجیب و غریب رسوم	۹۶

- باب نمبر ۱۷ ہندوؤں کے وہ علوم جو چہالت کے پروردہ ہیں ۱۰۵
- باب نمبر ۱۸ ہندوؤں کا ملک ان کے دریا اور سمندر، ان کی مختلف ریاستوں کے درمیان کی مسافت اور ان کے ملک کی حدود ۱۰۸
- باب نمبر ۱۹ ستاروں کے نام، بروج اور چاند کی منزلیں ۱۱۸
- باب نمبر ۲۰ برہما ۱۲۱
- باب نمبر ۲۱ ہندوؤں کے مذہبی نظریات کے مطابق زمین اور آسمان کی شکل ۱۲۳
- باب نمبر ۲۲ قطب کے بارے میں روایات ۱۲۷
- باب نمبر ۲۳ میروپھاڑ کی بابت پُر ان کے مصنفوں اور دوسروں کا عقیدہ ۱۲۸
- باب نمبر ۲۴ سات دوپوں میں سے ہر ایک کے بارے میں پُر ان کی روایات ۱۲۹
- باب نمبر ۲۵ ہندوستان کے دریا، ان کے سرچشمے اور راستے ۱۳۳
- باب نمبر ۲۶ ہندو منجموں کے خیال کے مطابق زمین اور آسمان کی شکل ۱۳۶
- باب نمبر ۲۷ ہندو تخمین اور پُر ان کے مصنفین کے مطابق کائنات کی دو اولین حرکتیں ۱۴۰
- باب نمبر ۲۸ دس سمتیں ۱۴۲
- باب نمبر ۲۹ ہندوؤں کے مطابق آباؤ زمین کی تعریف ۱۴۴
- باب نمبر ۳۰ لکائینی زمین کا گنبد ۱۴۸
- باب نمبر ۳۱ ملکوں کے درمیان کا فاصلہ جسے ہم لوگ دو طول البلد کا درمیانی فاصلہ کہتے ہیں ۱۵۱
- باب نمبر ۳۲ مدت اور زمانے نیز دنیا کے پیدا اور فنا ہونے کی بابت ہندوؤں کے نظریات ۱۵۳
- باب نمبر ۳۳ یوم کی قسمیں اور دن رات ۱۵۸
- باب نمبر ۳۴ یوم کی تقسیم وقت کے چھوٹے چھوٹے اجزاء میں ۱۶۲
- باب نمبر ۳۵ مہینوں اور سالوں کی قسمیں ۱۶۶
- باب نمبر ۳۶ وقت کے چار ناپ جنہیں مان کہتے ہیں ۱۶۹
- باب نمبر ۳۷ مہینے اور سال کے حصے ۱۷۰
- باب نمبر ۳۸ وقت کی وہ مقداریں جو ایام سے بنتی ہیں اور جن میں برہما کی عمر بھی شامل ہے ۱۷۱
- باب نمبر ۳۹ ایسی مدتیں جو برہما کی عمر سے زیادہ ہیں ۱۷۲

- باب نمبر ۴۰ سہمی یعنی دو مدتوں کے درمیان کا وقفہ ۱۷۳
- باب نمبر ۴۱ کلپ اور چتر یک ۱۷۴
- باب نمبر ۴۲ چتر یک کی یگوں میں تقسیم اور ریگوں کے متعلق مختلف نظریات ۱۷۵
- باب نمبر ۴۳ چاروں یگوں اور چوتھے یک کے آخر میں ظاہر ہونے والے حالات کا بیان ۱۷۶
- باب نمبر ۴۴ منونیر ۱۷۹
- باب نمبر ۴۵ بنات النعش ۱۸۰
- باب نمبر ۴۶ نارائن، اس کے نام اور مختلف زمانوں میں اس کا ظہور ۱۸۱
- باب نمبر ۴۷ واسودیو اور بھارت کی لڑائیاں ۱۸۲
- باب نمبر ۴۸ اکشونی سے کیا مراد ہے ۱۸۵
- باب نمبر ۴۹ تاریخی ادوار کا مختصر بیان ۱۸۷
- باب نمبر ۵۰ ایک کلپ اور ایک چتر یک میں ستاروں کی گردشیں ۱۹۲
- باب نمبر ۵۱ ادھی ماسہ، انزاتر اور اہرگن وغیرہ اصطلاحوں کی توضیح ۱۹۳
- باب نمبر ۵۲ اہرگن، یعنی سالوں اور مہینوں کے دن بنانے اور دنوں اور مہینوں کو سالوں میں تبدیل کرنے کا طریقہ ۱۹۵
- باب نمبر ۵۳ اہرگن یعنی سالوں کو مہینوں اور دنوں میں تبدیل کرنے کے خاص طریقے ۱۹۷
- جو مختلف اوقات کے لئے مخصوص ہیں
- باب نمبر ۵۴ سیاروں کا وسط معلوم کرنا ۱۹۸
- باب نمبر ۵۵ سیاروں کی ترتیب، ان کے فاصلے اور جسامت ۱۹۹
- باب نمبر ۵۶ چاند کی منزلیں ۲۰۱
- باب نمبر ۵۷ تحت الشعاع سے ستاروں کا طلوع اور اس وقت ادا کی جانے والی رسمیں ۲۰۳
- باب نمبر ۵۸ سمندر میں مد و جزر کس طرح آتا ہے ۲۰۵
- باب نمبر ۵۹ سورج اور چاند کے گرہن ۲۰۷
- باب نمبر ۶۰ پرو ۲۰۹

باب نمبر ۶۱	وقت کی مختلف مقداروں کے شرعی اور نجومی حاکم اور ان سے متعلقہ امور	۲۰۹
باب نمبر ۶۲	ساتھ سال یعنی سموتس جسے شست یا بد بھی کہتے ہیں	۲۱۰
باب نمبر ۶۳	وہ باتیں جو برہمنوں کے لئے مخصوص ہیں اور جن کا عمر بھر کرنا ان پر فرض ہے	۲۱۱
باب نمبر ۶۴	دوسرے طبقوں پر زندگی میں جن رسوم کی پابندی واجب ہے	۲۱۵
باب نمبر ۶۵	قربانیاں	۲۱۶
باب نمبر ۶۶	یاترا، اور مقدس مقامات کی زیارات	۲۱۷
باب نمبر ۶۷	صدقات نیز یہ کہ آمدنی کو کس طرح خرچ کرنا چاہئے	۲۲۰
باب نمبر ۶۸	کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں	۲۲۱
باب نمبر ۶۹	شادی، حیض، جنین اور نفاس	۲۲۲
باب نمبر ۷۰	مقدے	۲۲۶
باب نمبر ۷۱	سزائیں اور کفارے	۲۲۷
باب نمبر ۷۲	میراث اور اس میں میت کا حق	۲۲۹
باب نمبر ۷۳	مردوں اور زندوں کے جسم کے حقوق (یعنی تدفین اور خودکشی)	۲۳۱
باب نمبر ۷۴	روزہ اور اس کی قسمیں	۲۳۳
باب نمبر ۷۵	روزے کے دنوں کا تعین	۲۳۵
باب نمبر ۷۶	تہوار اور جشن کے دن	۲۳۶
باب نمبر ۷۷	مشرک ایام، مبارک اور منحوس ساعتیں اور ثواب حاصل کرنے کے اوقات	۲۴۰
باب نمبر ۷۸	کرن	۲۴۳
باب نمبر ۷۹	یوگ	۲۴۴
باب نمبر ۸۰	ہندوؤں کے علم نجوم کے بنیادی اصول اور نجومی حساب کے طریقے	۲۴۵
☆ منتخب حوالے		۲۴۹
☆ حواشی		۲۵۱



## مقدمہ مرتب

”میری یہ کتاب حقائق و واقعات کی ایک دستاویز کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ ہم ہندوؤں کے اقوال کو جوں کا توں بیان کر دیں گے اور ان کے اقوال سے ملتے جلتے یونانیوں کے اقوال پیش کر دیں گے تاکہ دونوں کی مشابہت ظاہر ہو جائے۔

ان اقوال و احوال کو بیان کرنے سے پہلے ان اسباب کو سمجھ لینا ضروری ہے جن کی وجہ سے ہندوستانی موضوعات کو اچھی طرح سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے۔ ان کو جان لینے سے ایک طرف تو ہمارے کام میں آسانی پیدا ہو جائے گی اور دوسری طرف ہماری خامیوں کے لئے عذر فراہم ہو جائے گا۔

ان اسباب میں پہلا سبب یہ ہے کہ ہندو قوم، ہم لوگوں سے ان تمام چیزوں میں جو قوتوں کے درمیان مشترک ہوتی ہیں بالکل مختلف ہے۔ یہاں میں سب سے پہلے زبان کے اختلاف کا ذکر کروں گا..... اگر کوئی شخص اس مشکل کو رفع کرنے کے لئے سنسکرت زبان سیکھنا چاہے تو آسانی سے نہیں سیکھ سکتا۔ اس لئے کہ اس زبان کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس میں اصل اور مشتق الفاظ کی بہتات ہے اس کے ساتھ دوسری مشکل ہندوستانی کتابوں کی بے پرواہی اور املا کی صحت کی طرف سے غفلت ہے۔

دوسرا سبب ہمارے ادیان کا کٹمی اختلاف ہے وہ ہر اس چیز کو جس میں کسی بدیسی کی آگ یا پانی سے کام لیا گیا ہو ناپاک سمجھتے ہیں۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ ان کے تمام اطوار و عادات ہم سے مختلف ہیں یہاں تک کہ ہیئت و لباس تک مختلف ہے۔

اس کے علاوہ ان کے قومی کردار کی بعض خصوصیات ہیں جو ہمارے اور ان کے درمیان مغائرت کا

سبب ہیں۔

ہندوستان کے ان حالات میں مجھے سنسکرت سیکھنے میں بڑی مشکل پیش آئی حالانکہ مجھے اس زبان کو سیکھنے کا بہت شوق تھا اور میں نے سنسکرت کتابیں حاصل کرنے کے لئے نہ تو روپیہ خرچ کرنے سے دریغ کیا اور نہ ہی کوشش میں کمی کی ان طور کے اسلوب کے قدیمی رنگ سے قطع نظر یہ عبارت عہد حاضر کے کسی غیر ملکی ماہر عمرانیات کی کسی حالیہ کتاب کے دیباچے کی عبارت معلوم ہوتی ہے۔

مندرجہ بالا اقتباس ایک ایسے شخص کی لکھی ہوئی کتاب سے نقل کیا گیا ہے جو آج سے کچھ اوپر ہزاروں سال پہلے پیدا ہوا تھا۔ ہندوستانی تہذیب اس کے لئے اجنبی تھی لیکن اس نے اس تمدن کو نہ صرف سمجھا بلکہ اسے اپنی قوم کے سامنے ہمدردانہ انداز میں پیش بھی کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسے علوم ہند کا

پہلا اور عظیم ترین محقق کہا گیا ہے۔ اس کتاب کا نام ”کتاب فی تحقیق المہند من مقالہ مقبولہ و مردود ہے لیکن یہ ”کتاب الہند“ کے نام سے مشہور ہے اور اس کتاب کے مصنف کا نام ابوریحان ابن احمد المعروف بہ البیرونی تھا۔

البیرونی ۹۷۳ عیسوی میں خوارزم کے مضافات میں پیدا ہوا تھا۔ یہ علاقہ اس وقت سامانی سلطانین (۹۹۹-۸۷۴ء) کے زیر اقتدار تھا۔ بیرونی شہر سے باہر کسی قریہ میں پیدا ہوا تھا اور اسی لئے ”البیرونی“ اس کی کنیت پر گئی اور وہ آج تک اسی نام سے مشہور ہے۔ بیرونی فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ”باہر والا“ ہیں۔ یہاں اس سے مراد خوارزم کا ایک مضافاتی قریہ ہے۔

البیرونی کی بعض پرانی عربی سوانح میں اس کا مولد سندھ کے ”بیرون“ نامی شہر کو بتایا گیا اور کہا گیا ہے کہ اسی نسبت سے اس کو البیرونی کہا جاتا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ سندھ کے مذکورہ شہر کا نام ”نیزون“ ہے جو غالباً کتابت کی غلطی سے ”بیرون“ ہو گیا اور البیرونی کا مولد سمجھا جانے لگا اور البیرونی کو ہندوستان اور ہندوستانی علوم سے جو گہری دلچسپی تھی اس سے اس کے ہندی نژاد ہونے کا نتیجہ اخذ کر لیا گیا۔

البیرونی ایرانی مسلمان تھا۔ اس کی ابتدائی زندگی کے بارے میں بہت کم معلوم ہے لیکن اتنا ضرور اندازہ ہوتا ہے کہ اسے اپنے بچپن میں حصول علم کے اچھے مواقع حاصل تھے۔ مطالعے سے اس کی یہ رغبت و انہماک تمام عمر جاری رہا۔ کہا جاتا ہے کہ جس وقت اس کا دم نکل رہا تھا اس وقت اس کا ایک دوست اس سے ملے آیا۔ البیرونی نے اس وقت بھی اس سے علم الہند سے کسی مسئلے کے حل کے بارے میں دریافت کیا۔ دوست کو یہ بات سن کر عجیب سا لگا لیکن البیرونی نے اس سے کہا کہ کیا اس کا ایسی حالت میں مرنا اچھا نہ ہوگا کہ وہ اس مسئلے کے حل سے واقف ہو چکا ہو۔ یہ سن کر اس کے دوست نے اسے مسئلہ کی حقیقت سے آگاہ کر دیا اور جوں ہی وہ کمرے سے باہر آیا البیرونی نے دم توڑ دیا اور کمرے سے لوگوں کی آہ و زاری کا شور بلند ہوا۔

۱۔ ایس۔ کے۔ چرچی ”البیرونی اور مسکرت“ البیرونی یادگار کتاب (۱۹۵۱ء) ص ۸۳

۲۔ اس لفظ کے انگریزی الاملا میں اختلاف ہے۔ میں نے ایران سوسائٹی کے مقرر کردہ املا کو اختیار کیا ہے۔  
۳۔ موجودہ خیوا ۱۹ ویں صدی کے وسط ایشیائی ترکستان کی ایک امارت جو اب سوویت یونین کی جمہوریہ ازبکستان کا ایک حصہ ہے۔

۴۔ بعض لوگوں کا خیال یہ بھی ہے کہ حالانکہ البیرونی خوارزم میں پیدا ہوا تھا لیکن چونکہ اس کے والدین ایرانی تھے اور غیر ملکی سمجھے جاتے تھے اس لئے اس کی کنیت ”البیرونی“ ہو گئی۔ عبداللہ یوسف علی ”البیرونی کی کتاب الہند“ اسلامک پبشر جلد اول ۹۲۷ء ص ۳۳

البیرونی کئی زبانوں کا عالم اور کثیر تصانیف تھا۔ خوارزمی (شمالی ایران کی ایک بولی جس میں ترکی الفاظ کثرت سے شامل ہیں) اس کی مادری زبان تھی۔ اس کے علاوہ عبرانی، سریانی اور سنسکرت پر اسے پوری قدرت حاصل تھی۔ یونانی زبان اگرچہ وہ نہیں جانتا تھا تاہم افلاطون اور دوسرے یونانی حکما کی تصانیف سے وہ ان کے سریانی اور عربی تراجم کے ذریعے بخوبی واقف تھا۔ عربی اور فارسی پر اسے زبردست عبور حاصل تھا۔ ”کتاب الہند“ سمیت اس کی بیشتر تصانیف عربی میں ہیں جو اس وقت کی بین الاقوامی زبان ہونے کے ساتھ ساری متمدن دنیا کی علمی زبان تھی اور علم و ادب کی ترقی اور اشاعت میں اس زبان نے اہم کردار ادا کیا تھا۔

البیرونی کی طفولیت کے زمانے میں وسط ایشیا کی سیاست میں پے پے زبردست انقلابات رونما ہوئے اور ان انقلابات میں سے بعض کے اثر سے البیرونی بھی محفوظ نہ رہا۔ شروع میں اسے آل خوارزم کی سرپرستی حاصل تھی لیکن جب ۹۵ عیسوی میں میمنی خوارزم شاہیوں نے اقتدار حاصل کر لیا تو البیرونی کے لئے زبردست مشکلات پیدا ہو گئیں اور وہ خوارزم سے ہجرت کر کے جرجان (بحرہ کیپسین) کے جنوب مشرق کی جانب چلا گیا اور شمس المعالی قابوس کے دربار سے وابستہ ہو گیا۔ اس نے اپنی مشہور کتاب ”آثار الباقیہ“ شمس المعالی کے ہی نام معنون کی ہے۔

کچھ عرصے بعد وہ پھر خوارزم واپس چلا گیا لیکن جب ۱۰۱۷ عیسوی میں سلطان محمود غزنوی نے (۱۳۰-۹۹۹ء) خوارزم پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا تو خوارزم کے دوسرے اعیان و مشاہیر کے ساتھ البیرونی بھی محمود کے ہمراہ غزنی پہنچا۔ اس کے بعد اس کا قیام زیادہ تر غزنی میں ہی رہا اور وہیں اس نے اپنی بیش تر کتابیں بھی تصنیف کیں اور ۴۴۰ ہجری (۱۰۴۹ عیسوی) میں ۷۵ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ یہ بات واضح نہیں ہے کہ محمود کے دربار میں البیرونی کی حیثیت کیا تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اسے وہاں یرغمال بنا کر رکھا گیا ہو لیکن وہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ اپنے علم و فضل اور ہیئت و نجوم میں اپنی مہارت کی وجہ سے اسے جو شہرت حاصل تھی اس کی وجہ سے اس سے عزت و احترام کا سلوک کیا جاتا تھا۔ بہر حال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان سے اس کے تعلقات بہت اچھے نہیں تھے۔ البیرونی کی مایہ ناز تصنیف ”کتاب الہند“ سلطان محمود کے دور حکومت میں مکمل ہوئی (۱۰۳۰ کے آس پاس) لیکن اس میں سلطان کا ذکر صرف دو ایک جگہ آیا ہے اور وہ بھی بہت مختصر اور سرسری طریقے پر۔

قیام غزنی کے زمانے میں ہی البیرونی کو ہندوستان اور ہندوستانیوں کے بارے میں واقفیت

۱۔ سخاؤ نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور ۱۸۷۹ء میں لندن سے شائع کیا۔

حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے عباسی عہد کے ابتدائی زمانے میں ہی نجوم، ریاضی اور طب کی متعدد ہندوستانی کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہو چکا تھا۔ ان میں سے بعض کا الہیرونی نے ضرور مطالعہ کیا ہوگا جیسا کہ کتاب الہند سے ظاہر ہے۔

الہیرونی نے نہ صرف بعض سنسکرت مآخذ کا ذکر کیا ہے جن کا اس نے مطالعہ کیا تھا بلکہ ان میں سے بعض میں پائی جانے والی کتابت کی غلطیوں کی نشاندہی بھی کی ہے۔ غزنی میں قیام کے دوران ہندوستان کے بارے میں اپنے مطالعات میں مزید توسیع و اضافہ کے مواقع بھی اسے یقیناً حاصل ہوئے ہوں گے کیونکہ غزنی اس وقت اسلام کا اہم ترین سیاسی اور ثقافتی مرکز تھا اور یقیناً ہمسایہ ملکوں اور ہندوستان کی اہم ہستیاں بھی یہاں آتی جاتی ہوں گی۔ یہاں بہت سے ہندوستانی جنگی قیدی بھی تھے جو سلطان محمود کے حملوں کے نتیجے میں قید ہو کر آئے تھے۔ ان قیدیوں میں صنایع بھی تھے اور عالم بھی، پھر پنجاب، جہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی، غزنوی سلطنت کا ایک حصہ بن چکا تھا۔ غزنی اور ہندوستان کے ان شہروں میں جہاں جہاں وہ گیا تھا اس کی ملاقات ہندو عالموں اور پنڈتوں سے ہوئی ہوگی۔ ایس۔ کے۔ چٹرجی کا خیال ہے کہ الہیرونی ان لوگوں سے مغربی پنجابی یا فارسی میں گفتگو کرتا ہوگا۔ مغربی پنجابی وہ جانتا تھا اور ہندو علماء بھی بہر حال تھوڑی بہت فارسی جانتے ہوں گے۔

الہیرونی نے کتاب الہند میں محمود غزنوی کے نام راجا آئند پال کے اس خط کا ذکر کیا ہے جس میں راجا نے محمود کو خراسان میں سب ترکوں کی بغاوت کو دبانے کے لئے فوجی مدد کی پیش کش کی تھی۔ آئند پال نے لکھا تھا کہ چونکہ سلطان اس پر (آئند پال پر) فتح حاصل کر چکا تھا اس لئے وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اور سلطان پر غالب آئے۔ اس قسم کی سفارتی خط و کتابت اسی صورت میں ممکن ہو سکتی تھی جب دونوں درباروں میں ایک دوسرے کی زبان جاننے والے لوگ موجود ہوں۔

الہیرونی کی کتاب الہند اور دوسری کتابوں کے قاریوں کے سوالات کا معاملہ بھی اس سے جڑا ہوا ہے۔ کتاب الہند کی تصنیف خود اس کا ثبوت ہے کہ بعض مسلمان حلقے ہندوستان کے سائنسی علوم میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔ الہیرونی نے کتاب کے اختتام پر لکھا ہے کہ اس نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ اتنا کافی ہے کہ اس کی بنیاد پر ہندوؤں سے مذہب، سائنس اور ادب کے سوالات پر تبادلہ خیال کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ اپنی کتاب کے ایک پیرا گراف میں جس پر کم ہی توجہ دی گئی ہے الہیرونی نے اس شہروں کا ذکر کیا ہے جہاں وہی الواقع گیا تھا (ص ۱۳۳)

۲۔ مذکورہ بالا مقالہ

۳۔ مضمون بحوالہ بالا

اس بات کی طرف کم ہی توجہ کی گئی ہے کہ کتاب الہند کی تصنیف کے وقت المیرونی کے ذہن میں وہ ہندو قاری بھی تھے جو عربوں کے علوم سے استفادہ کرنا چاہتے تھے۔ المیرونی نے کہا ہے کہ وہ ہندوؤں کے لئے اقلیدس اور مجسطی کی کتابوں کا ترجمہ کرنے کے ساتھ ساتھ اضطرب لاب پر بھی ایک رسالہ تصنیف کر رہا ہے۔ ایک اور موقع پر اس نے عربی، کھنڈا کھڈیاک، نامی رسالے کا بھی ذکر کیا ہے جو اس نے ایک کشمیری ہندو سیادابالا کے لئے لکھا تھا۔ ہمارے پاس اس بات کی کوئی براہ راست شہادت موجود نہیں ہے لیکن اتنا بہر حال معلوم ہے کہ المیرونی کو شروع ہی سے ہندسہ و ہیئت سے زبردست لگاؤ تھا۔ جب قیام غزنی کے زمانے میں اسے ہندو علما سے ملنے کا موقع ملا تو اس نے ان سے فائدہ اٹھایا۔ ہندوستانی علوم کا کثیر سرمایہ عربی ترجموں کی صورت میں وہاں موجود تھا ہی اور المیرونی نے اس کا مطالعہ ضرور کیا ہوگا۔ غزنی میں اسے ہندوستانی علماء سے براہ راست تبادلہ خیال کرنے اور ان کی مدد سے سنسکرت مآخذ کا مطالعہ کرنے کا موقع بھی مل گیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس زمانے میں اس نے پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے حصوں کا سفر بھی کیا ہو۔ بہر حال یہی وہ زمانہ ہے جب ہندوستانی علوم و فنون اور مذہب و فلسفہ سے اس کی دلچسپی غیر معمولی حد تک بڑھ گئی اور غالباً یہی وہ زمانہ ہے جب اس نے اپنی کتاب کے لئے مواد جمع کر کے کتاب کا پہلا مسودہ تیار کیا۔

المیرونی کی تصانیف کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے، یاقوت (۱۲۲۹-۱۱۷۹ء) کا کہنا ہے کہ اس نے مرو میں المیرونی کی کتابوں کی فہرست دیکھی جو باریک لکھے ہوئے ساٹھ صفحات پر مشتمل تھی۔ ایک اور منصف نے المیرونی کی تصانیف کا وزن ایک اونٹ کے بارے سے زیادہ بتایا ہے لیکن المیرونی نے اپنی تصانیف کے بارے میں جو کچھ خود بیان کیا ہے وہ کچھ کم حیرت انگیز نہیں۔ اپنی موت سے تیرہ سال پہلے ایک دوست کے نام اپنے خط میں اس نے اپنی ۱۱۴ کتابوں کے نام لکھے تھے۔

یہ فہرست بھی ادھوری ہے۔ اس میں ان کتابوں کے نام درج نہیں ہیں جن کا ذکر دوسری جگہوں پر ملتا ہے اور نہ اس میں وہ کتابیں شامل ہیں جو اس نے اپنی عمر کے باقی ماندہ ۱۳ سالوں میں لکھی تھیں لیکن افسوس کہ ان میں سے اکثر ضائع ہو چکی ہیں اور جو باقی ہیں وہ غیر مطبوعہ حالت میں ہیں۔ صرف دو کتابیں ۲ آثار الباقیہ اور کتاب الہند اور ان کے انگریزی ترجمے شائع ہوئے ہیں جو ایڈورڈ سیخاؤ کی علم دوستی کے رہین منت ہیں۔ عظیم جرمن اسکالر ایڈورڈ کارل سیخاؤ (۱۸۴۵-۱۹۳۰) ۳ جولائی ۱۸۴۵ کو فیومستر میں پیدا ہوئے اور ویانا یونیورسٹی (۱۸۶۹) میں سامی زبانوں کے پروفیسر اور بعد میں برلن یونیورسٹی میں اساتذہ

۱۔ عبدالسلام ہندوی کا حوالہ بالا مضمون

۲۔ عبدالرحمن، ابوریحان محمد بن احمد المیرونی کے رسائل، جس میں میرونی کی ایک اور مطبوعہ کتاب، کتاب التعمیم کا ذکر ہے۔

مشرقیہ کے پروفیسر رہے۔ وہ ایک طویل عرصے تک کتاب البند کا مطالعہ کرتے رہے اور بعد میں اس کا ترجمہ انگریزی میں کیا، بعد میں انہوں نے اس کے مزید ایڈیشن تیار کئے اور انگریزی کے علاوہ بعض دوسری زبانوں میں بھی اس کا ترجمہ کیا۔ ۷۳-۷۴-۱۸۷۲ میں اس کے ایک عربی نسخہ ۱ سے سخاؤ نے پہلے اس کا ترجمہ جرمن زبان میں کیا بعد میں جب ۱۸۸۵ میں اس کا عربی متن شائع کیا جانے لگا تو سخاؤ نے پوری کتاب کا دوبارہ انگریزی زبان میں ترجمہ کیا ۲ انگریزی ترجمہ معہ مفصل حواشی ۱۸۸۸ میں دو جلدوں میں شائع کیا گیا۔ آخر الذکر ہندوستان سے (ایس۔ چاند، نئی دہلی، ۱۹۶۴ میں شائع ہوا)۔ ۳

ہندی میں اس کا ترجمہ شاننارام نے کیا جو (۲۸-۱۹۲۶ء) میں انڈین پریس الہ آباد سے شائع ہوا۔ اردو میں اس کا ترجمہ دو جلدوں میں سید اصغر علی نے کیا اور انجمن ترقی اردو سے ۴۲-۱۹۳۱ میں شائع ہوا۔ کتاب کا ایک تلخیص شدہ ایڈیشن انیلیٹی ایمری نے تیار کر کے ۱۹۷۱ میں نیویارک سے شائع کیا۔ موجودہ مختصر ایڈیشن ۴ میں قاری کی توجہ البیرونی کے طریقہ رسائی پر مرکوز رکھنے کی کوشش کی گئی اور ہندوستانی علوم اور سماج کے اس کے راست مطالعے اور مشاہدے کے طریقے کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ کتاب کے بعض وہ اہم حصے جن کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں کی گئی تھی نمایاں کئے گئے ہیں۔

البیرونی نے اپنی ضخیم کتاب کو اسی (۸۰) ابواب میں تقسیم کیا ہے اور ہر باب میں جن امور کو بیان کیا ہے ان کی ذیلی سرخیاں قائم کی ہیں۔ پہلا باب تعارفی نوعیت کا ہے اور اس میں ان دشواریوں (زبان و مذہب کا اختلاف اور نسلی تعصب وغیرہ) کا ذکر کیا ہے جو ہندوستانی معاشرے کو معروضی انداز میں سمجھنے اور بیان کرنے میں پیش آتی ہیں۔ اسی بات میں اس نے اپنے طریق کار پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اس کے بعد کے ابواب مذہب و فلسفہ (۸ تا ۱۸) معاشرتی نظام، قانون و شریعت، صورت گری (۹ تا ۱۱) دینی اور علمی کتابیں (۱۲ تا ۱۶) پیمائش کے طریقے، کیمیا (۱۵ تا ۱۷) جغرافیہ، ستاروں کا علم، نجوم، تاریخ وغیرہ (۱۸ تا ۶۲) معاشرت عادات و رسوم اور تہوار وغیرہ (۶۳ تا ۷۳) اور احکام نجوم (۸۰) پر مشتمل ہیں۔

۱۔ بلیو تھک نیشنل پیرس میں محفوظ عربی مخطوطے کی بنیاد پر ایک نیا عربی ایڈیشن دائرۃ المعارف حیدرآباد کے ۱۹۵۸ میں شائع ہوا۔

۲۔ ترجمہ اور شاعت دونوں کاموں میں انڈیا آفس لندن کا تعاون حاصل رہا۔

۳۔ ایڈورڈ سخاؤ کا انگریزی ترجمہ مطبوعہ نئی دہلی ۱۹۶۴ پیش لفظ۔

۴۔ یہ دو جلدوں والے ایڈیشن کی فوٹو کاپی ہے جو ۱۹۸۸ میں لندن سے شائع ہوا تھا۔ اس میں یہ خالی تھی کہ غیر ضروری مواد کو درج نہیں کیا گیا تھا۔ بعض وہ ابواب جن کی کوئی اہمیت نہیں سمجھی گئی وہ خارج کر دیے گئے لیکن گزشتہ باب کے آخر میں ان کے مضمولات کا مختصر ذکر کر دیا گیا، البتہ پیش لفظ میں کتاب کے مضمولات کا معتد بہ جائزہ لیا گیا اور ان کے اہم مقامات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔



بعض ابواب میں کہیں کہیں گزشتہ ابواب کے موضوعات کا اعادہ ہے لیکن اس کی وجہ مصنف کی لاپرواہی نہیں ہے اور اس کے بارے میں اس نے خود یہ وضاحت کی ہے کہ اس کتاب میں مذہبی طریقے پر عمل کرنا ممکن نہیں کہ ان امور کا حوالہ دیا جائے جو بیان ہو چکے ہیں بلکہ بعض اوقات ایسے امور کا ذکر بھی آیا ہے جو اس سے پہلے بیان نہیں ہوئے اور جن کی وضاحت آئندہ کسی باب میں کی گئی ہے۔ بعض مرتبہ اس نے کسی بات کا اعادہ اس لئے بھی کیا ہے کہ اس سے کسی ایسی بات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے جو پہلی بار بتائی جا رہی ہے کیونکہ بعض صورتوں میں اعادہ افہام و تفہیم میں آسانی پیدا کر دیتا ہے۔

تمام ابواب کا آغاز تمہیدی یا تعارفی جملوں سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد مطلوبہ امور کا بیان اور بعد میں اس کے اقتباسات نقل کئے گئے ہیں۔ اگر ان مآخذ میں امور زیر بحث کے متعلق کوئی اختلاف پایا جاتا ہے تو اس کی نشاندہی بھی کر دی گئی ہے۔ کاتبوں کی غلطیاں اور اصطلاحات کی وضاحت کے ساتھ ساتھ اگر کسی امر کے متعلق مکمل معلومات مہیا نہیں ہو سکی ہیں تو اسے بھی بتایا گیا ہے۔ بعض جگہوں پر الہیرونی نے کسی ہندوستانی شخص یا گروہ کا ذکر کیا ہے جس سے اسے کوئی بات معلوم ہوئی تھی۔

لیکن اس نے ان اطلاعات کو تحقیق کئے بغیر قبول نہیں کیا۔ اس نے اس اطلاع کی دوسرے ذرائع سے تصدیق کرنے کی کوشش کی۔ ایک جگہ اس نے کہا ہے کہ ایک ذریعے سے اسے جو معلومات حاصل ہوئی تھیں دوسرے ذرائع سے اس سے بالکل مختلف اور متضاد باتیں معلوم ہوئیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے ”دیکھو مجھے مختلف ذرائع سے کیسے مختلف جواب ملے۔ واللہ اعلم۔“

بعض موضوعات کے متعلق اپنی ناکافی معلومات کا الہیرونی نے ایمانداری سے اعتراف کیا ہے۔ لیکن معلومات کی کمی یا عدم موجودگی کی وجہ سے اس نے موضوع زیر بحث کے بیان میں کمی نہیں کی ہے اور جو کچھ معلومات حاصل ہو سکی ہیں ان کو اتنا ہی اور اسی حال میں درج کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ ہندوؤں کے بعض نظریات و رسوم کو بیان کرتے ہوئے ماضی میں ان کی دوسری قوموں میں موجودگی کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے۔ ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ الہیرونی کا طریقہ تحقیق زمانہ حال کے محققوں جیسا ہے۔ وہ تقابلی مطالعے کا بھی قائل ہے جسے آج کے دور کی تحقیق کا خاص انداز سمجھا جاتا ہے۔ سماجی زندگی کے بیان میں اس نے بڑی بالغ نظری اور پختہ شعور کا ثبوت دیا ہے۔ خصوصاً ذات پات، ہنگی اور شرعی قوانین اور بت پرستی کے بیان میں، مثال کے طور پر ذات پات کے نظام کے آغاز کے بیان میں اس نے لکھا ہے کہ اگر کوئی مضبوط قوت ارادی کا مالک شخص کوئی نیا سیاسی یا سماجی نظام نافذ کرتا ہے اور اسے مذہب کی تائید حاصل ہو جاتی ہے تو وہ رنڈہ رفتہ ایک ضابطہ قانون کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ پرانے زمانے کے وہ سلاطین جنہیں اپنے فرائض کا احساس تھا اپنی رعایا کو مختلف طبقات میں منقسم

کر دیتے تھے اور ان کے فرائض متعین کر دیتے تھے اور انہیں منع کر دیتے تھے کہ وہ دوسروں کے کاموں میں دخل نہ دیں..... کوئی شخص جب اپنے راستے سے منحرف ہوتا تھا تو سزا پاتا تھا۔ خواہ اس کا یہ انحراف نیک نیتی اور مصلحت اندیشی پر ہی محمول ہو..... الہیرونی نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس ضابطہ کو قائم رکھنے میں حکومت کا کیا کردار ہوتا ہے نیز یہ کہ حکومت اور شریعت کے درمیان ہم آہنگی کا معاشرے پر بڑا صالح اثر ہوتا ہے۔ ہندوؤں کے قانون شریعت اور اس کی تنسیخ کے سوال پر بحث کرتے ہوئے کہا ہے کہ قانون میں ترمیم کی ضرورت یا تو اس وجہ سے پیش آتی ہے کہ انسانوں کی طبیعت میں تبدیلی آجائے یا قانون اتنا سخت ہو جائے کہ اس پر عمل کرنا دشوار ہو جائے۔

ہندوؤں کی بعض قدیم روایات کے بیان میں بھی الہیرونی نے گہرے سماجی شعور کا ثبوت دیا ہے۔ مثال کے طور پر اس نے دشنودھرم سے شوک کا یہ قول نقل کر کے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا ہے جس میں آب و ہوا اور طرز معاشرت کے اختلاف کو انسانی تمدن کے ارتقاء کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ باہمی امداد و اعانت تہذیب کے ارتقا کی بنیادی شرط ہے اور اس کے لئے حالات کا اختلاف ضروری ہے کیونکہ حالات کے اختلافات کے نتیجے میں ہی لوگوں کو باہمی امداد و تعارن کی ضرورت ہوتی ہے۔ الہیرونی مزید کہتا ہے کہ انسان کے حالات میں ایسا اختلاف بہ سبب رسوم مروجہ کے ہوتا ہے لیکن مذہبی احکام، رسوم و عادات سے زیادہ طاقت ور اور طبائع پر زیادہ غالب ہوتے ہیں۔ رسوم و عادات پر نکتہ چینی اور ان میں تبدیلی کی جاسکتی ہے لیکن مذہبی احکام کو بے چون و چرا تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ انسانوں کے دل میں حب وطن پیدا کرنے کا سبب بھی ملک کی آب و ہوا اور مذہبی و سماجی نظام سے تعلق خاطر ہے۔

الہیرونی نے مہا بھارت کی لڑائیوں کے بیان کے ذیل میں جنگوں کے اسباب اور فائدوں کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ بھی قابل غور ہے۔ اس نے اس سلسلے میں بعض باتیں وہ کہی ہیں جو عہد حاضر کے نظریہ ”جہد للبقا“ کی بنیاد ہیں۔ اس نے طبعی حالات کو اصلی حالت پر باقی رکھنے کی ضرورت پر بھی زور دیا ہے۔ یہ مسئلہ بھی آج کے سائنس دانوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ الہیرونی لکھتا ہے:

”دنیا کی آبادی بکھیتی اور اولاد کی پیدائش سے ہے اور جیسے جیسے زمانے گزرتا ہے ان دونوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور اس اضافے کی کوئی حد نہیں جبکہ دنیا محدود ہے۔

جب نباتات یا حیوانات کی کوئی قسم ایک کیفیت پر قائم ہو جاتی ہے اور اس طرح اپنی نسل کی افزائش کرنے لگتی ہے کہ اس نوع کا ہر فرد صرف ایک بار پیدا ہو کر مر نہیں جاتا بلکہ اپنے جیسے کو بار بار پیدا کرتا رہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ صرف ایک ہی قسم کے درخت یا ایک ہی قسم کے جانور زمین کے چپے چپے پر

پھیل جائیں گے

باغبان پیڑ کی اچھی اور تندرست شاخوں کو باقی رکھتا اور تمام دوسری شاخوں کو کاٹ دیتا ہے  
فطرت بھی یہی کرتی ہے لیکن وہ ایسا کرنے میں اچھے اور برے میں امتیاز نہیں کرتی اور اس کا عمل  
سب پر یکساں ہوتا ہے

یہی حال دنیا کا ہے، جب اپنے مکینوں کی زیادتی کی وجہ سے اس میں خرابی پیدا ہو جاتی یا پیدا ہونے  
کے قریب ہوتی ہے تو اس وقت حاکم کائنات ایک ایسے شخص کو بھیجتا ہے جو اس زیادتی کو کم کرتا اور برائی  
کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔“

الہیرونی نے اپنی کتاب میں جن موضوعات پر بحث کی ہے ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی علمی  
دلچسپیوں کا میدان کتنا وسیع تھا۔ اس کی کتاب کا بنیادی موضوع مذہبی اور فلسفیانہ افکار ہیں لیکن اس  
نے بہت سے دوسرے موضوعات کو بھی شامل کر لیا ہے۔ مثلاً سماجی اور مذہبی حالات، کھانا پینا اور لباس،  
کھیل اور تفریحیں، سکے اور اوزان، مقدمے اور توہمات وغیرہ۔ پھر یہ بات بھی معنی خیز ہے کہ بعض امور  
کے بارے میں اس نے سکوت اختیار کیا ہے۔ سیاسی حالات کے بارے میں اس کا خاموش رہنا تو سمجھ  
میں آتا ہے کیونکہ یہ اس کے موضوع سے خارج ہیں نیز یہ کہ اس موضوع پر دوسری کتابیں بھی موجود ہیں  
لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس نے تجارت، صنعت و حرفت، زراعت، فنون لطیفہ اور فن تعمیر جیسے اہم  
موضوعات کو کیوں چھوڑ دیا۔

سماجی حالات کے سلسلے میں کتاب کے وہ ابواب انتہائی قابل قدر ہیں جن میں ذات پات کا نظام،  
برہمنوں اور دوسری ذاتوں کے لئے واجب العمل رسوم بیان کی گئی ہیں۔ کسی دوسرے غیر ہندوستانی  
مصنف کی کسی کتاب میں اس زمانے میں رائج ذات پات کے نظام کے بارے میں اپنی تفصیل سے گفتگو  
نہیں کی گئی ہے۔ اس باب میں ذاتوں سے متعلق شرعی احکام بھی بیان کئے گئے ہیں اور ان سے ذاتوں کی  
تفریق کے مسئلے پر ایک نئی روشنی ضرور پڑتی ہے مثلاً برہمنوں کو چھتریوں کے ساتھ جوڑ دیا جانا یا دیشوں اور  
شودروں کا تقریباً ایک سطح پر رکھا جانا اور ان کے لئے اوامر و نواہی کے احکامات کا الگ الگ ہونا وغیرہ پھر  
مختلف درجوں کے لوگوں کا شہروں اور قریوں میں ساتھ ساتھ رہنا اور ایک ہی مکان میں رہنا اس بات  
پر دلالت کرتا ہے کہ مختلف ذاتوں اور خصوصاً دیشوں اور شودروں کے درمیان شادیاں بھی ہوتی ہوں گی۔

۱۔ کتاب میں الہیرونی نے تالابوں کے سلسلے میں ضمنی طور پر چند جملے اس موضوع پر کہے ہیں ایک اور جگہ پر اس  
نے ہندوؤں کے فن تعمیر کے متعلق ایک کتاب کا ذکر کیا ہے لیکن بد قسمتی سے کتاب الہند کے اصل عربی لہجے کی اس جگہ کی  
عبارات غائب ہے۔ ممکن ہے الہیرونی نے اس کتاب پر گفتگو کرتے وقت ہندوؤں کے فن تعمیر پر بھی کچھ کہا ہو۔

انیتا جوں میں اس قسم کی شادیاں عام تھیں۔ انیتا جوں کا شمار کسی ذات میں نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ اپنے پیشے سے پہچانے جاتے تھے۔ البیرونی نے اس بات کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

ذات پات کا اثر بیویوں کی تعداد اور نفاس کی مدت پر بھی ہوتا تھا۔ البیرونی نے لکھا ہے کہ بعض ہندوؤں کا یہ خیال ہے کہ ہر ذات کے شخص کے لئے بیویوں کی تعداد مقرر ہے۔ چنانچہ برہمن کو چار چھتری کو تین ویش کو دو اور شودر کو ایک بیوی رکھنے کی اجازت ہے۔ اسی طرح نفاس کی مدت برہمن کے لئے ۸ دن چھتری کے لئے ۱۲ دن ویش کے لئے ۱۵ دن اور شودر کے لئے ۳۰ دن ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ غریبوں کے لئے جن کے واسطے ایک ایک دن بہت اہم ہے، نفاس کی اتنی طویل مدت مقرر کر نامالی دشواریوں کا سبب ہوتا ہوگا۔

تعلیم، علاقائی زبانوں اور رسم الخط کے بارے میں بھی ”کتاب الہند“ مفید معلومات فراہم کرتی ہے۔ مثال کے طور پر بچوں کے تختی لکھنے کا ذکر پھر لکھنے کے ساز و سامان کو تیار کرنے کا طریقہ، ناریل کے پتوں پر لکھی ہوئی کتابوں کی پوتھیاں تیار کرنے کا طریقہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ بعض اہم کتابیں ریشم کے کپڑے کے ٹکڑوں پر بھی لکھی جاتی تھیں۔

ہندی کے حروف کی تعداد پچاس ہے۔ یہ تعداد ہمیشہ سے اتنی نہیں تھی بلکہ وقتاً فوقتاً اس میں اضافہ ہوتا رہا اور اب یہ پچاس ہے۔ ہندی حروف کی تعداد زیادہ ہونے کا ایک سبب ایسی اصوات کی موجودگی ہے جو کسی دوسری زبان میں نہیں ہیں۔ اس کے بعد ہندوؤں کے رسم الخط کا بیان ہے۔

ہندو یونانیوں کی طرح، بائیں جانب سے دائیں جانب لکھتے ہیں۔ ان کی لکھائی سطر کی تابع نہیں ہوتی کہ حروف کے سر اس کے اوپر اور دم نیچے رہے جیسا کہ عربی تحریر میں ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ان کے یہاں خط حروف کے اوپر سطر کی سیدھ میں ہوتا ہے اور حروف اس کے نیچے ہوتے ہیں۔ اس خط کے اوپر صرف اعراب اور نحوئی علامتیں ہوتی ہیں۔

اس کے بعد البیرونی نے بعض علاقائی زبانوں اور خطوں کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ یہ زبانیں اور رسم الخط کن علاقوں میں رائج ہیں۔ البیرونی نے ایک رسم الخط کا ذکر کیا ہے جو ”بیک شک“ کہلاتا تھا اور پور ویش اور اودے پور میں رائج تھا اور ”بدھ“ کا رسم الخط بھی یہی تھا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ”بیک شک“ کسی خاص علاقے کا خط نہیں تھا بلکہ ایک فرقے کا خط تھا جو اس علاقے میں مقیم تھا۔

۱۔ البیرونی نے ہندوستان کے مشرقی علاقے کے لوگوں کے اس عجیب خیال کا بھی ذکر کیا ہے کہ اس علاقے میں چھوٹے بچے کو بڑے پر ترجیح دی جاتی تھی۔ اس کی وجہ یہ عجیب و غریب خیال تھا کہ پہلے بچے کی پیدائش شہوت کے نتیجے میں ہوتی ہے اور چھوٹے کا وجود ارادے ٹکراؤ سکون سے حاصل ہوتا ہے۔

خاص خاص تہواروں کے بارے میں اس کا بیان بھی نہایت دلچسپ ہے۔ اتنا زمانہ گزرنے کے بعد بھی آج کا قاری ان میں سے بعض کو پہچان سکتا ہے مثلاً ہولی، درگا پوجا اور دیپاولی، ساتھ ہی ان تہواروں سے متعلق ان بیانات سے ان کی بعض رسوم کا تسلسل اور بعض کی تبدیلی کا پتہ بھی چلتا ہے۔ اس کے علاوہ ان تہواروں کے بیان کے سلسلے میں اس موضوع سے تعلق رکھنے والے بعض قدیم مآخذوں کی نشان دہی بھی ہوتی ہے۔

البیرونی کا عقیدہ تھا کہ علم ایک بین الاقوامی شے ہے اور نئے نظریات اور نئی دریافتوں سے خواہ وہ دنیا کے کسی بھی حصہ میں کی گئی ہوں تمام قوموں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ البیرونی کا یہ بھی خیال تھا کہ ہر علم کو ملک سے باہر بھی پھیلانا چاہئے تاکہ اس سے دوسرے لوگ بھی فائدہ اٹھائیں۔ ”وہ کہتا ہے کہ ہندوؤں کے لئے اقلیدس اور اربخسطی کا ترجمہ کرنے نیز اسطراب بنانے کے بارے میں ایک رسالہ لکھوانے میں مصروف ہوں.....“ البیرونی کو یقین تھا کہ سائنسی مطالعات کے فروغ میں سلاطین اور شہزادے اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ وہ علماء کو فکر معاش سے آزاد کر کے انہیں کیسوی سے علم کی خدمت کرنے کا موقع دے سکتے ہیں..... البیرونی کہتا ہے کہ موجودہ زمانہ اس کے لئے سازگار نہیں ہے۔ نہ تو شہزادوں اور سلاطین کی سرپرستی حاصل ہے اور نہ عوام کے ذہن سائنسی علوم کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی نیا علم اور تحقیق جنم نہیں لے سکتی، جو کچھ باقی ہے وہ پرانے زمانے کی ترقیوں کا ایک معمولی سا حصہ ہے۔ ہندوستانی مطالعات کی کمی کا ثبوت یہ ہے کہ البیرونی نے جن مآخذوں سے استفادہ کیا تھا وہ صدیوں پہلے کے تالیف شدہ تھے۔ البیرونی کے مطابق اکثر سلاطین و امراء علوم کی اہمیت کے بھی قائل نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ علماء کے دروازوں پر دستک نہیں دیتے خود علماء کو ان کے درباروں میں جانا پڑتا تھا..... اس کے اس اقدام کا محرک علم کی اشاعت کی خواہش تھی۔ اس کا یہ خیال بھی تھا کہ علوم کی ترقی اور اشاعت میں ارباب حکومت کا بہت بڑا حصہ ہے کیونکہ اپنی توجہ اور امداد سے یہ لوگ اہل علم کو ان کی دنیاوی ضرورتوں کے فکر و تردد سے آزاد کر دیتے ہیں اور انہیں کیسوی کے ساتھ اپنے علمی مشاغل کو جاری رکھنے کے قابل بنادیتے ہیں۔ ہندوؤں کے علوم میں البیرونی نے سب سے زیادہ توجہ نجوم پر دی ہے کچھ اس وجہ سے کہ ان کے علم نجوم کی بہت دھوم تھی اور کچھ اس لئے کہ اس موضوع سے اسے خود بھی بہت لگاؤ تھا۔ علم نجوم میں ہندوؤں کی مہارت کی تعریف کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے پڑھے لکھے لوگوں اور عوام کے نظریات کا فرق بھی واضح کر دیا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ یہ دونوں نظریات باہم خلط ملط ہو گئے تھے جس کی وجہ سے نجوم کی کتابوں میں علمی مباحث کے ساتھ خرافات بھی موجود ہیں اور یہ علم سبوں اور سڑی ہوئی کھجوروں کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ”سائنسی طریق استنباط“ سے

کام نہیں لیتے..... ایک دوسری جگہ پر الہیرونی نے اس صورت کا سبب بیان کیا ہے۔ اس کا بڑا سبب اپنے عقائد پر قائم رہنے کے لئے جس ہمت کی ضرورت ہے، اس کا فقدان ہے۔ سقراط میں یہ ہمت تھی..... اس کے علاوہ سماجی دباؤ اور سماجی مخالفت کا ڈر بھی سائنسی طریق کے استعمال میں مانع ہوتا ہے۔

الہیرونی نے بعض دوسرے ہندو علوم مثلاً کیمیا سازی، نظام وزن اور پیمائش اور طب کے بارے میں بھی لکھا ہے۔ اول الذکر کے تحت انہوں نے ارتفاع وغیرہ عملیات کا ذکر کیا ہے۔ اس نے رسائل کے نیم سائنس ہونے کا مضحکہ اڑایا ہے جو دوسری دھاتوں کو سونے میں بدلنے کے لئے آزمائی جاتی تھی۔ چنانچہ اس نے جاہل ہندو شہزادوں کی سونے کی طمع پر سخت نکتہ چینی کی ہے جو رسائل شاستریوں کے کہنے پر غیر انسانی حرکتوں مثلاً بچوں کو قتل کر کے ان کا خون چڑھانے تک سے گریز نہیں کرتے تھے۔

الہیرونی نے یہ بھی کہا ہے کہ ہندوؤں کے اور بھی بہت سے علوم ہیں جن کو وہ اپنے محدود علم کی وجہ سے سمجھنے سے قاصر ہیں (یہ الہیرونی کی عالمانہ کسر نفسی ہے)۔

مذہبی معتقدات کے معاملے میں اس نے خواص اور عوام کے عقائد کے درمیان امتیاز قائم کیا ہے۔ خواص تو حید کے قائل ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا ایک ہے، ازلی ہے نہ اس کی ابتداء ہے اور نہ انتہا قادر مطلق ہے، زندہ ہے، زندگی دیتا ہے، دنیا کا مالک و مختار اور قائم رکھنے والا ہے۔ اس کے برخلاف عوام کی اکثریت بت پرست تھی لیکن الہیرونی اس کی مذمت نہیں کرتا۔ اس کے اسباب بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ عوام کا رجحان محسوسات کی طرف ہے، وہ غیر محسوس حقائق کا عرفان نہیں کر سکتے۔ ان کا محسوسات کی طرف میلان اس کا محرک ہوا کہ انبیاء اور صلحا کی یادگاریں قائم کریں اور ان کے بت بنائیں اور اس طرح ان کے تئیں اپنی عقیدت کا اظہار کریں۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس کی ابتدا کے محرکات فراموش ہو گئے لیکن عمل باقی رہا..... اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بت پرستی سے ذاتی کراہت کے باوجود اس نے ہندوؤں میں بت پرستی کے آغاز اور رواج پانے کے اسباب کا نہایت معروضی انداز میں جائزہ لیا ہے۔

عام طور پر لوگ اقتصادی اسباب کو نظر انداز کر دیتے ہیں لیکن الہیرونی نے موضوعات کی اہمیت اور ذبیحہ گاو کے امتناع کے اقتصادی اسباب بھی بیان کئے ہیں۔ اسی طرح اس نے چٹکوں کی موجودگی کے اقتصادی اسباب کا جائزہ بھی لیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ سومنات سمندری مسافروں کی بندرگاہ ہے اور مشرقی افریقہ اور چین کے درمیان آمد و رفت کرنے والوں کی منزل ہے۔ گائے کے ذبیحے پر پابندی اس وجہ سے لگائی گئی کہ وہ زراعت کے لئے بہت مفید ہے اور اس سے گھر میں استعمال ہونے والی بہت سی فائدہ مند اور ضروری چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ طوائفوں کے بارے میں لکھتا ہے کہ راجا ان کو نہ صرف اپنے



شہروں کی زینت اور عوام کی کشش کا سامان سمجھتے تھے بلکہ وہ حکومت کی آمدنی کا بھی ایک اچھا ذریعہ تھیں۔ ان سے جو روپیہ ٹیکسوں اور جرمانوں کی صورت میں حاصل ہوتا تھا اس سے فوج کے اخراجات پورے کئے جاتے تھے۔

ایک اور اہم بات جس کی طرف البیرونی نے ضمناً اشارہ کیا ہے یہ ہے کہ ابتدائی دور کے بعض مسلمان حکمران، سیاسی مصالح کو مذہبی مصالح پر مقدم رکھتے تھے۔ ملتان پر محمد بن قاسم کے قبضہ کا ذکر کرتے ہوئے البیرونی نے لکھا ہے کہ جب محمد بن قاسم کو یہ معلوم ہوا کہ اس شہر کے مندر اور اس کے بت کی وجہ سے شہر میں بہت مال و زر آتا ہے اور شہر کی خوشحالی کا راز بھی یہی ہے تو اس نے بت کو علیٰ حالہ رہنے دیا (اگرچہ اس کی توہین کردی)۔ اس سے بھی زیادہ اہم واقعہ وہ ہے جب سیدنا امیر معاویہؓ (۶۵۱ء تا ۶۸۰ء) نے اپنی خلافت کے زمانے میں صقلیہ سے مال غنیمت میں آنے والے سونے اور جواہرات سے بنے ہوئے بتوں کو سندھ بھجوا کر فروخت کر دیا تھا۔ خلیفہ نے ان بتوں کو (جو مذہبی اعتبار سے انتہائی مردود و ملعون شے ہیں) حصول زر کی خاطر فروخت کرنے میں ذرا سا بھی تامل نہیں کیا کیونکہ انہوں نے ایسا انتظامی مصلحت سے کیا تھا، دینی مصلحت سے نہیں۔

”یہ روایت اس مقام میں بلفظ ذکر (بصیغہ مجہول) کی گئی ہے۔ یہاں نہ تو اس روایت کی سند بیان کی گئی ہے اور نہ ہی اس کا تاخذ کر کیا گیا ہے۔ اس مقام سے معلوم نہیں ہو سکتا کہ واقعہ کو بیان کرنے والا کون صاحب ہے؟ اور کہاں سے نقل کیا ہے اور تاریخ ابن عساکر میں تحت مسروق بن الاعدع واقعہ ہذا وارد ہے۔ اسی طرح تاریخ بغداد میں خطیب بغدادی نے تحت مسروق اس کو ذکر نہیں کیا اور علیٰ اختلاف الاقوال صاحب کتاب شمس الاسماء السرخسی المتوفی ۴۸۳ھ نے اس کو ذکر کیا ہے جبکہ روایت میں مذکورہ واقعہ جس دور میں پیش آیا وہ خلافت حضرت امیر معاویہؓ ۴۱ھ تا ۶۰ھ کا زمانہ ہے۔ ان دونوں ادوار میں مدت مدید کا فاصلہ پایا جاتا ہے۔

یہاں ایک فقہی اختلاف موجود ہے، مناسبت مقام کے لحاظ سے اس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ سیدنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صنم و صلیب وغیرہ کی بیع ان کے عابدین کے ہاتھوں کر دینا جائز ہے اور تمثال کی بیع کا یہ واقعہ امام صاحبؒ کا متدل ہے جبکہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ بیع مکروہ ہے۔ جیسا کہ یہاں مسروق بن اجدعؒ تابعی کے قول سے ثابت ہوتا ہے..... فی کون دلیلا لابی حنیفہ رحمہ اللہ فی جواز بیع الصنم والصلیب ممن یعبد کما ہو طریقہ القیاس وقد استعظم ذالک مسروق رحمہ اللہ کما ہو طریق الاستحسان الذی ذہب الیہ ابو یوسفؒ ومحمدؒ وحمہما اللہ فی کراہتہ ذالک (منہ)

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ مسروقؒ تابعی کے مسلک کو بیان کرنے کے بعد صاحب کتاب الرخنیؒ نے خود اس بات کا موازنہ کر کے یہ کہاں کہاں ہے کہ بیع تمثال و اضنام کے مسئلہ میں حضرت معاویہؓ کا قول مقدم ہے اور اسی کو قابل عمل سمجھا جاتا ہے اور مسروقؒ تابع کا قول اس میں متروک ہے۔<sup>۱</sup> فیکس لگانے کے اصول اور آمدنی کی تقسیم کے بارے میں مصنف کے خیالات بھی قابل غور ہیں۔ ذخیرہ اندوزی کے اسباب میں سے ایک ”مستقبل کے لئے بچا کر رکھنا بھی ہے“ جسے مصنف نے ”پریشانیوں سے دل کو مطمئن رکھنا“ کہا ہے۔ پیشوں کی نقل و حرکت و مذہبی پابندی اور برہمنوں کو صرف کپڑے اور سپاری کی تجارت کی اجازت کا ذکر بھی قابل غور ہے۔ برہمنوں کے لئے تجارت کو اس لئے ناپسند کیا گیا کہ تجارت میں فریب اور جھوٹ شامل ہوتا ہے۔ سود لینا بھی حرام تھا۔ البتہ شودروں کو اجازت تھی کہ وہ دو فیصد تک سود لے سکتے تھے۔ الہیرونی کو کام کی بات کا پتہ چلا لینے کا زبردست سلیقہ تھا۔ چنانچہ ترکے کے سلسلے میں اس نے لکھا ہے کہ بجزے کو ترکے میں مرد کے برابر حصہ ملتا تھا۔ ملک کے جغرافیائی حالات کے بیان میں الہیرونی نے ملک میں پائی جانے والی چٹانوں کی شکل، حجم اور ساخت سے لے کر یہاں کے باشندوں کی نسلی خصوصیات اور لباس وغیرہ تک کا ذکر کیا ہے۔ جغرافیائی حالات کے بیان میں الہیرونی نے کتابوں سے زیادہ مشاہدے اور پیمائش پر زیادہ انحصار کیا ہے۔ ملک کی بڑی بڑی شاہراہوں کا بیان اور مختلف شہروں کے درمیان کے فاصلے کا یقین الہیرونی کا ایک اہم کارنامہ ہے لیکن اس کو پوری طرح سمجھنے کے لئے ان شہروں کی شناخت کرنا اور الہیرونی کے متعین کیے ہوئے فاصلوں کو ہندوستانی پیمانوں میں تبدیل کرنا ضروری ہے اور یہ دونوں کام دشوار اور محنت طلب ہیں۔

بعض دفعہ وہ اشاروں و اشاروں میں بڑے پتے کی بات کہہ جاتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ مختلف مقامات پر استعمال ہونے والے ہندوؤں کے حروف تہجی پر بحث کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے کہ کرناٹ دیس میں کرناٹ زبان استعمال ہوتی ہے اور ساتھ ہی یہ اہم اشارہ بھی کیا ہے کہ سلطان محمد کی فوج کے ”کنٹر“ سپاہی کرناٹ دیس سے بھرتی ہو کر آتے ہیں..... ایک جگہ بنات العیش کے ستاروں پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ (کتاب الہند کی تصنیف کا وقت یعنی ۴۲۱ھ میں) ہمارا زمانہ سکا کل عہد ۹۵۲ھ سن ہے اس سے سکا کل سن اور عیسوی سن کی تطبیق کی صحت کی بالواسطہ تصدیق ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سن ۷۸ عیسوی سے شروع ہوتا ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں ۴۲۱ھ ۱۰۳۰ عیسوی کے مطابق ہے

۱۔ مولانا محمد نافع ”سیرت حضرت امیر معاویہؓ“ (جلد دوم) سن ۱۹۹۵ء، ”تخلیقات لاہور“ صفحہ ۳۲۸-۳۳۰۔

اور اگر ۹۵۲ میں ۷۸ جوڑ دیئے جائیں تو حاصل جمع ۱۰۳۰ ہوتا ہے۔ ایک اور جگہ پر طول البلد نکالنے کا طریقہ بتاتے ہوئے انہوں نے ہندوستان کے بعض شہروں کا (جہاں وہ گئے تھے) طول البلد مقرر کر کے لکھ دیا ہے..... اس اطلاع پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی ہے لیکن اس سے البیرونی کے سفر ہندوستان پر خاصی روشنی پڑتی ہے۔ اسی طرح وقت کے حصوں پر گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے ”گھنٹی“ کے گزرنے کے ناپنے کے لئے مستعمل ایک آلے کا ذکر کیا ہے جو اس نے پشاور میں دیکھا تھا۔ ساتھ ہی اس آلے کو چلانے کے لئے مختلف لوگوں کی طرف سے عطیات دینے کے رواج کے بارے میں بھی بتایا ہے..... اس نے متعلقہ وقف کو خود دیکھا تھا۔ ہم مذہبی امور کی انجام دہی کے لئے قائم کئے گئے اوقاف سے تو واقف ہیں لیکن اس قسم کے اوقاف کے بارے میں البیرونی نے ہمیں جو کچھ بتایا ہے وہ نہایت اہم ہے۔ علاقائی زبانوں کے بیان کے ضمن میں البیرونی نے بتایا ہے کہ سلطان محمود کی فوج میں کرناٹ دیس کے سپاہی بھرتی کئے جاتے تھے۔ بنات العیش کے ستاروں کے بیان میں البیرونی نے اتفاقاً یہ بھی بتا دیا ہے کہ ”کتاب الہند“ کی تکمیل کا زمانہ (یعنی ۱۰۳۰ عیسوی) شک کال کا ۹۵۲ ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شک دور کی ابتداء ۸۷۰ عیسوی میں ہوئی تھی۔

البیرونی کی کتاب کی سب سے خاص بات اس کا ہمدردانہ طریق مطالعہ ہے۔ اس بات کی اہمیت کا اندازہ اس وقت ہوگا جب اس بات کو ذہن میں رکھا جائے کہ یہ کتاب اس زمانے میں لکھی گئی تھی جب ہندوستان پر پے بہ پے مسلم حملوں کی وجہ سے دونوں فرقوں میں نظریاتی اور جذباتی عناد روز افزوں تھا۔ البتہ بعض مقامات پر البیرونی نے ہندوؤں کی بعض رسوم کے بارے میں سخت کلمات استعمال کئے ہیں اور ہندوؤں کی خود پسندی اور علیحدگی پسندی کی مذمت کی ہے لیکن یہاں بھی اس نے انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے اور یہ کہنے میں تامل نہیں کیا ہے کہ یہ باتیں صرف ہندوؤں ہی میں نہیں دنیا کی دوسری قوموں میں اور خود زمانہ جاہلیت کے عربوں میں بھی موجود تھیں۔ باہر سے آنے والوں کو ہندوؤں کی یہ باتیں اس لئے بھی عجیب معلوم ہوتی ہیں کہ ان کے اپنے معاشرے میں ان کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اس کی کتاب کا آخری جملہ بھی قابل غور ہے جس میں اس نے کہا ہے کہ یہ کتاب ان لوگوں کے لئے ہے جو ہندوؤں سے مذہب اور علم و ادب کے معاملات پر ان کی اپنی تہذیبی بنیاد پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ آج کل مغربی ممالک کے علماء اس بات پر بہت زور دیتے نظر آتے ہیں کہ مشرقی تہذیب کو اس کے اپنے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے اور اس کی تفہیم میں مشرقی علماء کی کتابوں سے استفادہ کرنا چاہئے۔ البیرونی کی عظمت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ اس نے ایک ہزار سال پہلے اس نسخے پر کامیابی سے عمل کر دکھا دیا۔ البیرونی کا ایک کمال یہ بھی ہے کہ اس نے ایک اجنبی تہذیب کو اس کے پرانے ماخذ کی روشنی

میں دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی اور اس کا یہی وہ وصف خاص ہے جس کی وجہ سے ہندوستان کے بارے میں اس کی تصنیف کردہ اس کتاب کو اس قسم کی تمام دوسری کتابوں پر برتری حاصل ہے۔

کتاب کا موجودہ تلخیص شدہ ایڈیشن، ایڈورڈ سیخاؤ کے انگریزی ترجمے پر مبنی ہے۔ اس ایڈیشن میں تمام ابواب اسی ترتیب سے باقی رکھے گئے ہیں اور البیرونی کے اقوال میں بھی کوئی کمی بیشی نہیں کی گئی ہے۔ اس کتاب کا معتد بہ حصہ نجوم اور احکام نجوم سے متعلق ہے۔ البیرونی شاید خود بھی ان علوم کو بہت اہمیت دیتا تھا۔ بہر حال نجوم سے متعلق حصے میں عام قاری کی دلچسپی کا کوئی سامان موجود نہیں ہے۔ پھر سائنس کے بعض حالیہ انکشافات نے اس وقت کے بہت سے نظریات کو باطل کر دیا ہے۔ اب اس کتاب کی اہمیت اس کے ان حصوں کی وجہ ہے جو سماجی نظام، عادات و اطوار، تہواروں اور میلوں، عدالتی نظام اور جغرافیائی حالات کے بارے میں ہیں۔ اس ایڈیشن کی ترتیب و تدوین میں انہی امور کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اس ایڈیشن سے کتاب کے ان حصوں کو خارج کر دیا گیا ہے جو نجوم اور احکام نجوم کی اصطلاحی تفصیلات یا غیر ضروری حکایات پر مشتمل تھے۔ البتہ جن تفصیلات یا حکایات کا تعلق براہ راست موضوع زیر بحث سے ہے وہاں ان کو باقی رکھا گیا ہے لیکن یہ حصے ماہرین کے لئے ہی دلچسپ اور مفید ہو سکتے ہیں۔ جن اجزا کو حذف کیا گیا ہے ان کے مندرجات وادین کے اندر مختصر اُبیان کر دیئے گئے ہیں جن صفحات کی تلخیص کی گئی ہے (نئی دہلی اشاعت ۱۹۶۴ء کے مطابق) ان کی نشاندہی چوکور بریکٹوں میں کر دی گئی ہے۔ بعض مقامات پر جہاں البیرونی نے کسی معاملے پر گزشتہ صفحے پر کچھ کہا ہے اس کا بھی حوالہ دے دیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں چھوٹے بریکٹوں میں مذکورہ صفحے کا نمبر لکھ دیا گیا ہے۔ بعض جگہ جہاں کسی صفحے کی کوئی عبارت حذف کی گئی ہے وہاں جملے کے اختتام پر..... (نقطے) لگا دیئے گئے ہیں۔ البیرونی نے جن کتابوں اور مصنفوں کا حوالہ دیا ہے ان کے بارے میں تشریحی حواشی شامل کر دیئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ متن میں آنے والی اصطلاحات کی توضیح بھی حاشیوں میں کر دی گئی ہے۔ ان میں سے بعض سخاؤ سے ماخوذ ہیں۔ سخاؤ کی توضیحات کو جوں کا توں باقی رکھنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اس کے اکثر حواشی خصوصی لسانیاتی نوعیت کے ہیں اور ان میں سے اکثر کو جدید تحقیق کی روشنی میں بد لئے کی ضرورت تھی۔

سخاؤ کے ترجمے میں حواشی ہر ہر صفحے پر دیئے گئے ہیں۔ حواشی کا نمبر شمار بہر حال ترتیب وار دیا گیا ہے، جو لوگ البیرونی کی اس کتاب کے کسی خاص حصے کے مباحث کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی سہولت کے لئے موضوعات متعلقہ پر شائع ہونے والی کتابوں اور مقالات کی فہرست بھی دے دی گئی ہے۔ سماجی نظام، مذہب اور علوم پر خاص توجہ دی گئی ہے۔

سلطان محمود کی حدود سلطنت کا ایک نقشہ بھی شامل کتاب ہے۔ اس نقشے میں اس کے ہندوستانی مقبوضہ علاقوں کی نشاندہی بھی کر دی گئی ہے، کوشش یہ کی گئی ہے کہ موجودہ ایڈیشن کو اس طرح مرتب کیا جائے کہ اس میں الہیرونی کی کتاب کی اصل روح باقی رہے اور عام قاری کو اس کے پڑھنے سے لطف اور فائدہ حاصل ہو۔

سلطان محمود اور الہیرونی ہندوستانیوں اور اسلامی تہذیب کے مابین رابطے کی دو مختلف جہات کے نمائندے ہیں، جب کہ اول الذکر فوری، خارجی اور تخریبی اثرات کا علم برادر تھا۔ ثانی الذکر، دیرپا، داخلی اور تعمیری اثرات کی علامت تھا۔

یہ بڑی بد قسمتی کی بات ہے کہ نہ صرف عام قاری بلکہ وہ لوگ بھی جو تاریخ سے دلچسپی رکھتے ہیں سلطان محمود کے حلوں سے تو واقف ہیں لیکن الہیرونی اور اس کی کتاب الہند کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ اگر یہ کتاب اس غلط رجحان کو درست کر سکے تو اس کی تدوین و اشاعت کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ کتاب کا یہ دوسرا نظر ثانی شدہ ایڈیشن، پہلے ایڈیشن کے دو سال کے اندر ہی شائع ہو رہا ہے۔ اس ایڈیشن میں اصل کے بعض اقتباسات میں اضافے کر دیئے گئے ہیں، ساتھ ہی ایڈیٹر کے پیش لفظ، حوالوں اور حواشی میں بھی اضافے کئے گئے ہیں۔

میں اپنے دوست ہال جیکر ایس جے کا ممنون ہوں جنہوں نے انگریزی ترجمے میں موجود یونانی الفاظ کو رومن رسم الخط میں لکھنے کی زحمت فرمائی۔ میں پروفیسر یوگندر مسرا، سابق صدر شعبہ تاریخ پٹنہ یونیورسٹی کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے مجھے ہندو تقویم کے بارے میں اہم معلومات فراہم کیں جس سے تہواروں کے بارے میں حواشی کی ترتیب میں بہت مدد ملی۔ میں اپنے رفیق کارڈاکٹر آراین منڈریڈر شعبہ تاریخ پٹنہ کالج کا بھی شکر گزار ہوں۔ انہوں نے بعض حواشی کی تیاری میں مدد فرمائی۔ اشاریے کی ترتیب میں مجھے اپنے بیٹے امتیاز احمد، لیکچرر شعبہ تاریخ پٹنہ کالج سے بہت مدد ملی ہے۔

قیام الدین احمد

## دیباچہ بسم اللہ الرحمن الرحیم

- ۱۔ روایت خبر اور نظر
- ۲۔ راویوں کی مختلف قسمیں
- ۳۔ سچائی کی تعریف

اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ خبر کے مقابلے میں نظر زیادہ معتبر ہے کیونکہ نظر کے معنی کسی چیز کو اسی وقت اور اسی جگہ ہوتے ہوئے اپنی آنکھ سے دیکھنا ہے جبکہ خبر اور سنی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر خبر کے ساتھ یہ کمزوری نہ ہوتی تو اسے نظر پر ترجیح ہوتی کیونکہ مشاہدہ کی ہوئی چیز کا وجود چند لمحوں سے زیادہ نہیں رہتا لیکن خبر حال، ماضی اور مستقبل سب پر محیط ہوتی ہے اور موجوداہر ناموجود (یعنی وہ جو ختم ہو چکی ہے یا ابھی وجود میں نہیں آئی ہے) دونوں اس میں شامل ہیں۔ خبر کی ایک قسم تحریری روایت ہے جو اس کی تمام دوسری قسموں سے زیادہ قابل ترجیح ہے۔ اگر قلم کی لکھی ہوئی یہ یادگاریں موجود نہ ہوتیں تو ہم قوموں کی تاریخ سے کس طرح واقف ہو سکتے تھے۔

کسی ایسے واقعے کی خبر کے جو منطقی اور طبعی اعتبار سے ممکن الوقوع ہو، سچے یا جھوٹے ہونے کا دارومدار راوی کے سچے یا جھوٹے ہونے پر ہے کیونکہ راوی قوموں کے درمیان پائی جانے والی رقابت و عداوت اور مفادات کے اختلاف سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس لئے مختلف قسم کے راویوں کے درمیان امتیاز قائم کرنا ضروری ہے۔

راویوں کی ایک قسم وہ ہے جو اپنے ذاتی فائدے کے لئے اپنے خاندان یا اپنی قوم کی جھوٹی تعریف یا دوسرے خاندان اور قوم کی جھوٹی برائی کرتے ہیں تاکہ اپنی قوم کی خوشنودی حاصل کر کے اپنے مقاصد کی تکمیل کریں۔ دونوں صورتوں میں جھوٹ بولنے کا محرک لالچ یا عناد ہوتا ہے۔ بعض راوی کسی خاص طبقے کی جس کے وہ یا تو ممنون احسان ہیں یا جس سے کسی بات پر ناراض ہیں جھوٹی تعریف یا تنقیص کرتے ہیں۔ یہ راوی بھی ویسے ہی ہیں جیسے کہ پہلی قسم کے، کیونکہ ان کی غلط بیانی کا محرک بھی ذاتی پسند یا ناپسند ہے۔ پھر بعض راوی اپنی فطرت کی پستی سے مجبور ہو کر دروغ بیانی کرتے ہیں اور جھوٹ بول کر فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں یا پھر بزدلی اور ڈر کی وجہ سے سچ نہیں بول سکتے۔



بعض راوی اس وجہ سے جھوٹی خبر دیتے ہیں کہ یہ بات ان کی فطرت میں داخل ہے اور اس کے خلاف نہیں کر سکتے۔ اس قسم کے راویوں کی دروغ گوئی کا سبب ان کی طبیعت کی پستی اور خباثت ہے۔ بعض لوگ جہالت کی بنا پر جھوٹی خبر دیتے ہیں۔ یہ لوگ دوسروں سے سنی ہوئی باتوں کو آنکھ بند کر کے مان لیتے ہیں اور دوسروں سے بیان کر دیتے ہیں۔

اگر ان راویوں کی تعداد اتنی زیادہ اور مسلسل ہو کہ ان کے الگ الگ سلسلے یا طبقے قائم ہو جائیں تو پہلے راوی اور آخری سننے والے کے درمیان کے تمام راوی گویا درمیانی کڑیاں یا واسطہ ہوں گے اور اگر ان کو درمیان سے ہٹا دیا جائے تو صرف پہلا راوی باقی بچے گا جو مذکورہ بالا جھوٹے راویوں کی قسموں میں سے کسی ایک سے تعلق رکھتا ہوگا۔

- ۱۔ ہندوؤں کے معتقدات کے بارے میں مسلمان مصنفین کی کتابوں کے نقائص
  - ۲۔ ایران شہری کی کتاب پر مصنف کا تبصرہ
  - ۳۔ مصنف سے ہندوؤں کے بارے میں کتاب لکھنے کی فرمائش
  - ۴۔ مصنف اپنی مجوزہ کتاب میں تحقیق کا کیا طریقہ اختیار کرے گا
- عزت و تعریف کا مستحق صرف وہ شخص ہے جو جھوٹ سے بچتا اور سچائی پر مضبوطی سے قائم رہتا ہے۔ جھوٹ بولنے والے بھی ایسے شخص کی عزت کرتے ہیں۔

میں استاد ابوسہل عبدالمعتمد ابن علی ابن نوح تفسلی (اللہ انہیں قوت عطا فرمائے) سے ملا تو ان کو اس مصنف کی نیت کا شکی پایا جس نے معتزلہ کے متعلق اپنی کتاب میں ان کے عقائد کے بیان میں دروغ گوئی سے کام لیا تھا۔ معتزلہ خدا کو عالم بالذات مانتے ہیں لیکن مذکورہ کتاب کے مصنف نے ان کے اس قول کو اس طرح بیان کیا جس سے لوگوں میں یہ بدگمانی پیدا ہو جائے کہ معتزلہ خدا کو نعوذ باللہ جائل سمجھتے ہیں (تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس کی ذات اس سے اور ایسی تمام خصوصیات سے پاک ہے جو اس کی شان الوہیت کے منافی ہیں)۔

میں نے استاد موصوف کو بتایا کہ جو مصنفین ایسے مذاہب کے بارے میں جن سے انہیں جزوی یا کلی اختلاف ہے لکھتے ہیں وہ اسی قسم کی غلط بیانیوں سے کام لیتے ہیں اور ان سب کی کتابوں میں یہ عیب موجود ہے۔ گفتگو کے دوران ایک صاحب نے ہندوؤں کے دین و مذہب کا ذکر چھیڑ دیا۔ اس پر میں نے کہا کہ ہندوؤں کے متعلق ہمارے یہاں جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ سب ایک دوسرے کی نقل ہیں اور ایک نے دوسرے کے ہر رطب و یابس کو تحقیق کئے بغیر اپنے ہاں نقل کر دیا ہے۔ ہاں مذاہب کے متعلق

لکھنے والوں میں صرف ایک شخص ایسا ہے جس نے ہر بات کو بے کم و کاست اور من و عن نقل کر دینے کے مسلک پر عمل کیا ہے اور وہ شخص ہے، ابو العباس ایران شہری۔ یہ شخص اپنے زمانے کے کسی مذہب کو نہیں مانتا تھا بلکہ اپنے ہی ایجاد کردہ دین کا تہا پیر اور مبلغ تھا۔ اس نے یہود و نصاریٰ کے عقائد اور تورات و انجیل کے مقامات کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے فرقہ مشائیہ اور ان کی کتابوں میں مذکور ان قدیم مذاہب کا ذکر کیا بھی بڑی تفصیل سے کیا ہے جو اب معدوم ہو چکے ہیں لیکن جہاں اُس نے ہندوؤں اور بدھوں کا ذکر کیا ہے وہاں اس کا قلم بھی چوک گیا ہے اور زرقان کی کتاب کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھا ہے اور جو کچھ اس میں ہے اسے اپنی کتاب میں نقل کر دیا ہے اور جو زرقان سے نقل نہیں کیا اور خود لکھا ہے وہ ان دونوں فرقوں کے عوام سے سن کر لکھ دیا ہے۔

استاد موصوف نے جب ان کتابوں کو دوبارہ پڑھا تو انہیں ہو بہو دیا ہی پایا جیسا میں نے کہا تھا اور انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ ہمیں ہندوؤں کے بارے میں جو کچھ معلوم ہے اسے لکھ ڈالیں تاکہ ان لوگوں کو جو ہندوؤں سے بحث و مناظرہ کرنا چاہتے ہیں اس سے مدد ملے اور جو لوگ ہندوؤں سے رابطہ و ضبط قائم کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے بھی مفید ثابت ہو۔

ان کی فرمائش پر ہم نے یہ کتاب اس طرح لکھی ہے کہ اس میں ہندوؤں کے بارے میں جو مذہب میں ہم سے مغائر ہیں کوئی بے بنیاد بات نہیں لکھی ہے اور اگر کسی مسئلہ کی وضاحت کے لئے ضروری ہوا ہے تو ان کے ایسے اقوال کو بھی تمام و کمال نقل کرنے سے گریز نہیں کیا ہے جن کو مسلمان ہونے کے ناتے میں حق کے منافی سمجھتا ہوں۔ اگرچہ یہ اقوال مشرکانہ ہیں اور اہل حق یعنی مسلمانوں کو یقیناً ان پر اعتراض ہوگا لیکن میں اس سلسلے میں صرف اتنا ہی کہوں گا کہ ہندوؤں کے عقائد یہی ہیں اور وہی ان کے دفاع کے اہل ہیں۔

یہ کتاب مناظرہ کی کتاب نہیں ہے۔ اس کو لکھنے سے میرا مقصد یہ نہیں تھا کہ ہم فریق مخالف (یعنی ہندوؤں) کے وہ اقوال، جنہیں ہم غلط اور حق کے منافی سمجھتے ہیں نقل کر کے ان کے رد میں دلائل پیش کریں میری یہ کتاب احوال و اقوال کی ایک دستاویز ہے اور بس! اس میں ہم ہندوؤں کے اقوال کو سن و عن نقل کر دیں گے اور ساتھ ہی یونانیوں کے ملتے جلتے نظریات و عقائد کو بھی بیان کر دیں گے تاکہ دونوں کی باہمی مشابہت کا اندازہ ہو جائے۔ یونانیوں کا مقصد اگرچہ تلاش حق تھا لیکن ان مسائل میں جن کا تعلق عوام سے ہے وہ بھی مذہب کے پیچ و خم اور شریعت کی بھول بھلیوں سے باہر نہیں نکل سکے تھے۔ یونانیوں کے علاوہ ہم کہیں کہیں صوفیوں، عیسائیوں کے بعض فرقوں اور بعض دوسرے ادیان کے اقوال بھی

نقل کریں گے۔ اس لئے کہ تناخ اور طول و اتحاد کے معاملے میں ان سب کے نظریات ایک سے ہیں۔  
 میں دو کتابوں کا عربی میں ترجمہ کر چکا ہوں۔ ایک کتاب موجودات کی ابتداء اور ان کے احوال سے  
 متعلق ہے اور اس کا نام سامکھیہ ہے۔ دوسری کتاب بدن کی قید سے روح کے نجات پانے سے متعلق  
 ہے اور اس کا نام پانجلی ہے۔ ان کتابوں میں ہندوؤں کے اکثر بنیادی عقائد بیان کئے گئے ہیں۔  
 فروعات کا بیان ان میں نہیں کیا گیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ میری اس کتاب کو پڑھنے کے بعد قاری کو اس  
 موضوع پر نہ تو مذکورہ بالا دونوں کتابوں اور نہ کسی دوسری کتاب کے پڑھنے کی کوئی ضرورت باقی رہے گی  
 اور اپنے موضوع پر یہ ایک جامع کتاب ہوگی انشاء اللہ!۔

## باب ۱

## ہندوؤں کے عام حالات

ہندوؤں کے حالات کو ٹھیک طرح سے سمجھنے کی مشکلات اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان بے تعلقی کی وجوہات

ہم اس کتاب میں جو کچھ لکھنا چاہتے ہیں اسے شروع کرنے سے پہلے ان باتوں کو بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں جن کی وجہ سے ہندوؤں کے احوال واقوال کو اچھی طرح سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے۔ ان باتوں کو جان لینے سے ایک طرف تو ان کے احوال کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور اگر کہیں انہیں سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے تو اس کا سبب بھی یہی باتیں ہیں۔ قاری کو یہ بات اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ ہندو ہر اعتبار سے ہم سے بالکل مختلف ہیں اور ان کی بہت سی باتیں ہم کو بہت پیچیدہ اور مبہم معلوم ہوتی ہیں لیکن اگر ہمارے اور ان کے درمیان زیادہ قریبی روابط قائم ہو جائیں تو ان کو سمجھنا آسان ہو جائے گا اور وہ باتیں جو اس وقت فہم سے بالاتر معلوم ہوتی ہیں صاف اور واضح ہو جائیں گی۔

ہمارے اور ہندوؤں کے درمیان مغائرت یعنی دوری ہے اس کے بہت سے اسباب ہیں۔ اس دوری کا پہلا سبب زبان کا اختلاف ہے۔

اگرچہ لسانی اختلاف دوسری قوموں کے درمیان بھی پایا جاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص اس مغائرت کو دور کرنے کے لئے یہ زبان (سنسکرت) سیکھنا بھی چاہے تو آسانی سے نہیں سیکھ سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زبان کا دائرہ بہت وسیع ہے اور عربی کی طرح اس زبان میں ایک ہی مفہوم کے لئے بے شمار اصل اور مشتق الفاظ ہیں اور ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہیں اور ان کے معنی کو اچھی طرح سے سمجھنے کے لئے ان الفاظ کے ساتھ استعمال ہونے والی صفات کو سمجھنا ضروری ہے۔ ان صفات کو اچھی طرح جان لینے کے بعد ہی ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ الفاظ مختلف موقعوں پر کس مفہوم میں استعمال کئے گئے ہیں۔ پھر ان الفاظ کے سیاق و سباق کو سمجھنا بھی ضروری ہے ہندو دوسری قوموں کی طرح اپنی زبان کی اس وسعت پر بہت فخر کرتے ہیں جبکہ حقیقت میں یہ زبان کا ایک عیب ہے۔

پھر اس زبان کی ایک قسم وہ ہے جو صرف عوام میں مروج ہے اور خواص اس سے مطلق کام نہیں لیتے۔

اس کی دوسری قسم جو فصیح سمجھی جاتی ہے اور صرف ماہرین اور علماء ہی استعمال کرتے ہیں، نہایت مشکل ہے اور نحو و بلاغت کے پیچیدہ نظام میں جکڑی ہوئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ زبان ایسے حروف اصوات سے مرکب ہے جو عربی اور فارسی میں موجود نہیں۔ اس لئے کسی ہندوستانی لفظ کا ہمارے رسم الخط میں لکھا جانا بہت مشکل ہے کیونکہ اس کے صحیح تلفظ کو ظاہر کرنے کے لئے لفظوں اور علامات میں تبدیلی کرنا پڑتی ہے اور ان پر اعراب لگانا پڑتے ہیں خواہ یہ وہی معروف اعراب ہوں یا خاص طور پر وضع کئے گئے ہوں۔

اس میں یہ مشکل اور شامل کر لیجئے کہ ہندوستانی کا تب نہایت بے پروا اور غیر محتاط ہوتے ہیں اور کبھی اس بات کی کوشش نہیں کرتے کہ ان کی لکھی ہوئی عبارت صحیح اور خوش خط ہو۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات کتابوں کی لاپرواہی سے مصنف کی ساری محنت اکارت ہو جاتی ہے اور ایک دو بار نقل ہونے کے بعد کتاب میں غلطیوں کی بھرمار ہو جاتی ہے اور وہ اصل سے بالکل مختلف ہو جاتی ہے اور کسی بھی پڑھنے والے کی سمجھ میں نہیں آتی خواہ پڑھنے والا ہندو ہو یا مسلمان۔ یہ بات اس مثال سے واضح ہو جائے گی کہ ہم نے بارہا ہندوؤں کے الفاظ کو نہایت احتیاط کے ساتھ اس کے صحیح تلفظ کے مطابق قلمبند کیا لیکن جب یہی الفاظ ان کو دوسری بار سنائے تو وہ انہیں بہت مشکل سے سمجھ سکے۔

اس کے علاوہ ہندوؤں کی علمی کتابیں پسندیدہ اوزان شعر میں نظم کی گئی ہیں۔ اس کی دو جو بات ہیں ایک تو یہ کہ کتاب اپنی اصل حالت پر قائم رہے اور اس میں کمی بیشی یا تحریف نہ کی جاسکے۔ دوسرے یہ کہ کتاب آسانی سے یاد ہو جائے اس لئے کہ ہندوؤں کو حافظے پر جو اعتماد ہے وہ تحریر پر نہیں۔

سب ہی جانتے ہیں کہ نظم میں بحر کے پیش نظر شعری اوزان کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسری شعری ضرورتوں کے نقطہ نظر سے بھی الفاظ اور عبارت کو بڑھانا پڑ سکتا ہے، اس سے شعر میں الفاظ کی خواہ مخواہ کی بھرمار ہو جاتی ہے اور کثرت یہ ہوتا ہے کہ ایک ہی شعر میں ایک لفظ ایک جگہ ایک معنی میں اور دوسری جگہ دوسرے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنسکرت کتابوں کو سمجھنے میں سب سے بڑی دقت اس کے شعری اسلوب کی وجہ سے پیش آتی ہے۔

### دوسرا سبب 'ہندوؤں کا مذہبی تعصب'

بے تعلقی کا دوسرا سبب یہ ہے کہ ہندو دین میں ہم سے بالکل مختلف ہیں۔ نہ تو ہم کسی ایسی چیز کا اقرار کرتے ہیں جو ان کے یہاں مانی جاتی ہے اور نہ وہ ہمارے دین کی کسی بات کو مانتے ہیں۔ ہندو آپس میں مذہبی باتوں پر جھگڑا نہیں کرتے اور اگر کرتے بھی ہیں تو وہ لفظی نزاع تک محدود رہتا ہے اور مذہبی تنازع میں کوئی بھی جان اور مال کی بازی نہیں لگاتا۔ ان کے مذہبی جنون کا رخ دوسرے مذہب کے

ماننے والوں یا بدیہیوں کی طرف ہوتا ہے۔ وہ ان کو پیچھے یعنی ناپاک سمجھتے ہیں اور ان سے ملنا جلنا، شادی بیاہ کرنا ان کے قریب جانا یا ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور کھانا پینا حرام سمجھتے ہیں۔ ہر اس چیز کو جو ان باہر سے آنے والوں کی آگ یا پانی سے چھو گئی ہو ناپاک سمجھتے ہیں حالانکہ ان کے بغیر کوئی گھر قائم نہیں رہ سکتا۔ پھر وہ اس بات کے بھی قائل نہیں ہیں کہ اگر کوئی چیز ناپاک ہو جائے تو اسے پاک کر کے دوبارہ استعمال کے قابل بنادیں حالانکہ عام قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی چیز یا کوئی شخص ناپاک ہو جائے تو اسے پاک کر لیا جاتا ہے۔ انہیں غیر مذہب والوں سے ملنے جلنے یا انہیں گھر پر بلانے کی بھی اجازت نہیں ہے، چاہے وہ ان کے مذہب کی طرف میلان اور رغبت رکھتا ہو۔ اس بات نے ہمارے اور ان کے درمیان ایسی کلیج پیدا کر دی ہے جس نے ان کے ساتھ کسی بھی قسم کا رابطہ قائم کرنا ناممکن بنا دیا ہے۔

### تیسرا سبب، رسم و عادات اور طرز معاشرت کا بنیادی اختلاف

بے تعلقی کا تیسرا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے طور طریقوں میں ہم سے اس درجہ مختلف ہیں کہ اپنے بچوں کو ہم سے، ہمارے لباس اور طور طریقوں سے ذرا تے اور ہم کو شیا طین (راکشوس) کی نسل میں شمار کرتے ہیں اور ہمارے اعمال کو نیکی کا الٹ تصور کرتے ہیں۔ بہر حال ہندوؤں کا یہ تعصب صرف ہمارے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دوسری قوموں کے ساتھ بھی ان کا یہی برتاؤ ہے اور میرے خیال میں تمام قوموں کا ایک دولہے کے تئیں یہی رویہ ہے۔ چوتھا مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کا تعصب اس وقت سے اور بھی بڑھ گیا ہے جب مسلمانوں نے ان کے ملک پر حملہ اور محمد بن قاسم ابن المہدیہ بھجوان کی طرف سے سندھ میں داخل ہوا اور ہمنوہ اور مولہ اتھان کو فتح کر کے ان کا نام علی الترتیب منصورہ اور معمورہ رکھا۔ وہ ہندوستان کے شہروں میں گھستا ہوا قنوج تک پہنچ گیا اور واپسی میں قندھار اور حدود کشمیر تک جا پہنچا۔ کہیں جنگ کی اور کہیں صلح سے کام لیا۔ سوائے ان لوگوں کے جو اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے اس نے کسی سے تعرض نہیں کیا اور انہیں اپنے آبائی دین پر قائم رہنے دیا۔ ان تمام واقعات نے مسلمانوں کے خلاف ان کے بغض و عناد کو اور بھی مستحکم کر دیا۔

اگرچہ اس کے بعد سے ترکوں کے زمانے تک کوئی مسلمان فاتح، حدود کا بل اور دریائے سندھ سے آگے نہیں بڑھا لیکن جب سامانیوں کے زمانے میں ترک غزنی کی حکومت پر قابض ہو گئے اور ناصر الدولہ بکٹیکین اس کے سیاہ و سفید کا مالک بن گیا تو اس نے جہاد کو اپنا مشغلہ بنایا اور غازی (خدا کی راہ میں) جنگ کرنے والا) کا لقب اختیار کیا اور اپنے جانشینوں کے لئے ہندوستان کی سرحدوں کو قابل تسخیر بنانے کے لئے وہ سڑکیں تعمیر کرائیں جن پر سے گزر کر اس کا بیٹا یحییٰ الدولہ محمود تیس سال کے عرصے میں کئی بار ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ محمود نے اپنے ان حملوں سے ہندوؤں کی سرسبز زمین کو تہس نہس کر دیا اور



وہاں ایسے عجیب کارنامے سرانجام دیئے جن سے ہندو غبار کی طرح منتشر ہو گئے اور داستان پارینہ بن کر رہ گئے۔ جو لوگ بھاگ کر بچ نکلے ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف سخت نفرت اور عناد پیدا ہو گیا بلکہ اسی سبب سے ان کے علوم کو مسلمانوں کے مقبوضہ علاقوں سے ہٹا کر کشمیر، بنارس اور ان دوسرے مقامات پر منتقل کر دیا گیا جہاں اب تک ہماری (مسلمانوں) رسائی نہیں ہوئی ہے اور جہاں دینی اور سیاسی مصالح کی بنا پر تمام غیر ملکیوں کے ساتھ بہت سخت بے تعلقی اور عناد برتا جاتا ہے۔

### پانچواں سبب ہندوؤں کی خود پسندی اور ہر غیر ملکی چیز کی تحقیر کرنے کی عادت

ان کے علاوہ کچھ اسباب ایسے ہیں جن کو بیان کرنا گویا ہندوؤں کی جھوٹا ہے لیکن یہ ان کے قومی کردار کی وہ خصوصیات ہیں جن میں وہ جڑے ہوئے ہیں اور یہ خصوصیات کسی سے مخفی نہیں ہیں۔ دراصل یہ ان کی ایک ایسی جہالت ہے جس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ ہندوؤں کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے ملک کے علاوہ روئے زمین پر اور کوئی ملک نہیں ہے اور نہ ان کی قوم کے علاوہ کوئی دوسری قوم ہے، نہ کہیں ان کے بادشاہوں جیسے بادشاہ ہیں، نہ ان کا جیسا مذہب ہے اور نہ ان کا جیسا علم و فن ہے۔ اس خام خیالی نے انہیں تعلقی، ہٹ دھرمی اور حماقت میں مبتلا کر دیا ہے۔ جو کچھ یہ جانتے ہیں اس کو بتانے میں بخل کرنا اور دوسری قوم کے افراد کو درکنار خود اپنی قوم کی ذاتوں کے لوگوں سے اسے بچانا اور چھپانا ان کی فطرت میں داخل ہے۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اس زمین پر ان کے ملک کے علاوہ کوئی اور ملک نہیں ہے اور ان کے ملک کے علاوہ کسی دوسری جگہ انسان کا نام و نشان بھی نہیں پایا جاتا اور مخلوق میں سے ان کے علاوہ کسی کے پاس کوئی علم و فن نہیں ہے۔ یہ خام خیالی ان میں اس حد تک گھر کر چکی ہے کہ اگر ان کے سامنے خراسان و ایران سے کسی علم اور اہل علم کا ذکر کیا جائے تو وہ کہنے والے کو احمق ہی نہیں دروغ گو بھی سمجھیں گے۔ اگر یہ لوگ دوسرے ملکوں کا سفر کریں اور وہاں کے لوگوں سے ملیں چلیں تو اس خیال سے باز آجائیں کیونکہ ان کے اسلاف اتنے تنگ نظر نہیں تھے جتنی ان کی موجودہ نسل ہے۔

### منصف کے ذاتی تعلقات

ہندوستان کا احوال یہ ہے۔ مجھے اس زبان کو سیکھنے میں بہت زحمت اٹھانا پڑی حالانکہ مجھے یہ زبان بہت پسند ہے اور شاید اس معاملے میں میں اپنے معاصرین میں تنہا ہوں۔ میں نے ہر اس جگہ سے جہاں میرے خیال میں سنسکرت کی کتابیں مل سکتی تھیں بہت کوشش اور کثیر سرمایہ خرچ کر کے یہ کتابیں منگوائیں۔ پھر بہت دور دراز سے ایسے ہندو علماء بلوائے جو ان کتابوں کو سمجھتے تھے اور مجھے ان کا درس

دے سکتے تھے۔ اب آپ ہی بتائیے کہ مجھ سے زیادہ اس زبان کا معاملہ کرنے کی سہولتیں اور کس کو حاصل ہوں گی۔ وہ کوئی ایسا خوش قسمت شخص ہی ہو سکتا ہے جس کو اللہ نے مجھ سے زیادہ اپنے فضل سے نوازا ہو اور مجھ سے زیادہ کام کرنے اور سفر کرنے کی آزادی اور طاقت بخشی ہو۔ بد قسمتی سے مجھے یہ کام کرنے اور حسب خواہش سفر کرنے کی اتنی آزادی کبھی نہیں ملی اور نہ ہی قدرت اور استطاعت رہی کہ جس سے جو کام چاہوں لے سکوں پھر بھی مجھے اللہ نے اپنی جن نعمتوں سے نوازا ہے ان کے لئے اس کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے کیونکہ میرے مقاصد کے حصول کے لئے اللہ کا اتنا کرم بھی کافی و شافی ہے۔

عیسائیت کے ظہور سے پہلے یونانی کفار کے بھی وہی عقائد و افکار تھے جو ہندوؤں کے ہیں۔ ان کے طبقہ علماء کا طریقہ فکر بھی ہندو علماء جیسا تھا اور یونانی عوام ہندو عوام کی طرح بت پرستانہ عقائد رکھتے تھے لیکن یونانیوں میں کچھ ایسے حکماء پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی کوششوں سے حقیقت کو عوامی خرافات سے پاک کیا۔ اس سلسلے میں سقراط کا نام قابل ذکر ہے جس نے اپنی قوم کے عوام کی مخالفت کی اور حق پر قائم رہنے کی پاداش میں جان دے دی۔

ہندوؤں میں اس درجے کے حکما اور مصلحین پیدا نہیں ہوئے جو علوم کی اصلاح و تکمیل کے خواہاں اور اہل ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں کے تمام علوم ابہام و انتشار سے پر ہیں۔ ان میں کوئی منطقی ربط و تسلسل نہیں اور ان میں کوئی علم ایسا نہیں جو عوامی خرافات کی آمیزش سے پاک ہو۔

میرے نزدیک ہندوؤں کا ہندو و نجوم ایسا ہی ہے جیسا کہ میتوں، مسیوں اور سڑی ہوئی کھجوروں کا آمیزہ یا پھر گوبر میں لپٹا ہوا موتی یا سنگ ریزوں میں پڑا ہوا انگینہ! ان کی نظروں میں دو باتیں ایک جیسی ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سائنسی طریق استنباط کو اختیار کرنے کے اہل نہیں ہیں۔

ہم اس کتاب میں ہندوؤں کے بارے میں جو کچھ بیان کریں گے بغیر تبصرہ تنقید کے بیان کر دیں گے اور تنقید و تبصرہ اسی وقت کریں گے جب اس کی صریح ضرورت ہوگی۔ سنسکرت اسماء و اصطلاحات صرف انہیں مقامات پر استعمال کئے گئے ہیں جہاں ان کا لانا متعلقہ احوال و اقوال کی شرح و تفسیر کے لئے ضروری تھا لیکن ایسا صرف ایک بار کیا گیا ہے۔ عام طور پر میں نے سنسکرت الفاظ کے عربی مرادفات دینے پر ہی اکتفا کیا ہے۔ اگر کہیں پر کسی سنسکرت لفظ یا اصطلاح کا لکھنا ضروری سمجھا گیا ہے تو اس اصطلاح کے ساتھ اس کا قریب ترین عربی مترادف بھی لکھ دیا گیا ہے۔ ایسے الفاظ کے معاملے میں جن کی اصل سنسکرت نہیں بلکہ وہ کسی دوسری زبان سے ماخوذ ہیں لیکن اب سنسکرت زبان میں جذب ہو کر عام استعمال میں ہیں۔ عربی مرادف لکھنے کے ساتھ ان کی معنویت پر بھی مختصر طور پر روشنی ڈال دی گئی

ہے۔ یہ اس لئے کیا گیا ہے تاکہ اصطلاحات کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔  
یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ اس تصنیف میں تسلسل سے چلنا ممکن نہیں۔ یعنی ایسا کرنا ممکن نہیں کہ  
حوالہ صرف اس مضمون کا دیا جائے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور اس کا نہ دیا جائے جس کا ذکر ابھی نہیں  
ہوا ہے۔ اس لئے بعض ابواب میں اکثر بعض نئی اور رونا معلوم باتوں کا ذکر آ سکتا ہے جن کی تشریح کتاب  
کے کسی آئندہ باب میں کی گئی ہے۔ اللہ توفیق دینے والا ہے۔

## باب ۲

## خدا کی نسبت ہندوؤں کا عقیدہ

## خدا کی ماہیت

ہر قوم میں خواص اور عوام کے معتقدات مختلف ہوتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ خواص کا رجحان معقول کی طرف ہوتا ہے اور وہ اصول کی تحقیق کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف عوام محسوسات سے آگے نہیں بڑھتے اور نہ کسی مسئلے کی تحقیق کے طالب ہوتے ہیں۔ مذہب کے معاملے اور خاص طور پر ان مذہبی امور میں جن کے بارے میں اختلاف ہے وہ تحقیق و جستجو کو مطلق رونا نہیں رکھتے۔

خدا کے بارے میں ہندوؤں کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ واحد ہے، ابدی ہے، یعنی اس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا، وہ مختار ہے، قدیر ہے، حکیم ہے، زندہ ہے، زندگی دینے والا ہے، کائنات کا بادشاہ ہے اور اپنی بادشاہت میں یگانہ ہے، ہر مشابہت اور عدم مشابہت سے بالاتر ہے، نہ وہ کسی چیز سے مشابہ ہے اور نہ کوئی چیز اس کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔ اپنے اس بیان کی تائید میں ہم ان کی کتابوں سے اقتباسات پیش کرتے ہیں تاکہ اس کو محض سنی سنائی بات نہ سمجھ لیا جائے۔

(اس کے بعد پانچویں، گیتا یعنی کتاب بھارت کے چند اجزاء (جوارجن اور واسودیو کے درمیان مکالمے کی صورت میں ہیں) نقل کئے ہیں۔ اس کے علاوہ کتاب سامکھیہ کے اقتباسات بھی پیش کئے ہیں..... المیرونی نے آئندہ ابواب میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ وہ پہلے کسی موضوع یا مسئلہ پر ہندوستانی علماء کے خیالات کا خلاصہ بیان کرتا ہے اور اس کے بعد متعلقہ علمی اور مذہبی کتابوں کے اقتباسات نقل کرتا ہے، کبھی کبھی وہ ہندوؤں کے معتقدات کا موازنہ یونانی مفکرین اور صوفیوں کے عقیدوں سے کرتا ہے اور ان کی کتابوں کے اقتباسات بھی پیش کرتا ہے۔

## فعل اور فاعل کے متعلق ہندوؤں کے نظریات

ہندوؤں میں فعل کے مفہوم کے متعلق بہت اختلاف رائے ہے۔ وہ لوگ جو فعل کا سرچشمہ خدا کو قرار دیتے ہیں اسی کو علت کلی تصور کرتے ہیں۔ چونکہ موجودات (فاعل) کا وجود خدا سے ہے، اس لئے وہی ان کے افعال کا سبب ہے اور اس لئے ہر فاعل سے جو فعل سرزد ہوتا ہے وہ درحقیقت خدا کا فعل ہے

جو فاعل کے وسیلے سے ظاہر ہوتا ہے۔ بعض لوگ فعل کا سبب خدا کو نہیں بلکہ دوسری چیزوں کو قرار دیتے ہیں اور ان چیزوں کو اس عمل کے، جو خارجی مشاہدہ میں آتا ہے خصوصی اسباب تصور کرتے ہیں۔

### خدا کے متعلق ہندو عوام اور خواص کے عقائد

یہ ہیں خدا کے متعلق ہندو خواص کے عقائد۔ یہ لوگ خدا کو ”ایشور“ کہتے ہیں یعنی بے نیاز اور بخشش والا جو دیتا ہے اور لیتا نہیں۔ وہ خدا کو واحد مطلق سمجھتے ہیں اور اس کی وحدت کے علاوہ ظاہر میں نظر آنے والی ہر وحدت حقیقت میں کثرت ہے۔ خدا کے وجود کو ہی وہ حقیقی وجود مانتے ہیں، اس لئے یہ دوسرے موجودات معدوم ہیں لیکن یہ تصور کرنا قطعی ناممکن ہے کہ وہ ناموجود اور باقی سب موجود ہیں۔ جب ہم ہندوؤں کے خواص سے گزر کر عوام کی جانب آتے ہیں تو ان کے عقائد میں بہت اختلاف نظر آتا ہے۔ ان میں سے بعض عقائد تو نہایت مکروہ ہیں لیکن اس قسم کی خرافات دوسرے مذاہب میں بھی ہیں۔ بلکہ اسلام میں بہت سی غلط چیزیں داخل ہو گئی ہیں۔ مثلاً تشبیہ کے متعلق عقائد یا حربہ فرقے کی تعلیمات یا مذہبی امور میں غور و فکر کی حرمت وغیرہ۔ وہ تمام مذہبی احکام جو عوام اور خواص دونوں سے متعلق ہیں نہایت واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بیان کئے جانے چاہئیں ورنہ ان کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے جیسا کہ اس مثال سے واضح ہو جائے گا۔ کوئی ہندو عالم خدا کو جسمانی خصوصیات سے ماوراء ظاہر کرنے کے لئے اس کو نقطہ کہے لیکن جاہل نقطے کا اصل مفہوم نہ سمجھ سکے اور اس کی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے یہ کہے کہ خدا تو بارہ انگل لمبا اور دس انگل چوڑا ہے جو ایک انتہائی ناشائستہ بات ہے۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس کی ذات حد اور شمار سے برتر ہے اور ہمارے اس کہنے کا کہ خدا ہر شے پر اس طرح محیط ہے کہ کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں، کوئی جاہل اس سے یہ سمجھ لے کہ دیکھنے کے لئے آنکھ ضروری ہے اور ہر چیز کو دیکھنے کے لئے بہت سی آنکھوں کی ضرورت ہے اور یہ قیاس کر کے یہ کہے کہ خدا کی ایک ہزار آنکھیں ہوتی ہیں۔ اس قسم کی خلاف عقل اور مکروہ باتیں ہندوؤں کے یہاں موجود ہیں خصوصاً ان طبقوں میں جنہیں علم حاصل کرنے کی اجازت نہیں۔ ان کا بیان مناسب موقع پر آئے گا۔

## باب ۳

## عقلی اور حسی، دونوں قسم کے موجودات

## کے متعلق ہندوؤں کے عقائد

جب تک یونان میں فلسفے کے ارکان سب سے، یعنی ہولون آف اٹھنیز، پیاس پارینی، پے ریاڈر قمرطی، تالیس ملیوسی، کیلون لقاڈ و مونی، فیطیقوس لیبوسی اور قلیپوس لندوسی اور ان کے جانشینوں کے ہاتھوں علم فلسفہ کو فروغ نہیں ہوا تھا، اس معاملے میں قدیم یونانیوں کے عقائد ہندوؤں جیسے ہی تھے۔ ان میں سے کچھ کا خیال یہ تھا کہ تمام اشیاء دراصل ایک ہی ہیں یعنی تمام اشیاء کی ماہیت ایک ہے۔ بعض کا خیال یہ تھا کہ تمام چیزیں اپنے اجزاء کے اعتبار سے ایک ہیں اور بعض یہ بھی کہتے تھے کہ تمام چیزیں اپنے جوہر اور ذات کے اعتبار سے بھی ایک ہیں، مثال کے طور پر انسان کو پتھروں کے مقابلے میں جو فضیلت حاصل ہے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ جمادات کے مقابلے میں علت اولیٰ سے ایک درجہ زیادہ قریب ہے لیکن اس قرب سے اسے جمادات پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہوتی۔

بعض کا خیال ہے کہ حقیقی وجود صرف علت اولیٰ کا ہے، اس لئے کہ وہ اپنے وجود کے لئے کسی اور کا محتاج نہیں جبکہ دوسری تمام اشیاء اس کی محتاج ہیں اور جو چیز اپنے وجود کے لئے دوسرے کی محتاج ہے اس کا وجود خواب کی طرح غیر حقیقی ہے اور موجود حقیقی صرف واحد اول ہے۔

## لفظ صونی کی ابتدا

یہی رائے صوفیوں یعنی حکیموں کی بھی تھی کیونکہ یونانی زبان میں صوف، حکمت و دانائی کو کہتے ہیں اور اسی لفظ سے فلسفی (فیلا سوفی) بنا ہے جس کے معنی ہیں، عقل دوست، یا محبت حکمت۔ جب بعض مسلمانوں نے ان فلسفیوں کے نظریات سے ملے جلتے نظریات کو اپنایا تو ساتھ میں ان کے نام کو اختیار کر لیا۔ بعض لوگ جو اس لفظ کے صحیح معنی سے واقف نہیں تھے، غلطی سے اسے عربی لفظ صفہ کا مترادف سمجھ بیٹھے اور ان صوفیوں کو حضرت محمدؐ کے اصحاب صفہ تصور کر لیا۔ پھر بعد کے زمانے میں اس میں تحریف ہوئی، اس کی وجہ سے اسے صوف (بھیزوں کی اون) کا مشتق سمجھا جانے لگا۔ ابوالفتح البوسطی نے اس غلطی کا ازالہ کرنے کی قابل تعریف کوشش کی۔ وہ کہتا ہے: ”سلف سے لوگوں میں لفظ صونی کے معنوں

کے بارے میں اختلاف چلا آتا ہے اور اسے صوف (اون) کا مشتق سمجھا جاتا رہا ہے لیکن میرے نزدیک اس کا مطلب، پاکباز نوجوان ہے۔ (صانی نوجوان) یہی لفظ صانی بگڑ کر صونی ہو گیا اور اپنے موجودہ معنی میں اس کا اطلاق مفکرین کے ایک مخصوص طبقے یعنی صوفیوں پر ہونے لگا۔ مزید برآں یونانیوں کا یہ بھی خیال تھا کہ تمام موجودات، ایک ہی چیز یا شے ہے اور یہ درحقیقت وہ مختلف شکلیں ہیں جن میں علت اولیٰ ظاہر ہوتی ہے اور یہ کہ علت اولیٰ کی قوت موجودات کے مختلف اجزاء میں مختلف احوال کے ساتھ موجود ہے۔ اسی لئے دنیا کے مظاہر اپنی حقیقت میں ایک ہونے کے باوجود اتنے متنوع اور گونا گوں ہیں۔

بعض یونانیوں کا خیال تھا کہ اگر کوئی شخص پوری طرح علت اولیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے اور یہ کوشش کرے کہ وہ اس کے مماثل ہو جائے تو درمیانی مراحل سے گزر کر جن کے دوران تمام رکاوٹیں اور کشائیں دور ہو جاتی ہیں، وہ پوری طرح علت اولیٰ سے ہم آہنگ و ہم کنار ہو جاتا ہے۔ اس امر میں صوفیاء کے خیالات بھی یہی ہیں۔

نفوس و ارواح کے بارے میں یونانیوں کا خیال یہ ہے کہ وہ بدن میں داخل ہونے سے پہلے بھی موجود ہوتے ہیں۔ ان کا شمار کیا جاسکتا ہے۔ وہ جماعتوں کی صورت میں ہوتے ہیں اور ان کو باہم ایک دوسرے سے نسبت ہوتی ہے۔ وہ ایک دوسرے کو جانتے ہوئے بھی انجان بنے رہتے ہیں اور اجسام کے اندر قیام کے دوران وہ اپنے اعمال سے وہ مقام حاصل کر لیتے ہیں جس پر بدن سے جدا ہونے کے بعد انہیں فائز ہونا اور دنیا پر مختلف اندازے حکمرانی کرنا ہے۔ اسی لیے یونانی 'ارواح کا دیوتا کہتے تھے اور ان کے نام پر عبادت گاہیں بنواتے اور قربانیاں دیتے تھے۔

یونانی ہر مقتدر اور قابل احترام چیز کو دیوتا کہتے تھے اور یونانیوں ہی پر موقوف نہیں بہت سی دوسری قوموں کا بھی یہی حال ہے اور بعض قومیں تو اس معاملے میں یہاں تک بڑھ گئی ہیں کہ پہاڑوں اور سمندروں وغیرہ کو بھی دیوتا یا خدا کے نام سے پکارتی ہیں۔ لیکن اسے مخصوص مفہوم میں یونانی اس لفظ کو علت اولیٰ، فرشتوں اور روحوں کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

اس لفظ کو ایک اور شے کے حق میں، جس کو افلاطون نے "سینکینات" سے تعبیر کیا ہے، بھی استعمال کرتے ہیں لیکن مترجمین کی عبارت سے اس لفظ کا مطلب واضح نہیں ہو سکا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں یہ نام تو معلوم ہے اس کے معنی معلوم نہیں ہیں۔

عربی، عبرانی اور سریانی زبانوں میں "خدا" کے نام مختلف ہیں

ان الفاظ میں سے بعض ایسے ہیں جو ایک مذہب کے ماننے والوں کے مکروہ اور ناپسندیدہ ہیں اور

دوسرے مذہب والوں کے لئے محترم اور پسندیدہ ہیں، چنانچہ یہ الفاظ ایک زبان میں جائز ہیں لیکن دوسری زبان میں متروک ہیں۔ مثلاً ”تالہ“ کا لفظ ان الفاظ میں سے ہے جو مسلمانوں کے کانوں پر گراں گزرتے ہیں۔ اگر عربی زبان میں لفظ خدا کے استعمال پر نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ وہ تمام نام جن سے ”حق محض“ کو موسوم کیا جاتا ہے غیر حق کے لئے بھی استعمال کئے جاتے ہیں سوائے لفظ اللہ کے جو صرف خدا کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کا اسم اعظم کہلاتا ہے۔

عبرانی اور سریانی زبانوں میں جن میں قرآن سے قبل کے صحیفے نازل ہوئے تھے نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ تورات اور اس میں شامل دوسری کتابوں میں اللہ کے معنوں میں ”رب“ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس لفظ کو اضافت کے ساتھ کسی اور چیز کے ساتھ دوسرے معنوں میں استعمال نہیں کیا جاتا اور ہم رب البیت یا رب المال (یعنی مکان کا رب اور مال کا رب) نہیں کہہ سکتے جو عربی زبان میں جائز ہے۔ اسی طرح باپ اور بیٹا کے الفاظ ہیں۔ اسلام ان الفاظ کا استعمال خدا کے معنوں میں جائز نہیں رکھتا کیونکہ عربی میں ولد (بیٹا) ہمیشہ ابن کے معنی دیتا ہے اور ولد کے متعلقات یعنی والدین اور ولادت جو اس کے وجود میں آنے کے لئے ضروری ہیں اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ولد خود ایک مخلوق ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا لفظ خلاق عالم کے لئے استعمال نہیں ہو سکتا۔ عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں اس کے لئے بڑی گنجائش ہے۔ اسی طرح ان زبانوں میں لفظ (باپ) کہہ کر کسی کو مخاطب کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کو ”جناب“ کہہ کر مخاطب کیا جا رہا ہے۔ عیسائیوں کے یہاں ”باپ“ اور بیٹے کے الفاظ جزو ایمان بن گئے ہیں اور جو شخص ”باپ“ اور ”بیٹے“ کا قائل نہیں وہ عیسائیت سے خارج ہے۔ بیٹا ان کے ہاں خصوصیت کے ساتھ عیسیٰ کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن اسے عام معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ (اس کے بعد الہیرونی نے فرقہ منانیہ کے خیالات اور فلسفے سے بحث کی ہے اور اس کے بعد ہندوؤں کے خیالات کو بیان کیا ہے)۔

پڑھے لکھے ہندو تمام موجودات کو ایک شے مانتے ہیں

پڑھے لکھے ہندو خدا سے انسانی صفات منسوب نہیں کرتے لیکن ہندو عوام اور وہ لوگ جو فروعات میں زیادہ الجھے ہوئے ہیں اس معاملے میں بہت زیادہ غلو سے کام لیتے ہیں اور ہم نے اب تک جو کچھ بیان کیا ہے اس سے آگے بڑھ کر بیوی بیٹا، بیٹی، حمل رہنا، بچہ جننا اور اسی قسم کے دوسرے فطری اعمال کو بھی خدا سے منسوب کرتے ہیں اور ان کے ذکر میں نامعقول اور بے ہودہ الفاظ کے استعمال سے گریز نہیں کرتے۔ بہر حال ان عوام اور ان کے نظریات کا کوئی اعتبار نہیں حالانکہ یہ تعداد میں بہت زیادہ



ہیں۔ ہندو مذہب کا اصل طریقہ وہ ہے جس پر برہمن ایمان رکھتے اور عمل کرتے ہیں۔ دین کی حفاظت اور اس کو قائم رکھنے کی خدمت ان ہی کے سپرد ہے۔ اس لئے ہم برہمنوں کے معتقدات ہی کو بیان کرتے ہیں۔

پُرش

وہ ہندو جو رموز کی جگہ واضح تعریفات کے قائل ہیں نفس کو ”پُرش“ کہتے ہیں جس کے معنی ”مرد“ ہیں اس لئے کہ موجودات میں زندہ عنصر صرف نفس ہے اور یہ لوگ نفس کو صرف ایک ہی وصف یعنی زندگی سے متصف کرتے ہیں۔ وہ اسے بیک وقت عالم اور بے خبری کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بالفعل بے خبر اور بالحوہ عالم ہے اور علم کا اکتساب کرتا ہے۔ اس کی لاعلمی فعل کے واقع ہونے کا سبب ہے اور علم فعل کے ختم ہونے کا سبب ہے۔

او ویکت

نفس کے بعد مطلق مادہ یعنی مجرد ہیولی ہے جسے ہندو او ویکت یعنی بے صورت کہتے ہیں۔ یہ بے جان ہے اور اس میں بالحوہ قوتیں موجود ہیں جن کو ستورج اور تم کہتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ بدھوں نے اپنے تہمیدہ پیروؤں کے لئے ان کو بدھ دھرم اور سنگھ سے تعبیر کیا ہے جن کے معنی عقل، دین اور جہل کے ہیں۔ پہلی طاقت راحت اور خیر ہے اور اس کا اثر پیدا ہونا اور بڑھنا ہے۔ دوسری قوت سختی اور تھکن ہے۔ اس سے ثبات و بقا کا ظہور ہوتا ہے۔ اس لئے پہلی قوت فرشتوں سے دوسری انسانوں سے اور تیسری بہائم سے منسوب ہے۔ قبل، بعد اور پھر کے الفاظ ان کے سیاق کو ظاہر کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے زمانے کو ظاہر کرنے کے لئے مناسب الفاظ موجود نہیں ہیں۔

ویکتی اور پر کرتی

مادہ جو مختلف صورتوں اور تین ابتدائی قوتوں کے ساتھ موجود ہے ”ویکتی“ یعنی صورت دار کہلاتا ہے اور مجرد ہیولی اور صورت دار مادے کے مجموعے کو ”پر کوئی“ کہتے ہیں۔ یہ اصطلاح یعنی پر کرت ہمارے لئے بیکار ہے کیونکہ ہم مادہ محض کا ذکر کرنا نہیں چاہتے ہیں۔ یہ اصطلاح یعنی پر کرت ہمارے لئے بیکار ہے کیونکہ ہم مادہ محض کا ذکر کرنا نہیں چاہتے، لفظ مادہ ادائے مطلب کے لئے کافی ہے کیونکہ ایک کا وجود دوسرے کے بغیر نہیں پایا جاتا۔

اہنکار

اس کے بعد زاج یا طبیعت ہے جسے ہندو ”اہنکار“ کہتے ہیں۔ یہ لفظ غالب آنا، ارتقاء پذیر ہونا اور خود نمائی کے مفہوم کو ادا کرتا ہے کیونکہ مادہ جب صورت پذیر ہوتا ہے تو اشیاء کی نئی شکلیں پیدا ہونے کا

سبب ہوتا ہے اور بڑھنایا اگنا سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ دوسری چیز بدل کر اگنے والی چیز میں جذب ہو جائے۔ گویا یہ تبدیلی ایک طرح سے مزاج یا طبیعت کا بدلنے والی چیز پر غلبہ پالینا ہے۔

### مہا بھوت

ہر مرکب ایسے مفردات سے ترکیب پا کر بنتا ہے جو تحلیل ہو کر پھر اپنی مفرد حالت میں عود کر آتے ہیں۔ کائنات میں موجودات کلیہ پانچ ہیں۔ ہندوؤں کے نزدیک یہ عناصر آسمان، ہوا، آگ، پانی اور مٹی ہیں۔ انہیں وہ مہا بھوت یا بڑی طبیعتیں کہتے ہیں۔ ہندو آگ کو دوسرے لوگوں کی طرح ایتھر (Ether) کی تہہ کے پاس ایک گرم خشک جسم تصور نہیں کرتے بلکہ وہ آگ سے وہ عام آگ مراد لیتے ہیں جو دھوئیں کے جل اٹھنے سے پیدا ہوتی ہے۔

### پنج ماتر

یہ عناصر جن مفردات سے مرکب ہیں انہیں پنج ماتر یعنی اُمہات خمسہ کہتے ہیں۔ وہ ان کو افعال حواس کہتے ہیں۔ آسمان کا مفرد جزو شبہ ہے یعنی وہ جسے سنا جاسکے۔ ہوا کا مفرد جزو ”سپرش“ ہے یعنی وہ جسے چھوا جاسکے۔ آگ کا مفرد جزو ”روپ“ ہے یعنی وہ جو دکھائی دے۔ پانی کا مفرد جزو ”رس“ ہے یعنی جو چکھا جاسکے اور زمین کا مفرد جزو ”گندھ“ ہے یعنی جو سونگھا جاسکے۔ مہا بھوت عناصر (یعنی زمین، پانی وغیرہ) میں سے ہر ایک میں اس سے منسوب پنج ماتر کے خواص کے علاوہ مہا بھوت عناصر کے اپنے خواص بھی، جن کا ذکر اس سے قبل کیا جا چکا ہے، موجود ہوتے ہیں یعنی مٹی میں پانچوں خواص ہوتے ہیں۔ پانی میں بو کے علاوہ سب خواص موجود ہیں۔ آگ میں بو اور مزہ دو کی کمی ہے۔ ہوا میں بو، مزہ اور رنگ موجود نہیں اور آسمان میں بو، مزہ، گندھ اور لمس کی کمی ہے یعنی وہ پانچ میں سے صرف ایک کیفیت یا خاصیت کا حامل ہے۔ ان تمام چیزوں کا جن کا ہم یہاں تک ذکر کر چکے ہیں، کا مرکب یا مجموعہ حیوان ہے۔ ہندو نباتات کو بھی حیوانات ہی کی ایک قسم سمجھتے ہیں جیسا کہ افلاطون کا خیال ہے کہ پودوں میں حس ہے جس سے وہ مفید اور مضر کے درمیان تمیز کرتے ہیں اور حیوان اس حس کی وجہ ہی سے حیوان ہے اور حس ہی حیوان و جماد کے درمیان مابہ الامتیاز ہے۔

### اندریاں

حواس پانچ ہیں اور ان کا نام اندریاں ہے۔ حواس یہ ہیں: کان سے سنا، آنکھ سے دیکھنا، ناک سے سونگھنا، زبان سے چکھنا اور جلد سے چھونا۔

من

ان کے بعد ارادہ ہے جو حواس سے مختلف کام لیتا ہے۔ ارادے کا مسکن دل ہے اسی لئے اس کو ”من“ کہا جاتا ہے۔

کر میندریاں

حیوانی طبیعت کی تکمیل پانچ افعال ضروریہ سے ہوتی ہے جنہیں کر میندریاں (کرم اندریاں) یعنی حواس فعلی کہتے ہیں۔ ابتدائی حواس سے علم و عرفان حاصل ہوتا ہے اور ثانوی سے افعال و اعمال۔ ہم نے ان کا نام ”ضروریات“ رکھ دیا ہے۔ یہ حسب ذیل ہیں:

- ۱۔ انسان کو جو مختلف حاجتیں پیش آتی ہیں ان کے لئے آواز نکالنا۔
- ۲۔ کھینچنے پاؤں ہلنے کے لئے طاقت سے ہاتھ بڑھانا۔
- ۳۔ کسی چیز سے ملنے یا دور بھاگنے کے لئے پیروں سے چلنا۔
- ۴۔ ۵۔ غذا کے فضلے کا دو مقررہ راستوں سے باہر نکالنا۔

ان کی مجموعی تعداد پچیس ہے اور ان کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

- ۱۔ نفس کلیہ
- ۲۔ مجرد ہیولی
- ۳۔ متشکل مادہ
- ۴۔ غلبہ پانے والی طبیعت
- ۵۔ ۹۔ امہات مفردہ
- ۱۰۔ ۱۳۔ ابتدائی عناصر
- ۱۵۔ ۱۹۔ حواس مدرکہ
- ۲۰۔ رہنما ارادہ
- ۱۲۔ ۲۵۔ ضروریات لازمیہ

ان سب کے مجموعے کو ”تھو“ کہتے ہیں اور تمام علوم ان ہی میں محدود ہیں۔

## باب ۴

## فعل کا سبب نیز روح اور جسم کا اتصال

جسم سے مل جانے کی متمنی روح، دوسری روحوں کے واسطے سے بدن سے مل جاتی ہے ارادی افعال کسی حیوان کے بدن سے اس وقت تک ظہور میں نہیں آتے جب تک بدن زندہ نہ ہو اور ذی حیات روح کے ساتھ متصل نہ ہو۔ ہندوؤں کا کہنا ہے کہ نفس نہ صرف اپنی ذات سے بلکہ اس ذات کے نیچے جو مادی سطح ہے اس سے بھی ناواقف ہے اور وہ جو کچھ نہیں جانتا اس کو جاننے کا متمنی ہے اور سمجھتا ہے کہ مادے کے بغیر اس کا وجود ممکن نہیں۔ اس لئے وہ خیر یعنی بقا کا متمنی ہو کر اپنے سے پوشیدہ باتوں کو جاننے کی خواہش میں مادے کے ساتھ مل جانے کے لئے تیار ہوتا ہے لیکن کثافت اور لطافت کا خصوصاً اس حالت میں جب دونوں اپنی اپنی انتہا پر ہوں، ایسے واسطوں کے بغیر جو دونوں سے مناسبت رکھتے ہوں ایک دوسرے سے مل جانا محال ہے۔ مثال کے طور پر آگ اور پانی کے درمیان جو اپنی کیفیات کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد ہیں ہوا ایک واسطہ ہے کیونکہ ہوا آگ سے لطافت میں اور پانی سے کثافت میں مناسبت رکھتی ہے اور اس واسطے سے دونوں کے اختلاط کو ممکن بنا دیتی ہے۔ لیکن جسم اور نا جسم کے درمیان جو مغائرت ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی مغائرت نہیں ہے۔ اس لئے نفس کی خواہش اس قسم کے واسطوں کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی۔ یہ واسطے وہ روہیں ہیں جو بھور لوک، بھوور لوک اور سور لوک کی دنیاؤں میں امہات بسیط سے پیدا ہوتی ہیں۔ ہندوؤں نے ان ارواح کا نام اجسام لطیفہ رکھا ہے تاکہ انہیں کثیف بدنوں سے جو پانچ عناصر سے حیات حاصل کرتے ہیں، تمیز کر رکھا جاسکے جبکہ روح ان اجسام پر بلندی سے اس طرح طلوع ہوتی ہے جیسے آفتاب زمین پر۔ روح ان اجسام کو ایک واسطے یا ہیولے کے طور پر استعمال کرتی ہے جس طرح سورج ایک ہی صورت اپنے مقابل رکھے ہوئے آئینوں یا پانچوں میں ایک ہی طرح منعکس اور جلوہ گر ہوتا ہے اور اس کی گرمی اور روشنی کا اثر سب پر یکساں ہوتا ہے۔ اسی طرح روح بھی ان واسطوں کو جن سے وہ متحد ہو جاتی ہے، متاثر کرتی ہے اور ان کو اپنی سواری کے طور پر استعمال کرتی ہے یعنی ان میں وہی اوصاف و شمائل پیدا کر دیتی ہے جس کی وہ خود حامل ہے۔ اس طرح نفس کے افعال کا سبب یہی ہے جو سطور بالا میں مذکور ہوا۔

مادہ روح سے مل جانے کا مشتاق ہوتا ہے

اس کے برعکس، سبب اسفل، جو مادے سے ظہور پذیر ہوتا ہے یہ ہے کہ مادہ کمال کا طلبگار ہوتا ہے اور ہر نسبتاً کم اچھی چیز پر بہتر سے بہتر کو اپناتا ہوا کمال کی منزل کی طرف گامزن رہتا ہے۔ مادے کی طبیعت میں جو خود نمائی اور کمال کی امنگ ہے، یہ اس شخص پر جسے یہ تعلیم دیتا ہے امکانات کی تمام انواع کو ظاہر کر دیتی اور نفس کو نباتات اور حیوانات کی تمام انواع میں گردش کراتی رہتی ہے۔

ساکھیا مکتب فکر کے مفکرین مادے کو فعل کا سبب متصور کرتے ہیں

ساکھیا کی کتاب میں فعل کا سبب مادے کو بتایا گیا ہے کیونکہ جن اشکال میں مادہ ظہور پذیر ہوتا ہے ان کا فرق تین ابتدائی قوتوں پر منحصر ہے اور ان میں سب سے ایک یادو کے غلبے کی وجہ سے رو نما ہوتا ہے۔ یہ تین قوتیں ملکوتی، بشری اور حیوانی ہیں اور ان قوتوں کا تعلق مادے سے ہے روح سے نہیں۔ روح کا کام ایک تماشائی کی طرح مادے کے افعال کو معلوم کرنا ہے، ایک ایسے مسافر کی طرح جو تھوڑی دیر کو دم لینے کے لئے کسی گاؤں میں ٹھہر گیا ہو۔ گاؤں کے لوگ اپنے اپنے کام میں لگے ہیں۔ مسافر ان کو دیکھتا ہے اور گاؤں والوں کے کام میں شریک نہ ہونے کے باوجود ان کاموں میں سے بعض کو پسند اور بعض کو ناپسند کرتا ہے اور ان سے سبق حاصل کرتا ہے۔ اس طرح وہ کام نہ کرتے ہوئے بھی مصروف رہتا ہے اور دریافت حال کا سبب نہ ہونے کے باوجود دریافت حال میں مصروف رہتا ہے۔

ہندوؤں کا کہنا ہے کہ روح کی کیفیت بارش کے پانی جیسی ہے جو آسمان سے ہمیشہ ایک ہی انداز میں زمین پر برستا ہے۔ لیکن اگر اسے سونے، چاندی، شیشے، مٹی اور پتھروں کی مختلف اقسام سے بنے ہوئے برتنوں میں جمع کر لیا جائے تو اس کی شکل، مزہ اور خوشبو میں فرق آ جاتا ہے۔ اسی طرح روح بھی مادہ سے مل کر اس میں زندگی پیدا کرنے کے علاوہ اس پر اور کچھ اثر نہیں کرتی۔ پھر جب مادہ سے افعال صادر ہونے لگتے ہیں تو ان افعال میں تینوں قوتوں میں غالب قوت اور دوسری دو کمزور قوتوں کے تعاون کی نسبت اور مقدار کے مطابق فرق ہوتا ہے۔ یہ تعاون مختلف شکلوں میں ہوتا ہے، ان کی ایک شکل روشنی کے ظہور میں تازہ تیل، خشک جی اور دھواں دینے والی آگ کا تعاون ہے۔ مادے میں روح کی مثال گاڑی میں بیٹھے سوار کی سی ہے اور حواس اس کے خادم ہیں جو سوار کے اشارے کے مطابق گاڑی کو چلاتے ہیں۔ اس روح کی رہنمائی عقل کرتی ہے جو خدا کی طرف سے اس رہنمائی پر مامور کی گئی ہے۔ اس عقل کی تعریف ان لوگوں نے یہ کی ہے کہ عقل وہ چیز ہے جس سے اشیاء کی حقیقت کا ادراک ہوتا ہے جس کے ذریعے معرفت الہی تک اور ایسے افعال تک رسائی ہوتی ہے جنہیں سب پسند کرتے اور مستحسن گردانتے ہیں۔

## روحوں کی حالت اور دنیا میں ان کا آواگون

جس طرح کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اسلام کی علامت، تثلیث، عیسائیت کی علامت اور سبت کی تقریب یہودیت کی علامت ہے اسی طرح تناخ کا عقیدہ ہندو مذہب کی پہچان ہے اور جو شخص تناخ پر ایمان نہیں رکھتا وہ ہندو نہیں اور اسے ہندوؤں میں شمار نہیں کیا جاتا۔

ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ روح جب تک شعور مطلق کو نہیں پالیتی اس وقت تک اشیاء کی کلیت کو بلا توقف یا فی الفور نہیں جان سکتی اور اس کے لئے اسے جزئیات کا پتہ لگانے اور ممکنات کا کھوج کرنے کی ضرورت رہتی ہے۔ محدود ہونے کے باوجود یہ ممکنات بہت زیادہ ہیں اور ان کی اتنی بڑی تعداد سے واقفیت بہم پہنچانے کے لئے ایک طویل مدت درکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روح کے پاس علم حاصل کرنے کا اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں کہ وہ افراد و انواع اور ان کے افعال و کوائف کا مشاہدہ کرتی رہے۔ اس مشاہدے ہی سے اسے ہر ایک کے بارے میں تجربہ اور نیا علم حاصل ہوتا رہتا ہے لیکن افعال، تین بنیادی قوتوں کے تناسب کے فرق کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ دنیا تدبیر سے بالکل خالی نہیں ہے اور کوئی ہستی اس کی باگ تھامے اسے ایک واضح سمت میں لیے جا رہی ہے۔ چنانچہ ہمیشہ باقی رہنے والی ارواح اپنے افعال کی اچھائی یا برائی کے مطابق فنا ہو جانے والے جسموں میں آتی جاتی رہتی ہیں۔ اس آواگون کا مقصد یہ ہے کہ اگر ان کا آنا جانا ثواب میں ہے تو وہ نیکی کی طرف متوجہ رہیں گی اور وہ اسے زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی تمنائی ہوں گی اور اگر یہ آواگون عذاب کی بنا پر ہے تو وہ برائی اور مکروہات کی طرف متوجہ رہیں گی اور ان سے دور رہنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کریں گی۔

روحوں کا یہ آواگون ادنیٰ درجے سے اعلیٰ درجے کی طرف ہوتا ہے اس کے برعکس نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اعلیٰ میں ادنیٰ اور اعلیٰ دونوں شامل رہتے ہیں۔ اعلیٰ اور ادنیٰ مدارج کا اختلاف، افعال کا اختلاف اور فرق کا نتیجہ ہوتا ہے اور اس کا انحصار ان کے مزاج اور اجزائے ترکیبی کی کثیت اور کیفیت کے مقدار کے فرق پر ہے۔

آواگون کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک روح اور مادہ دونوں پوری طرح اپنا مقصود حاصل نہیں کر لیتے۔ ادنیٰ یعنی مادے کے معاملے میں مقصد کا حصول یہ ہے کہ مادے میں جو صورت ہے وہ فنا ہو جائے اور صرف وہی تماشل یا تشکل باقی رہے جو پسندیدہ ہے۔ اعلیٰ کے معاملے میں یہ مقصود اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ روح کو وہ باتیں جاننے کا جن کو وہ نہیں جانتی، شوق باقی نہیں رہتا کیونکہ اب اسے اپنی ذاتی شرافت اور اپنے الگ وجود کا یقین ہو چکا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ مادے کی کم

سواہی اور اس کی صورتوں کی ناپائیداری کا احساس ہو جانے کی وجہ سے یہ مادے سے بھی بے نیاز ہوتا ہے اور اس کی کھوکھلی اور بے حقیقت لذتوں سے بھی، اس کے بعد روح مادے سے منہ موڑ لیتی ہے، اس کے درمیان رابطے ٹوٹ جاتے ہیں اور ان کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے۔ ان کے درمیان جدائی ہو جاتی ہے اور روح اپنے ساتھ علم کی مسرت لئے اپنے منبع کی طرف واپس آ جاتی ہے اور جس طرح تل کے دانے کے خواص اس سے نکلنے والے تیل میں سرایت کر جاتے ہیں اور اس سے جدا نہیں ہوتے اسی طرح حائل عقل اور معقول باہم متحد ہو کر ایک جان ہو جاتے ہیں۔

ہمارا اب یہ فرض ہے کہ ہم اس موضوع کے متعلق ان کی کتابوں سے ضروری اقتباسات اور دوسری قوموں کی کتابوں سے اس سے ملتے جلتے اقوال یا افکار یہاں پیش کریں یہ کہہ کر الہیرونی نے گیتا اور ہندوؤں کے دوسرے صحیفوں سے چند اقتباسات پیش کیے ہیں۔ ساتھ ہی یونانیوں کے بعض مماثل افکار کی طرف بھی توجہ دلائی ہے اور سقراط کی تصنیف ”نائیڈو“ کے بعض اقتباسات بھی نقل کئے ہیں۔

### صوفیوں کا قول

ان صوفیا کا بھی یہی مسلک ہے جو یہ کہتے ہیں کہ دنیا خوابیدہ روح اور آخرت بیدار روح ہے۔ وہ بعض مقامات ساوی مثلاً عرش اور کرسی (جن کا ذکر قرآن میں ہے) میں حق کا حلول کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ بعض دوسرے صوفیا ساری دنیا میں حق کو جاری و ساری سمجھتے ہیں اور ان کے نزدیک نہ صرف حیوانات و نباتات بلکہ جمادات تک میں حق حلول کئے ہوئے ہے اور جسے وہ نفس و آفاق میں ذات الہی کی جلوہ گری سے تعبیر کرتے ہیں۔ جب وہ حلول الہی کے قائل ہیں تو ان کے نزدیک اداگون کے ذریعے روحوں کا بار بار مختلف جسموں میں آتے جاتے ہیں رہنا کوئی بڑی بات نہیں۔

## باب ۶

## مختلف دنیا میں اور مقامات جزا و سزا یعنی جنت اور دوزخ

ہندو دنیا کو ”لوک“ کہتے ہیں اس کو ابتدائی طور پر اعلیٰ، ادنیٰ اور درمیانی دنیاؤں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ عالم اعلیٰ کو ”سور لوک“ کہا جاتا ہے جس کا مطلب جنت ہے۔ عالم ادنیٰ کو ”ناگ لوک“ یا سانپوں کی دنیا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ دوزخ ہے اور اس کا ایک نام ”نر لوک“ بھی ہے۔ اس کو بعض اوقات پاتال یا سب سے نیچی دنیا بھی کہا جاتا ہے۔ درمیانی دنیا جس میں ہم رہتے ہیں مدھیہ لوک اور منش لوک یا انسانوں کی دنیا کہلاتی ہے یہ دنیا کمانے کے لئے ہے، عالم اعلیٰ ثواب کے لئے اور عالم ادنیٰ عذاب کے لئے ہے۔ اعمال کی جزایا سزا پانے کے لئے جو لوگ ”سور لوک“ یا ”ناگ لوک“ میں آتے ہیں ایک مقررہ مدت تک جو ان کے اعمال کی مدت کے برابر ہوتی ہے، اپنے عمل کی جزایا سزا پاتے ہیں لیکن ان دونوں دنیاؤں میں صرف روح رہتی ہے (جسم درمیانی دنیا یا مدھیہ لوک ہی میں رہ جاتے ہیں)۔

ایسے لوگوں کے لئے جو نہ جنت میں جانے کے لائق ہیں اور نہ دوزخ میں ایک دوسرا لوک ہے جسے ”تریگ لوک“ کہتے ہیں اور یہ لوک یا دنیا دراصل بے عقل حیوانات یا نباتات کی دنیا ہے جس کے جسموں میں آواگون کے عمل کے مطابق روح آتی جاتی رہتی ہے اور نباتی دنیا کی ادنیٰ ترین انواع کے مرتبے سے ترقی کرتی ہوئی حسی دنیا کے اعلیٰ ترین مرتبے تک پہنچ جاتی ہے۔ اس دنیا میں روح کا قیام ان دو وجہوں میں سے کسی ایک کی بنا پر ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ روح جزایا سزا کی مستحق ہے۔ وہ اسے جنت میں لے جانے یا دوزخ میں دھکیلنے کے لئے ناکافی ہے یا اس وجہ سے کہ روح دوزخ سے واپس آتی ہے کیونکہ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ جنت سے دنیا کی طرف آنے والی روح انسانی قالب اختیار کر لیتی ہے اور دوزخ سے آنے والی روح پہلے نباتات میں حلول کرتی ہے اور اس کے بعد جا کر کہیں انسانی شکل میں آتی ہے۔



## وشنوپہ ان سے اقتباس

ہندوؤں نے اپنی روایات میں دوزخوں کی تعداد، صفات اور نام بہت بڑی تعداد میں بیان کئے ہیں۔ ہر ہر گناہ کے لئے الگ الگ دوزخ ہے۔ ”وشنوپہ ان“ کے مطابق ان کی تعداد اٹھاسی ہزار ہے۔ (الہیرونی نے اس کتاب سے مختلف قسم کے گناہوں اور ان کے لئے مقرر دوزخوں کے بارے میں اقتباسات پیش کئے ہیں)۔ ایسے گناہوں میں جھوٹی گواہی، معصوم کا قتل، گائے کشتی، برہمنوں کا اپنی بہن یا بہو سے زنا، ویدوں اور پرانوں کی بے حرمتی، والدین کے حقوق کی عدم ادائیگی، چاقو سازی، مرغ، بلی اور سور پالنا، درختوں کو کاٹنا اور مقررہ رسوم سے انحراف وغیرہ شامل ہیں۔ الہیرونی نے آگے چل کر وضاحت کی ہے کہ اس نے ان گناہوں کی فہرست اس لئے پیش کی ہے کہ اس سے یہ اندازہ ہو جائے کہ ہندو کن افعال کو گناہ سمجھتے ہیں۔ بعض ہندوؤں کا خیال ہے کہ درمیانی دنیا جو کمانے کے لئے ہے انسانی دنیا ہے اور ان کے خیال میں انسان کی اس دنیا میں آمد و رفت کا سبب یہ ہے کہ اس کو اعمال کی جو جزا دی گئی ہے اور وہ اسے جنت تک رسائی نہیں دلا سکتی لیکن اس طرح وہ دوزخ سے بچ جاتے ہیں۔ وہ جنت کو ایک ایسا اعلیٰ مقام سمجھتے ہیں جہاں وہ اپنے نیک کاموں کے صلے میں ایک مدت کے لئے مسرت و سعادت کی حالت میں رہیں گے۔ اس کے برعکس نباتات و حیوانات کی شکلوں میں آواگون کو انسانیت سے کم مرتبہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک سزا ہے جس کے مستحق وہ اپنے برے اعمال کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ یہ عقیدہ رکھنے والے لوگ انسانیت کے مرتبہ سے اس طرح گر جانے کے علاوہ کسی اور چیز کو دوزخ نہیں سمجھتے۔

## تاسخ یا آواگون کے اخلاقی اصول

عذاب و ثواب اور آواگون کے یہ تمام مدارج طے کرنا اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ مادے کی بندشوں سے چھٹکارا پانے کے لئے اکثر اس کا سیدھا طریق جو یقینی علم تک پہنچاتا ہے اختیار نہیں کیا جاتا بلکہ قیاسی طریقے دوسروں کی تقلید کے طور پر اپنا لئے جاتے ہیں۔ انسان کا کوئی عمل خواہ وہ سب سے آخر کا ہو ضائع نہیں ہوگا۔ اس کے اچھے اور برے کاموں کا حساب کتاب ہوتے وقت ہر عمل کا حساب لیا جائے گا۔ لیکن جزایا سزا ان کاموں کی نسبت سے نہیں بلکہ جس نیت سے وہ کام کیا گیا ہے اس کے مطابق ہوتی ہے۔ اس کو اپنے ان کاموں کا بدلہ یا تو اسی شکل میں ملے گا جس میں وہ اس وقت ہے یا پھر ان شکلوں میں آمد و رفت کی صورت میں جن میں اس کی روح اس کے انسانی جسم سے نکل کر داخل ہوگی یا پھر وہ ایک درمیانی شکل میں رہے گی یعنی موجودہ جسم سے نکلنے کے بعد دوسرے جسم میں داخل ہونے سے پہلے کی درمیانی حالت میں۔

ساکھیا نے عقیدہ تناخ پر نکتہ چینی کی ہے

یہاں ثواب و عذاب کے مسئلہ میں ہندو عقلی استدلال کے راستے سے ہٹ گئے ہیں اور انہوں نے ثواب اور عذاب کے دونوں مقامات کے بیان میں روایتی حکایتوں کا سہارا لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں ان دونوں مقامات میں بدن روح کے بغیر رہتا ہے اور اپنے اعمال کا پورا بدلہ پالینے کے بعد دوبارہ انسانی شکل میں واپس آ جاتا ہے تاکہ وہ آئندہ جنم کی تکمیل کے لئے تیار ہو جائے۔ ”ساکھیا“ کے مصنف نے اسی وجہ سے جنت کے ثواب کو اجر خیر نہیں سمجھا ہے کیونکہ یہ ثواب ابدی نہیں بلکہ ختم ہو جانے والا ہے۔ اس کے علاوہ وہاں کی زندگی ہماری دنیاوی زندگی سے مشابہ ہے اور رشک و حسد سے خالی نہیں ہے اور مختلف مرتبوں اور درجوں میں مٹی ہوئی ہے جو ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں اور کینہ اور حسرت مکمل مساوات کی صورت میں ہی ختم ہو سکتے ہیں۔

صوفی بھی ثواب جنت کو اجر خیر نہیں سمجھتے

صوفی بھی ثواب جنت کو اجر خیر نہیں سمجھتے لیکن ان کا ایسا کرنا ایک دوسری وجہ سے ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جنت میں روح حق کو چھوڑ کر غیر حق کی طرف مائل ہو جاتی ہے اور خیر کل کے مقابلے میں ماسوا میں اس کی دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔

روح کے بدن کو چھوڑنے کے بارے میں عام خیال

ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق ان دو مقامات جزا میں روح غیر مجسم حالت میں قیام کرتی ہے لیکن یہ عقیدہ صرف پڑھے لکھے ہندوؤں کا ہے جو روح کو بدن سے الگ اور بے نیاز شے سمجھتے ہیں لیکن عام لوگ جو بدن کے بغیر روح کے وجود کا تصور تک نہیں کر سکتے اس معاملے میں بالکل مختلف عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان کے خیال میں جان کنی (نزع) کی تکلیف اس لئے ہوتی ہے کہ روح کو ایک دوسرے قالب کے تیار ہو جانے کا انتظار رہتا ہے۔ روح بدن سے اس وقت تک نہیں نکلتی جب تک اس کے لئے ایک ایسا بدن تیار نہیں ہو جاتا جس کے افعال پیٹ کے بچے یا زمین کے اندر اگتے ہوئے بیج سے مشابہت رکھتے ہوں۔ جب یہ بدن تیار ہو جاتا ہے تو روح اس بدن کو جس کے اندر وہ اب تک تھی، چھوڑ دیتی ہے۔

کچھ لوگ اس روایتی نظریے کو مانتے ہیں کہ روح کسی دوسرے قالب کا انتظار نہیں کرتی بلکہ اپنے موجودہ بدن کو اس کے کمزور ہو جانے کی وجہ سے چھوڑتی ہے۔ اس اثنا میں اس کے لئے عناصر کا ایک بدن تیار کروایا جاتا ہے۔ اس بدن کو ”آتی واکھ“ کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں جلدی میں تیار کیا جانے

والا۔ اس بدن کو یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کہ یہ بدن پیدائش کے معمول کے عمل سے وجود میں نہیں آتا۔ اس بدن میں روح ایک سال تک نہایت تکلیف کی حالت میں رہتی ہے قطع نظر اس سے کہ یہ روح ثواب کی مستحق ہے یا عذاب کی۔ یہ ایرانیوں کے عالم برزخ سے ملتی جلتی حالت کہی جاسکتی ہے۔ ایرانی عالم برزخ اس درمیانی زمانے کو کہتے ہیں جو عمل و انساب اور اجر ملنے کے درمیان واقع ہوتا ہے۔ اسی لئے ہندوؤں کے یہاں 'میت کا وارث سال بھر میت کے لئے رسمیں ادا کرتا ہے اور جو سال ختم ہونے تک جاری رہتی ہیں کیونکہ سال کے ختم ہونے پر میت اس مقام پر پہنچ جاتی ہے جو اس کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ (ان نظریات کے ثبوت میں دشمنو پران سے اگلے ابواب میں اقتباسات پیش کیے گئے ہیں)۔

### تناخ کے بارے میں مسلمان مصنفین کے خیالات

ایک متکلم جس کا تناخ کی طرف میلان ہے کہتا ہے:

”تناخ کے چار مرتبے ہیں (۱) انتقال یعنی پیدائش کا وہ طریقہ جو نوع انسانی کے ساتھ مخصوص ہے اور اس میں ایک شخص سے وجود دوسرے شخص کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

(۲) اس کی ضد مسخ ہو جانا ہے (یعنی اچھی صورت سے خراب صورت میں تبدیل ہونا) اور یہ بھی انسانوں کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ وہی بندروں، سورؤں اور ہاتھیوں کی شکل میں مسخ کر دیئے جاتے ہیں۔

(۳) وجود کی باقی رہنے والی حالت جیسے نباتات کی لیکن یہ انتقال سے بدتر ہے کیونکہ اس میں انسان ہمیشہ ایک ہی حالت پر قائم رہتا ہے اور اس کی عمر پہاڑوں کی عمر کی طرح طویل ہے۔

(۴) منتشر ہو جانا۔ یہ نمبر ۳ کی ضد ہے اور ان نباتات سے تعلق رکھتی ہے جو تیار ہونے کے بعد توڑیا کاٹی جاتی ہیں یا ان جانوروں سے جو ذبح کر دیئے جاتے ہیں اور ان کا نسلی سلسلہ باقی نہیں رہتا۔

ابو یعقوب سجری نے اپنی کتاب ”کشف المحجوب“ میں دعویٰ کیا ہے کہ انواع محفوظ رہتی ہیں۔ ان کا تناخ ایک ہی نوع میں ہوتا ہے۔ ایک نوع کا تناخ دوسری نوع میں کبھی نہیں ہوتا۔

قدیم یونانیوں کا بھی یہی خیال تھا۔

اس کے ثبوت میں سقراط کی ”نائیڈو“ کے اقتباسات اور افلاطون کے بعض نظریات الہیرونی نے پیش کئے ہیں۔

## باب ۷

## دنیا سے نجات پانے اور نجات کے راستے کا بیان

نفس جب دنیا کے ساتھ وابستہ ہو اور اس وابستگی کا کوئی سبب بھی ہو تو اس بندش سے نجات صرف ایک ہی صورت میں حاصل کی جاسکتی ہے اور وہ ہے بندش کے سبب کے متضاد۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ جہالت اس بندش کا سبب ہے اور اس سے نجات کا واحد ذریعہ علم ہے اور علم کی بھی وہ منزل جب اشیاء کا مکمل علم، یعنی ان کی تمام جہات کا علم جن سے اشیاء کو ایک دوسرے سے الگ الگ پہچانا جاتا ہے حاصل ہو جائے اور استقراء کی حاجت نہ رہے اور تمام شکوک و شبہات دور ہو جائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب نفس یا روح علم کی اس منزل کو پالیتا ہے کہ موجودات میں امتیاز کر سکے تو اسے اپنی ذات کا عرفان بھی حاصل ہو جاتا ہے اور وہ یہ بھی سمجھ لیتا ہے کہ اس کی ذات کی شرافت ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اور مادے کی رذالت مٹ جانے والی اور تغیر پذیر ہوتی ہے۔ اس طرح وہ مادے سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اس حقیقت کو پالیتا ہے کہ وہ جس چیز کو نیکی اور مسرت سے معمور سمجھ کر اپنائے ہوئے تھا وہ دراصل بدی اور اذیت تھی۔ اس طرح اسے حقیقی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ مادے کے سراب سے منہ موڑ لیتا ہے۔ اس طرح عمل یا افعال ختم ہو جاتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو کر آزاد ہو جاتے ہیں۔

## معرفت کے بارے میں صوفیوں کے ملتے جلتے خیالات

ایسے عارف کے بارے میں جسے معرفت حاصل ہو جاتی ہے صوفیوں کے خیالات بھی اس سے ملتے جلتے ہیں۔ ان صوفیا کا خیال ہے کہ عارف کے دور و حسیں ہوتی ہیں۔ ایک ابدی روح ہے جس میں کوئی تبدیلی یا تغیر پیدا نہیں ہوتا۔ اس روح سے اسے غیب کا علم حاصل ہوتا ہے اور اس سے کرامات صادر ہوتے ہیں۔ دوسری روح وہ بشری روح ہے جس میں تبدیلی اور ولادت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق اعضائے حسی کو کسب علم کے لئے بنایا گیا ہے اور ان سے جو حظ حاصل ہوتا ہے وہ اس لئے پیدا کیا گیا ہے تاکہ انسانوں کو تحقیق و جستجو کی تحریک ملے۔ انسانوں کو کھانے پینے سے جو لطف حاصل ہوتا ہے اس کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعے قوت حاصل ہو اور وہ باقی رہے۔ اسی طرح جماع میں نوع انسانی کو باقی رکھنے کے لئے لذت پیدا کی گئی ہے۔ اگر ان دونوں

کاموں میں یہ لذت نہ رکھی گئی ہوتی تو انسان ان دو اغراض کے لئے کبھی یہ دونوں کام نہ کرتے۔  
مزید برآں ہندوؤں کے نزدیک کسی شخص کو مندرجہ ذیل طریقوں میں سے کسی ایک کے ذریعے علم حاصل ہوتا ہے۔

- (۱) الہام کے ذریعے، پیدائش کے بعد کسی وقت نہیں، بلکہ ایسے الہام سے جو پیدائش کے ساتھ ہو جاتا ہے جیسا کہ پل رشی کو جواں کے پیٹ سے علم و حکمت لئے پیدا ہوئے تھے۔
- (۲) ایسے الہام کے ذریعے جو ایک زمانہ گزرنے کے بعد ہوتا ہے جیسا کہ برہما کی اولاد کو ہوا تھا کہ وہ اس وقت جوانی کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔
- (۳) سیکھنے سے اور کچھ وقت گزرنے کے بعد جیسے وہ سب لوگ جو سن شعور کو پہنچنے کے بعد علم سیکھتے ہیں۔

لاچ، غصہ اور جہالت موش کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹیں ہیں

علم کے ذریعے نجات برائی سے بچ کر ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ برائی کی بہت سی شاخیں ہیں لیکن ہم انہیں لاچ، غصہ اور جہالت میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ اگر جڑ کو کاٹ دیا جائے تو شاخیں خود بخود سوکھ جائیں گی۔ ہم پہلے لاچ اور غصے کو لیتے ہیں جو انسان کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ وہ انسان کو اس دھوکے میں مبتلا رکھتے ہیں کہ کھانے پینے میں لذت اور انتقام لینے میں راحت ہے جبکہ حقیقت میں یہ دونوں چیزیں انسان کو تکلیفوں اور مصیبتوں میں مبتلا کر دیتی ہیں اور انسان کو درندوں اور چوپایوں بلکہ شیاطین و ابلیس کے مانند بنا دیتی ہیں۔

دوسری ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان عقل کی قوت کو اختیار کرے جس سے وہ اعلیٰ ترین فرشتوں جیسا ہو جاتا ہے اور تیسری ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ دنیا کے کاروبار سے منہ موڑ لے۔ دنیا کے کاروبار کو وہ اسی وقت ترک کر سکتا ہے جب وہ ان کے اسباب یعنی حرص اور غلبہ کی خواہش سے چھٹکارا حاصل کر لے۔ اگر وہ ایسا کر لے تو اس سے تین ابتدائی قوتوں میں سے دوسری قوت خود بخود مغلوب ہو جاتی ہے۔ ترک عمل کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) کاہلی، تاخیر اور جہالت کے ذریعے، جو تیسری قوت ہے لیکن یہ طریقہ مستحسن نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کا نتیجہ خراب نکلتا ہے۔

(۲) عاقلانہ انتخاب کے ذریعے اور بہتر اور افضل کو اس کی اچھائی کے سبب ترجیح دے کر اختیار کرنے سے کیونکہ اسی طرح کا ترک عمل قابل تعریف ہے۔ ترک عمل اپنی تکمیل کو اس وقت پہنچتا ہے

جب انسان ان تمام چیزوں سے علیحدہ ہو جائے جو اس کے اطمینان و سکون قلب میں فتور ڈالتی ہیں اور گوشہ نشین ہو جائے۔ اس طرح اسے اپنے حواس پر اس درجہ قدرت حاصل ہو جائے گی کہ وہ خارجی محسوسات کی طرف قطعی مائل نہ ہوں گے اور پھر ایک ایسی منزل آئے گی جب اسے اپنے علاوہ کسی دوسری چیز کے وجود کا احساس تک نہ ہوگا اور وہ اپنی تمام حرکات یہاں تک کہ تنفس کو روکنے پر بھی قادر ہو جائے گا۔ یہ بات واضح ہے کہ حریص اپنے مقصود کو حاصل کرنے کے لئے محنت کرتا ہے اور جو محنت کرتا ہے وہ تھکتا ہے اور جو تھکتا ہے وہ ہانپتا ہے۔ اس لئے ہانپنا حرص و طمع کا نتیجہ ہے۔ حرص ختم ہو جائے تو اس کے تنفس کی حالت اس آدمی کے تنفس کی سی ہو جائے گی جو سمندر کی تہہ میں رہتا ہو اور جو سانس لینے کے لئے ہوا کا محتاج نہ ہو۔ اس وقت دل ایک ہی چیز پر ٹھہر جاتا ہے اور وہ ہے نجات کی طلب اور وحدت مطلق تک رسائی۔

ہم نے اوپر جو کچھ کہا ہے اس کے لئے دھیان میں ایسا تسلسل ہونا چاہئے جس پر عدد کا اطلاق نہ ہو سکے۔ عدد کا اطلاق تکرار وقت کو ظاہر کرتا ہے اور تکرار کے لئے دھیان کے سلسلہ میں خلل پیدا ہونا لازمی آتا ہے۔ اس سے دھیان کے تسلسل میں خلل پڑتا ہے، جس چیز پر دھیان دیا جا رہا ہے اس کے ساتھ پورا لگاؤ اور اتحاد پیدا نہیں ہو پاتا اور مطلوبہ شے بذات خود فکر یا دھیان نہیں بلکہ دھیان کا تسلسل اور اتصال ہے۔

اس مقصد تک ایک قالب میں بھی رسائی ہو سکتی ہے۔ (یعنی تناخ کے ایک ہی مرحلے میں یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے) اور متعدد قالبوں میں بھی لیکن اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان عمدہ خصلت پر قائم رہے اور اپنے نفس یا روح کو بھی اس کا اتنا خوگر بنادے کہ وہ اس کی فطرت اور وصف بن جائے۔

### ہندو مذہب کے نو احکام

عمدہ خصلت وہ ہے جس کو مذہبی احکام میں بیان کیا گیا ہے۔ ہندوؤں کے مذہب کے اصل اصول، فروعات کی کثرت کے باوجود مندرجہ ذیل نو کلیات میں جمع ہیں۔

- (۱) قتل مت کرو
- (۲) جھوٹ مت بولو
- (۳) چوری مت کرو
- (۴) زنا مت کرو
- (۵) ذخیرہ اندوزی نہ کرو اور مال مت جمع کرو

- (۶) پاک اور صاف رہنے کا التزام کرو
- (۷) مسلسل روزہ رکھو اور موٹے جھوٹے کپڑے پہنو
- (۸) تسبیح و شکر کے ساتھ خدا کی عبادت پر قائم رہو
- (۹) زبان پر لائے بغیر دل میں ہمیشہ ”اوم“ کا کلمہ دہراتے رہو جو تخلیق کا کلمہ ہے۔
- جانوروں کو نہ مارنے کا حکم (نمبر ۱) اس عمومی حکم کا ہی ایک حصہ ہے جس میں ہر اس عمل سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے جو ایذا رساں اور نقصان دہ ہو۔ دوسروں کا سامان چرانا (نمبر ۳) اور جھوٹ بولنا (نمبر ۲) علاوہ اس برائی اور بے حیائی کے جو ان میں ہیں، اسی حکم میں داخل ہیں۔
- مال جمع کرنے سے باز رہنا (نمبر ۵) محنت و مشقت کو چھڑا دیتا ہے کیونکہ جو شخص اللہ کی نعمت کے بھروسے پر رہتا ہے وہ احتیاج سے چھوٹ جاتا ہے۔ مادی غلامی سے نجات اور ابدی مسرت کا حصول دھیان کے تسلسل کے ذریعے ہی ممکن ہے۔
- طہارت و پاکیزگی کا اختیار کرنا (نمبر ۶) بدن کی نجاست اور کثافت سے واقف ہونے اور اس بدنی نجاست سے نفرت کرنے اور پاکیزگی کی روح سے محبت کرنے کا باعث ہوتا ہے۔ موٹے جھوٹے کپڑے پہن کر بدن کو تکلیف میں مبتلا کرنا (نمبر ۷) بدن میں لطافت پیدا کرتا ہوس کو کم کرتا اور حواس کو تیز کرتا ہے۔
- خدا اور فرشتوں کا مسلسل اور پابندی سے دھیان کرنا دراصل ان سے ایک طرح کا ربط و تعلق پیدا کر دیتا ہے۔

### دوسرا حصہ: موکش کا عملی طریقہ

- پانچگی کی کتاب میں لکھا ہے ”ہم نے نجات کے راستے کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے:
- ۱۔ ایک قسم عملی ہے جسے ”کریا لوگ“ کہتے ہیں۔ اس میں حواس کو آہستہ آہستہ اور نرمی کے ساتھ خارجی دنیا سے علیحدہ کر کے اندرون پر اس طرح مرکوز کرتا ہے کہ خدا کے علاوہ اور کسی طرف توجہ نہ ہو۔ یہ طریقہ اس شخص کے لئے ہے جو صرف ضرورت بھر چیزوں پر (جو اسے زندہ رکھنے کے لئے کافی ہیں) قناعت کر سکے اور اس سے زیادہ کسی چیز کی خواہش نہ کرے۔
- (اس کی تائید میں وشنو دھرم اور گیتا کے متعلقہ اقتباسات نقل کئے ہیں)
- ۲۔ نجات کے راستے کا دوسرا حصہ ترک ہے۔ اس میں تغیر پذیر چیزوں سے نفرت کرنے لگے اور ان کی خواہش باقی نہ رہے اور ان تینوں ابتدائی قوتوں پر غلبہ حاصل ہو جائے جو اعمال اور ان کے

اختلاف کا سبب ہیں۔ اس لئے کہ جو شخص دنیا کے احوال کا صحیح علم رکھتا ہے اسے معلوم ہے کہ دنیا کی اچھی چیزیں حقیقت میں بُری ہیں اور ان سے حاصل ہونے والا آرام مکافات میں تکلیف سے بدل جاتا ہے اس لئے وہ ایسی چیزوں سے گریز کرتا ہے جو اُسے جنجال میں ڈالنے والی ہوں اور جن میں پھنس کر اسے اس دنیا میں اور زیادہ لمبے عرصے تک قیام کرنا پڑے۔

### عبادت بحیثیت نجات کے تیسرے طریقے کے

۳۔ نجات کے راستے کا تیسرا حصہ پہلے دو حصوں کا آلہ سمجھا جانا چاہئے اور وہ ہے عبادت اور اس کا مقصد خدا سے حصول نجات کی توفیق طلب کرنا اور ایسے قالب کے لائق ہونے کی دعا کرنا ہے جو اسے مسرت و سعادت کی منزل تک پہنچا دے۔

کتاب گیتا کے مصنف نے عبادت کے فرائض کو بدن، آواز اور دل کے درمیان تقسیم کیا ہے۔ بدن کی عبادت روزہ، پوجا، مذہبی فرائض کی ادائیگی، دیوتاؤں اور برہمن علماء کی خدمت، بدن کی صفائی کسی کی بھی جان لینے سے ہر حالت میں اور مکمل پرہیز اور دوسروں کی عورتوں اور مال و اسباب پر نظر نہ ڈالنے پر مشتمل ہے۔

آواز کی عبادت مقدس کتابوں کو پڑھنا، خدا کے نام کی تسبیح پڑھنا، ہمیشہ سچ بولنا، لوگوں سے نرم کلامی، ان کی رہنمائی اور اچھے کاموں کی ہدایت کرتے رہنا ہے۔ دل کی عبادت نیت کو درست اور صاف رکھنا، بڑائی نہ جتنا، ہمیشہ تحمل اور صبر سے کام لینا، حواس کو قابو میں رکھنا اور خوش دلی ہے۔

### موکش کی حقیقت

ہندوؤں کے خیال میں نجات کے معنی خدا کے ساتھ مل کر ایک ہو جانا ہے یعنی خدا کی ذات میں گم ہو جانا ہے کیونکہ ان کے خیال میں خدا وہ ہستی ہے جو جزا کی امید اور مخالفت کے خوف دونوں سے بے نیاز ہے۔ وہ ایسی ہستی ہے جو مخلوق کے خیال اور وہم و گمان میں نہیں آسکتی۔ وہ تمام مکروہ اضرار اور پسندیدہ مماثل سے ماوراء ہے اور عالم بالذات ہے۔ وہ اس طرح عالم نہیں ہوا ہے کہ اسے ان چیزوں کا جنہیں وہ پہلے سے نہ جانتا ہو بعد میں علم ہوا ہو، ہندوؤں کے نزدیک نجات یافتہ شخص کی صفات بھی یہی ہیں کیونکہ وہ تمام صفات میں اللہ کے مشابہ اور برابر سوائے اپنی ابتدا کے معاملے میں، کیونکہ وہ ازل سے موجود نہیں ہے اور نجات سے پہلے وہ جہمیوں کی دنیا میں تھا اور اس کو اشیائے موجود کا علم کو شش اور کسب



سے حاصل ہوا تھا لیکن اس علم کی حیثیت وہم و گمان سے زیادہ نہیں تھی کیونکہ علم کا مطلوب اب بھی حجاب میں تھا لیکن اس کے برعکس عالم نجات میں تمام حجاب اٹھ جاتے، پردے ہٹ جاتے اور رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں اور ذات خود عالم مطلق ہو جاتی ہے اور کسی نامعلوم چیز کو جاننے کی متمنی نہیں رہتی وہ حواس کے کیف محسوسات سے جدا ہو کر ابدی معقولات سے جا ملتی ہے۔

### پانچلی کے اقتباسات

کتاب پانچلی کے آخر میں جب شاگرد نے نجات کی کیفیت پوچھی تو استاد نے کہا: ”اگر چاہو تو کہہ سکتے ہو کہ نجات نام ہے تینوں قوی کے معطل ہو جانے اور اس مقام پر لوٹ جانے کا جہاں سے وہ آئے تھے اور اگر چاہو تو یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ نجات نام ہے روح کا عالم ہو جانے کے بعد خود اپنی فطرت کی طرف لوٹنے کا۔“

### صوفیوں کا مسلک بھی یہی ہے

صوفیوں کا مسلک بھی اس سے ملتا جلتا ہے۔ کسی صوفی بزرگ سے یہ روایت منقول ہے کہ ”صوفیوں کی ایک جماعت ہمارے پاس آئی وہ لوگ ہم سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئے۔ پھر ان میں سے ایک اٹھا اور نماز پڑھی۔ نماز پڑھنے کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوا اور بولا ”حضرت کیا یہاں کوئی ایسی جگہ ہے جو اس لائق ہو کہ ہم وہاں مریں۔“ میں نے سوچا کہ اس کی مراد شاید سونے سے ہے، چنانچہ میں نے ایک طرف اشارہ کر دیا۔ وہ وہاں گیا، بیٹھ کے بل گرا اور بے حس و حرکت ہو گیا۔ میں اٹھ کر اس کے پاس گیا اور اسے ہلایا ڈالا لیکن وہ ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔

صوفیوں نے قرآن کی اس آیت کا کہ ”ہم نے اسے زمین پر جگہ دی۔“ (پارہ ۱۸، آیت ۸۳) کی تشریح یوں کی ہے ”ایسا شخص اگر چاہے تو اس کے لئے زمین خود کو لپیٹ لے“ اور اگر چاہے تو پانی پر اور ہوا میں چلے جو اس کو چلنے میں مدد دیں گے اور اگر پہاڑ کے درمیان سے گزرنا چاہے تو پہاڑ اس کے ارادے میں حزام نہیں ہوں گے۔“

### وہ لوگ جو ساکھیا کے مطابق موش حاصل نہیں کر پاتے

آگے چل کر ہم ان لوگوں کا بیان کریں گے جو باوجود زبردست سعی و کوشش کے نجات کی منزل تک نہیں پہنچ پاتے۔ ایسے لوگوں کے مختلف طبقے ہیں۔

(یہاں ساکھیا کے وہ اقتباسات پیش کئے گئے ہیں جن کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو نجات کی منزل تک نہیں پہنچتے۔ بعض یونانی حکماء مثلاً امونیوس، افلاطون اور انباؤقلس کا مسلک بھی نقل کیا ہے۔ پانچلی کا

نظریہ صوفیا کے تلاش حق (خدا) میں انجذاب کے مسلک سے مشابہ ہے۔ صوفیا کا قول ہے کہ ”جب تک ذوقی کا اشارہ کے طور پر بھی حوالہ دیا جائے گا تو وحدت کی منزل نہ ملے گی۔ جب حق اس شے کو اپنی گرفت میں لے کر اسے مٹا دیتا ہے تو یہ حجاب یا ذوقی ختم ہو جاتی ہے۔“

صوفیا کے سلسلوں میں ایسے حوالے پائے جاتے ہیں جن سے وصل بالحق کی تصدیق ہوتی ہے مثلاً جب ایک صوفی سے پوچھا گیا کہ حق کیا ہے تو اس نے کہا ”میں اُس ہستی سے کیسے ناواقف رہ سکتا ہوں جو خود نہیں ہوں قطع نظر اس سے کہ یہ ”میں“ صرف ذاتی ہے جہاتی نہیں۔ اگر میں اپنی ہستی کی طرف مراجعت کروں تو میں اس سے جدا ہو جاؤں گا اور اگر مجھ سے صرف نظر کیا جائے (یعنی مجھ کو پیدا کر کے دنیا میں نہ بھیجا جائے) تو میں نور بن جاؤں گا اور وصل کا خوگر ہو جاؤں گا.....“ ابو یزید بسطامی سے جب استفسار کیا گیا کہ وہ سلوک کی اس منزل پر کیسے پہنچے تو انہوں نے کہا ”میں نے اپنی ذات کو اپنے وجود سے الگ کر دیا جیسے سانپ کینچلی کو۔ اس کے بعد جب میں نے خود کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ میں تو وہ (حق) ہوں۔“

المیرونی نے اس بات کو صوفیا کے اس قول پر ختم کیا ہے: ”انسان اور خدا کے درمیان اندھیرے اور اُجالے کی ہزاروں منزلیں ہیں۔ جب کوئی اندھیروں کو پار کر جاتا ہے اور نور کے مقامات کو پالیتا ہے تو اس کے لئے اپنے اصل حال کی طرف واپس آنا ناممکن ہو جاتا ہے۔“

## باب ۸

## مخلوقات کی قسمیں اور ان کے نام

اس بات کا مضمون ایسا ہے کہ اس کو صحیح طور پر سمجھنا مشکل ہے کیونکہ ہم مسلمان اس کا مطالعہ باہر سے کرتے ہیں اور ہندو اس کو وضاحت کے ساتھ ٹھیک ٹھیک بیان نہیں کرتے چونکہ اس رسالے کے بعد کے ابواب کے لئے ہمیں اس کی ضرورت ہے، اس لئے اس بارے میں تادم تحریر ہم نے جو کچھ سنا ہے وہ بیان کرتے ہیں لیکن پہلے کتاب ساکھیا کا ایک اقتباس نقل کرتے ہیں۔

کتاب ساکھیا کے حوالے سے مخلوقات کی مختلف قسمیں

سادھونے کہا ”زندہ بدنوں کی کتنی انواع واقسام ہیں؟“

رشی نے جواب دیا ”ان کی تین اقسام ہیں (۱) سب سے اوپر روحانی مخلوقات (۲) درمیان میں انسان اور (۳) نیچے حیوانات۔ ان کی چودہ انواع ہیں جن میں سے آٹھ روحانی مخلوقات سے تعلق رکھتی ہیں: برہما، اندر، پر جاپتی، سومیہ، گاندھرو، یلش، راکشس اور پشاج..... پھر پانچ انواع جانوروں کی ہیں۔ چوپائے، جنگلی جانور، پرندے، ریگنے والے اور اگنے والے یعنی پیڑ پودے، انسان کی صرف ایک نوع ہے“

اسی کتاب کے مصنف نے ان کو دوسرے ناموں سے اس طرح شمار کیا ہے ”برہما، اندر، پر جاپتی، گاندھرو، یلش، راکشس، پتارس، پشاج، ہندو لوگ ترتیب کا بہت کم خیال رکھتے ہیں اور تعداد بیان کرنے میں غن و تخمین سے زیادہ کام لیتے ہیں۔ ان کے یہاں ناموں کی بہتات ہے اور کیوں نہ ہو کوئی اُن کی گرفت کرنے والا ہے نہیں، اس لئے وہ جتنے نام چاہیں اختراع کر لیں۔

مصنف روحانی مخلوقات کی آٹھ قسمیں گنا تا ہے

ہندوؤں کی اکثریت کا اس باب میں اجماع ہے کہ روحانی مخلوقات کی مندرجہ ذیل آٹھ قسمیں ہیں۔  
(۱) دیوتا یا فرشتے: شمالی علاقہ ان کا ہے اور ان کو ہندوؤں کے ساتھ خصوصیت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ زرتشت نے شیطانوں کو دیو کہہ کر شمعینہ یا بدھوں کو اپنا دشمن بنا لیا تھا کیونکہ بدھوں کے نزدیک

دیو اعلیٰ ترین اور محترم ترین ہستیاں تھیں۔ فارسی میں مجوسیوں کے زمانے سے اب تک یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ دیتیہ، دانو۔ یعنی وہ جنات جو جنوب میں رہتے ہیں۔ وہ تمام لوگ جو ہندو دھرم کی مخالفت کرتے اور گائے کو ستاتے ہیں اسی دھرم میں آتے ہیں۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ آپس میں قریبی رشتہ ہونے کے باوجود ان کا باہمی جھگڑا طے نہیں ہوتا اور لڑائیاں ختم نہیں ہوتیں۔

(۳) گاندھرو: فرشتوں کے سامنے راگ اور گانا پیش کرنے والے موسیقار اور گویے۔ ان کی رنڈیوں کو اپسرائیں کہتے ہیں۔

(۴) یلش: فرشتوں کے خزانچی۔

(۵) راکشس: بد ہیئت اور کرہہ النظر شیاطین۔

(۶) کٹر: انسانی شکل اور گھوڑے کا سر رکھنے والی مخلوق، یونانیوں کے Centaurs سے مختلف جس کا نچلا دھڑ گھوڑے کا اور اوپری دھڑ انسان کا ہوتا ہے۔ برج قوس کا نشان اسی کی صورت سے لیا گیا ہے۔

(۷) ناگ: سانپ کی سی شکل و صورت والی مخلوق۔

(۸) ودیادھڑ: جادوگر جنات جو جادو کرتے ہیں لیکن ان کے جادو کا اثر دیر پا نہیں ہوتا۔ ان تمام مخلوقات کے سلسلہ پر نظر کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ سب سے اوپر ملکوتی قوت ہے اور سب سے نیچے کے سرے پر شیاطین ہیں اور دونوں کناروں کے درمیان خاصی آمیزش ہے۔ ان جنوں کی صفات میں جو اختلاف ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب اپنے موجودہ مرتبے پر اپنے عمل کے ذریعے پہنچے ہیں اور اعمال میں تینوں بنیادی قوتوں کی کمی بیشی کے مطابق فرق ہوتا ہے۔ اس کی عمر بہت طویل ہوتی ہے جس کا راز یہ ہے کہ وہ بدن سے چھٹکارا پا چکے ہیں، تھکن اور تکلیف سے مبرا ہو گئے ہیں اور ان چیزوں کو کرنے پر قادر ہیں جن سے انسان عاجز ہے۔ وہ انسانوں کی حاجت پوری کرنے اور ضرورت کے وقت ان کی مدد کے لئے ان کے پاس موجود رہتے ہیں۔

لیکن ہم نے ساکھیا کا جو اقتباس نقل کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نظریہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ برہما، اندر اور پرچا پتی انواع کے نام نہیں افراد کے نام ہیں۔ برہما اور پرچا پتی کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں اور ان کے ناموں کا یہ اختلاف ان کی کسی صفت کے اختلاف کی وجہ سے ہے اور اندر تمام جہانوں کا حکمران ہے۔ اس کے علاوہ واسودیونے یلش اور راکشسوں کو شیاطین کے ایک ہی طبقے میں شمار کیا ہے جب کہ پرانوں کے مطابق یلش خزانچی فرشتے اور خزانچی فرشتوں کے خادم ہیں۔

ان تمام اقوال کے مطالعے کے بعد ہمارا خیال یہ ہے کہ جن روحانی مخلوقات کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ

سب ایک ہی طبقے کی ہیں اور اپنے موجودہ مرتبے پر ان اعمال سے پہنچی ہیں جو انہوں نے انسان ہونے کی حالت میں کئے تھے۔ انہوں نے جسموں کو اس لئے پیچھے چھوڑ دیا کہ وہ ایک ایسا بوجھ ہیں جو قوت کو کم اور عرصہ حیات کو مختصر کر دیتے ہیں۔ ان کے حالات اور صفات کا موجودہ اختلاف اس تناسب کے مطابق ہے جس تناسب میں تین ابتدائی قوتوں میں سے کسی قوت کا ان پر غلبہ اور اثر ہوا ہے۔

### دیوؤں کا بیان

پہلی قوت (ابتدائی تین قوتوں میں سے پہلی قوت) دیوؤں یا فرشتوں کے لئے مخصوص ہے اور ان کو سکون اور مسرت حاصل ہے۔ کسی چیز کو اس کے مادی ہیولی سے الگ تصور کر لینے کی صلاحیت ان میں بہت بڑھی ہوئی ہے بالکل اسی طرح جس طرح انسان میں مادی محسوسات کے تصور کی صلاحیت وافر طور پر موجود ہے۔

دوسری قوت پشاج اور بھوتوں کے لئے مخصوص ہے جبکہ تیسری قوت درمیانی طبقے کے لئے مخصوص ہے۔ ہندوؤں کے مطابق دیوؤں کی تعداد ۳۳ کوئی (کروڑ) ہے۔ ان میں گیارہ کروڑ مہادیو کے لئے ہیں۔ اس لئے یہ عدد مہادیو کے القاب میں سے ایک بن گیا ہے۔ خود لفظ مہادیوان کی ذات پر دلالت کرتا ہے۔ فرشتوں کی مجموعی تعداد اس حساب سے ۳۳,۰۰,۰۰,۰۰۰ ہے۔

ہندو فرشتوں کے لئے کھانا، پینا، مباحثت کرنا، زندہ رہنا اور مرنا، جائز سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں وہ مادے کی حدود کے اندر ہیں، اگرچہ یہ مادہ نہایت لطیف ہے۔ نیز یہ کہ انہوں نے اپنا موجودہ مرتبہ عمل سے پایا ہے علم سے نہیں۔ پانچویں میں لکھا ہے کہ نندی کیسور نے مہادیو کے حضور بہت قربانیاں پیش کیں اس لئے ان کی برکت سے اپنے جسمانی قالب کے ساتھ جنت میں بھیج دیا گیا لیکن اندر نے نہوشا کی بیوی سے زنا کیا اس لئے اسے سزا کے طور پر سانپ بنادیا گیا۔

دیوؤں کے بعد پتاروں یعنی مرے ہوئے آباؤ اجداد کا مرتبہ ہے اور ان کے بعد بھوتوں کا یعنی وہ انسان جو روحانی ہستیوں (دیوؤں) کے ساتھ لگ گئے اور اس لئے مرتبوں میں دیوؤں اور انسانوں کے درمیان میں ہیں۔ جو لوگ بدن سے چھٹکارا پائے بغیر اس مرتبے پر پہنچ جاتے ہیں انہیں رشی، سدھ یا منی کہتے ہیں۔ صفات کے اعتبار سے ان میں اختلاف ہے۔ سدھ وہ ہے جس نے اپنے عمل سے دنیا کی ہر چیز پر قدرت حاصل کر لی ہے اور اسی پر قانع ہو گیا ہے اور نجات کے راستے پر آگے نہیں بڑھتا۔ اس کی ترقی رشی کے مرتبے تک ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی برہمن ترقی کر کے اس مرتبے کو پہنچتا ہے تو اسے برہمن رشی کہتے ہیں اور اگر کھتری اس درجے تک پہنچتا ہے تو راج رشی کہلاتا ہے۔ ان سے نیچے طبقے کے لوگ اس مرتبے پر نہیں پہنچ سکتے۔ رشی وہ عاقل ہیں جو انسان ہونے کے باوجود اپنے علم کے سبب فرشتوں پر فوقیت

رکھتے ہیں اور اسی وجہ سے فرشتے ان سے علم حاصل کرتے ہیں۔ برہما کے علاوہ کسی اور کورشیوں پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔

برہم رشی اور راج رشی کے بعد دوسری ذاتوں کے لوگ ہیں جو ہمارے درمیان رہتے ہیں اور جن کی تفصیل ہم ایک علیحدہ باب میں بیان کریں گے۔

### برہما، نارائن اور در کا مجموعہ وشنو

یہ موخر الذکر تمام انواع مادہ کے نیچے ہیں۔ مادے سے اوپر کے تصور کے بارے میں ہم یہ کہتے ہیں کہ مادے اور مادے سے اوپر کے روحانی اور الوہی حقائق کے درمیان ہیولی ایک واسطہ ہے اور تینوں ابتدائی قوتیں اسی میں ہیں۔ اس طرح ہیولی ان تمام قوتوں سمیت جو اس میں موجود ہیں، اوپر سے نیچے کی طرف گویا ایک بل ہے۔

ہیولی کے اندر پہلی قوت کے زیر اثر جو حیات گردش کر رہی ہے اس کو برہما، پرچاپتی کے علاوہ بعض دوسرے ناموں سے بھی پکارا جاتا ہے جن کا روایتوں اور ہندو دھرم میں ذکر موجود ہے۔ نتیجے کے اعتبار سے برہما اور فطرت ایک ہی ہیں کیونکہ تمام تخلیق یہاں تک کہ تخلیق کائنات بھی برہما کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔

دوسری قوت کے زیر اثر جو حیات ہیولی میں گردش کر رہی ہے اس کو ہندو روایات کے مطابق نارائن کہتے ہیں۔ نتیجے کے اعتبار سے نارائن کا مفہوم فطرت کی وہ حالت ہے جو فعل کی انتہا کے وقت ہوتی ہے اور جس وقت وہ اس چیز کو جو پیدا ہوئی ہے باقی رکھنے کے لئے کوشش کرتی ہے بالکل اسی طرح نارائن دنیا کو باقی رکھنے کی کدو کاوش کرتا ہے۔

تیسری قوت کے زیر اثر جو حیات ہیولی میں سمائی ہوئی ہے اس کا نام مہادیا اور شکر ہے لیکن زیادہ مشہور نام؟؟ ”در“ ہے۔ اس کا کام بگاڑنا اور فنا کرنا ہے۔ یہی کام فطرت اس وقت کرتی ہے جب فعل کے آخر میں اس کی قوت کم ہو جاتی ہے۔

ان کے ناموں میں اختلاف اس کے بعد ہوتا ہے جب وہ مختلف درجوں میں ہوتے ہوئے اوپر اور نیچے پہنچتے ہیں اور ان کے افعال میں اختلاف ہو جاتا ہے لیکن ان سب سے قبل صرف ایک سرچشمہ ہے جہاں سے ہر چیز نکلتی ہے اور اسی سرچشمہ میں وہ ان تینوں کو جمع رکھتے ہیں اور پھر ان میں جدائی اور تفرقہ نہیں ہوتا۔ اس وحدت کا نام ”وشنو“ ہے۔ یہ نام درمیانی قوت کے لئے زیادہ مناسب تھا لیکن یہ لوگ درمیانی قوت اور علت اولیٰ میں فرق نہیں کرتے۔

یہاں ہندوؤں اور عیسائیوں میں ایک بات مشترک معلوم ہوتی ہے وہ بھی تین ہستیوں کو باپ، بیٹا اور روح القدس کا نام دے کر ایک دوسرے سے فرق کرنے کے باوجود سب کو ایک مجموعی ذات قرار دیتے ہیں اور ہندو دھرم کا مطالعہ کرنے کے بعد یہی باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ ان کی روایات کے بارے میں جو بہت کچھ خلاف عقل باتوں سے پر ہیں، ہم آگے بتائیں گے۔ ہمیں اس بات پر تعجب نہیں کرنا چاہئے کہ ہندو دیویوں کے بارے میں اپنی کہانیوں میں جنہیں ہم نے فرشتوں سے تعبیر کیا ہے، ایسی باتوں کو جائز رکھا ہے، جنہیں عقل تسلیم نہیں کرتی اور جن سے مسلم علماء نے ان کو پاک قرار دیا ہے۔ جب ہندوؤں کے ان اقوال کو یونانیوں کے اقوال سے ملاؤ گے تو تعجب ختم ہو جائے گا۔

(اس کے بعد زیوس کے قصوں کا ذکر ہے۔ المیرونی کا کہنا ہے کہ یونانی اقوال کے مقابلے میں ہندوؤں کے اقوال نسبتاً کم حیرت انگیز ہیں)۔

www.KitaboSunnat.com

باب ۹

## ذاتیں جنہیں رک (دھن) کہا جاتا ہے اور ان سے نیچے کے طبقات

تخت سلطنت اور قربان گاہ

اگر کوئی شخص جو طبعاً جہاں بانی کا میلان اور ملکہ رکھتا ہے اور اپنی لیاقت اور کردار کی وجہ سے ریاست کا مستحق ہے اور جس کی رائے اور عزم میں استقلال ہے اور جس کو خوش قسمتی سے مشکلات کے وقت عوام کی تائید حاصل رہتی ہے، سیاسی اور سماجی زندگی کا نیا نظام قائم کرتا ہے تو یہ نظام ان لوگوں میں جن کے واسطے یہ قائم کیا گیا تھا مضبوط سے مضبوط تر ہوگا اور اس کی مضبوطی آئندہ بھی قائم رہے گی جس طرح کہ پہاڑ مضبوط بنیادوں پر قائم ہیں اور ایک نسل کے بعد دوسری نسل ابد الابد تک اس نظام کو مضبوطی سے تھامے رہے گی پھر اگر اس ریاستی اور سماجی نظام کو مذہب کی بھی کسی قدر تائید حاصل ہو جائے تو مذہب اور ریاست میں مکمل ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے اور ان کی یہ ہم آہنگی اور وحدت سماج کی وہ مثالی ارتقائی صورت ہے جس سے بڑھ کر انسان کسی اور چیز کی تمنا نہیں کر سکتے۔

پرانے زمانے کے بادشاہ اپنے منصب کے فرائض یعنی کاروبار سلطنت کی طرف پوری توجہ دیتے اور اسے بڑے اہتمام سے انجام دیتے تھے۔ وہ اپنی رعایا کو مختلف طبقات و مراتب میں تقسیم ہونے اور ان طبقات کو ایک دوسرے میں مدغم ہونے دیتے تھے اور نہ اس نظام طبقات میں کوئی خلل پڑنے دیتے تھے۔ اس لئے وہ مختلف طبقات کو آپس میں میل جول قائم نہ کرنے دیتے تھے اور ہر طبقے کے لئے خاص کام اور پیشے مقرر کر دیتے تھے۔ وہ کسی کو اپنے مرتبے یا اوقات سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے اور اگر کوئی شخص اپنے مرتبے پر قناعت نہ کرتا تو اس کو سزا دی جاتی تھی۔

### قدیم ایرانیوں میں طبقات کا نظام

قدیم ایران کے بادشاہوں (خسرواں) کی تاریخ کے مطالعے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ انہوں نے بھی طبقاتی نظام قائم کیا تھا اور انہوں نے اس سلسلے میں ایسے مضبوط انتظامات کئے تھے جو نہ کسی فرد کی خصوصی کارگزاری کے صلے میں ٹوٹ سکتے تھے اور نہ رشوت سے۔ یہاں تک کہ جب اردشیر ابن بابک سلطنت فاس کو دوبارہ قائم کیا تو ان طبقات کو بھی از سر نو بحال کیا۔ یہ طبقات اس طرح تھے:

(۱) پہلا طبقہ رئیسوں اور شاہی خاندان پر مشتمل تھا

(۲) دوسرا طبقہ عابدوں، آگ کے خادموں اور وکلاء کا تھا

(۳) تیسرا طبقہ اطباء، نجومیوں اور عالموں کا

(۴) چوتھے طبقے میں کسان اور دوسرے اہل حرفہ تھے۔

ان میں سے ہر طبقے کے اندر متعدد ذیلی طبقات اور مراتب تھے جو ایک دوسرے سے اس طرح علیحدہ اور ممتاز تھے جیسے انواع اپنی جنسوں کے اندر۔ اس قسم کے نظام کی حیثیت شجرہ نسب کی سی ہوتی ہے لیکن صرف اس وقت تک جب تک اس کی ابتداء کے اسباب یاد رہتے ہیں۔ لیکن جب ایک باریہ فراموش ہو جاتے ہیں تو یہ ایک قومی ورثہ بن جاتے ہیں اور کوئی شخص ان کے خلاف آواز نہیں اٹھا سکتا اور یہ ایک لازمی امر ہے کہ طویل مدت اور نسلیں گزر جانے کے بعد ہر چیز فراموش ہو ہی جاتی ہے۔ اس معاملے میں ہم میں اور ہندوؤں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ہم آپس میں سب کو برابر سمجھتے ہیں اور فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔ یہ اختلاف ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مفاہمت اور قرب میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

### چار ذاتیں

ہندو اپنے طبقوں اور ذاتوں کو ”ورن“ یا رنگ کہتے ہیں اور نسب کی حیثیت جاکھاپیدائش۔ ابتداء ہی



سے ان طبقوں کی تعداد صرف چار ہے:

(۱) سب سے اونچی ذات برہمنوں کی ہے جن کے بارے میں ہندوؤں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ برہما کے سر سے پیدا ہوئے تھے اور برہما سے مراد وہ قوت ہے جسے فطرت کہتے ہیں۔ سر حیوانی جسم کا سب سے بلند حصہ ہے اس لئے برہمن اس نوع کا جوہر اور منتخب حصہ ہیں اور اسی لئے ہندوان کو افضل ترین انسان سمجھتے ہیں۔

(۲) ان کے بعد کشتری (چھتری یا کھتری) طبقہ ہے۔ ہندوؤں کے خیال کے مطابق ان کی پیدائش برہما کے کندھوں اور ہاتھوں سے ہوئی ہے۔ ان کا مرتبہ برہمنوں کے مرتبے سے بہت زیادہ کم نہیں ہے۔

(۳) ان کے نیچے ویش ہیں جو برہما کی ران سے پیدا ہوئے تھے۔

(۴) شودر برہما کے پیروں سے پیدا ہوئے تھے۔

آخر الذکر دونوں ذاتوں میں بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔ یہ چاروں طبقے فرق رکھنے کے باوجود شہروں اور دیہاتوں میں مخلوط مخلوں اور مکانون میں رہتے ہیں۔

شودروں کے بعد اور ان سے نیچے وہ لوگ ہیں جو انتیاج کہلاتے ہیں اور جو مختلف قسم کی خدمات انجام دیتے ہیں۔ ان کا شمار کسی ذات میں نہیں ہوتا بلکہ ایک خاص پیشہ سے وابستہ افراد کے طور پر ہوتا ہے۔ پیشے کے اعتبار سے ان کے آٹھ فرقے ہیں۔ یہ لوگ اپنے درجے کے دوسرے پیشے والوں سے آزادانہ شادی بیاہ کرتے ہیں۔ سوائے دھوبی، موچی اور جلاہ کے جن سے کوئی بھی تعلق رکھنا پسند نہیں کرتا۔ پیشے کی بنیاد پر بنے ہوئے آٹھ طبقے یا فرقے یہ ہیں: دھوبی، موچی، مڈاری، ٹوکر یاں اور ڈھال بنانے والے۔ ملّا، چھیرے، چڑی مار اور شکاری اور جلاہ۔ چاروں ذات والے ان آٹھ فرقوں کے لوگوں کو اپنے ساتھ یا اپنی آبادیوں میں رہنے کی اجازت نہیں دیتے بلکہ ان کو بستی کے قریب لیکن بستی سے باہر آباد کرتے ہیں۔

ہاڈی، ڈوم، چنڈال اور بدھاتو کسی فرقے یا ذات میں شامل نہیں ہیں۔ یہ لوگ گندے کاموں مثلاً گاؤں کو صاف کرنے اور اسی قسم کے دوسرے کاموں کو انجام دیتے ہیں۔ یہ سب مل کر ایک واحد فرقہ شمار ہوتے ہیں اور ان میں باہمی امتیاز ان کے کاموں کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی حیثیت ناجائز اولاد کی سی ہے کیونکہ عام خیال کے مطابق ان کے باپ شودر اور ماں برہمن تھی اور ان کے ناجائز تعلق سے ان کی پیدائش ہوئی اسی لئے یہ برادری باہر کئے ہوئے ذلیل ہیں۔

## مختلف طبقات کے لوگوں کے پیشے

ہندوؤں نے چاروں ذاتوں سے تعلق رکھنے والے افراد کو ان کے پیشے اور طرز زندگی کے اعتبار سے الگ الگ نام دیئے ہیں۔ مثال کے طور پر جب تک کوئی برہمن اپنے گھر میں رہ کر کام کرتا ہے برہمن کہلاتا ہے۔ جب وہ ایک آگ کی خدمت کرنے لگتا ہے تو اسے ستھھی کہا جاتا ہے اور اگر تین آگوں کی خدمت کرتا ہے تو اگنی ہو تری کہلاتا ہے اور اگر آگ کے لئے قربانی بھی کرتا ہو تو ویکشت کہلاتا ہے۔ بچی ذات والوں میں ہاڈی سب سے بہتر سمجھے جاتے ہیں کیونکہ وہ ہر گندی چیز سے خود کو پاک رکھتے ہیں۔ ان کے بعد ڈوم ہیں جو بانسری یا بین بجاتے اور گاتے ہیں۔ ان کے بعد جو دوسری بچی ذاتیں ہیں ان کا کام جان لینا یا سزائیں دینا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ بچی ذات بدھا تو ہے۔ اس طبقے کے لوگ مردار جانوروں کے علاوہ کتے وغیرہ بھی کھاتے ہیں۔

## برہمنوں کے رسم و رواج

جب چاروں ذات والے لوگ ساتھ ساتھ کھانے بیٹھتے ہیں تو ہر ذات کی صف علیحدہ ہوتی ہے اور مختلف ذات کے لوگ ایک صف میں شامل نہیں ہو سکتے۔ مثال کے طور پر اگر ایسے دو برہمنوں کو جن کی آپس میں دشمنی ہو ساتھ ساتھ بیٹھنا پڑ جائے تو وہ درمیان میں تختہ یا کوئی دوسری چیز آڑ کے لئے رکھ دیتے ہیں اور اگر کچھ نہ ہو تو پھر دونوں کے درمیان ایک لکیر کھینچ کر کام چلا لیا جاتا ہے۔ چونکہ کسی کو بچا ہوا کھانا کھانے کی اجازت نہیں اس لئے ہر شخص کے لئے کھانے کی چیز کا علیحدہ ہونا ضروری ہے۔ اگر کسی ایک کے کھانے میں سے کوئی دوسرا شخص کوئی نوالہ کھالے تو پھر اس شخص کے لئے جس کا یہ کھانا تھا اس جھوٹے کھانے کو کھانا منع ہے گویا ان چار ذاتوں کا یہ حال ہے۔

## موکش اور مختلف ذاتیں

ہندوؤں میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ چاروں ذاتوں میں سے کون سی ذات نجات حاصل کرنے کی اہلیت رکھتی ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ صرف برہمن اور کشتری ہی نجات حاصل کر سکتے ہیں اور ان کے خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ برہمن اور کشتری کے علاوہ کوئی اور ویدوں کو نہیں پڑھ سکتا۔ لیکن ہندو مفکرین کا کہنا ہے کہ نہ صرف چاروں ذات والے بلکہ تمام نسل انسانی نجات حاصل کر سکتی ہے بشرطیکہ وہ صدق دل سے نجات حاصل کرنا چاہے۔ یہ نظریہ یا سکا کے اس قول کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے کہ ”بچیں چیزوں کو اچھی طرح ازبر کرلو۔ اس کے بعد جس مذہب کی چاہو پیروی کرو تم بلاشبہ نجات حاصل کر لو گے۔“ اس نظریہ کی بنیاد یہ حقیقت بھی ہے کہ واسود پو شودر خاندان میں پیدا ہوا تھا اور انہوں

نے ارجن سے کہا تھا ”خدا اجر دینے میں نا انصافی اور جانبداری سے کام نہیں لیتا لیکن اگر کوئی شخص نیکی کرتے وقت خدا کو فراموش کر دے تو وہ اس کی نیکیوں کو بدی میں شمار کرتا ہے لیکن اگر کوئی برائی کرتے وقت خدا کو نہ بھولے اور اسے یاد رکھے تو وہ ان بدیوں کو نیکیاں شمار کرتا ہے“ چاہے کرنے والا دلش ہو یا شور یا عورت ہو۔ اگر وہ برہمن یا چھتری ہو تو کہنا ہی کیا ہے۔

## باب ۱۰

ہندوؤں کے مذہبی اور شہری قانون کے سرچشمے رسول نیز یہ

کہ دینی احکام منسوخ ہو سکتے ہیں یا نہیں

یونانیوں کا مذہب اور قوانین جن کی بنیاد ان کے حکماء نے ڈالی تھی

قدیم یونانی مذہبی اور عائلی ضوابط کے لئے ان حکماء سے رجوع کرتے تھے جن کا کام ہی ان قوانین و ضوابط کو بنانا تھا اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ ان حکماء کو اس کام میں خدا کی نصرت حاصل ہے۔ یہ حکماء سولن، ڈریکو، فیما غورٹ، مائی ناس وغیرہ تھے۔ یونان کے بادشاہ بھی یہی کام انجام دیتے تھے۔ شاہ میاٹوس نے موسیٰ سے تقریباً دو سو سال قبل، مندر کے جزیروں اور اہل کریٹ پر اپنی حکمرانی کے زمانے میں قوانین بنائے تھے اور یہ کہا تھا کہ یہ قوانین اسے زیوس سے ملے تھے۔ اسی زمانے میں مائی ناس نے بھی قوانین وضع کئے تھے۔ قانون کے معاملے میں ہندوؤں کا حال بھی یونانیوں جیسا ہی ہے۔

ہندوؤں کے قوانین و ضوابط رشیوں نے وضع کئے تھے

ہندو اپنے قوانین اور ضابطوں کا سرچشمہ رشیوں کو مانتے ہیں اور انہیں کو اپنے دین کے ارکان و ستون سمجھتے ہیں۔ وہ رسول یعنی نارائن کو جو دنیا میں آتے وقت انسان کی شکل اختیار کر لیتا ہے، ہندو دھرم کا حوالہ تسلیم نہیں کرتے پھر نارائن دنیا میں اس لئے آتا ہے کہ اس برائی کو جو دنیا پر چھا جانا چاہتی ہے ختم کر دے یا گمراہ دنیا کو پھر سے صحیح راستے پر ڈال دے۔ ہندوؤں کے یہاں قوانین میں رد و بدل یا ترمیم و تفسیح کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ جس حالت میں بھی انہیں وہ قوانین ملے تھے اسی پر عمل کرتے ہیں، اسی لئے دھرم کے معاملے میں انہیں کسی رہبر کی ضرورت نہیں اگر رہبر کی ضرورت ہے تو دنیا کے خراب ہوتے

ہوئے حالات کو ٹھیک کرنے کیلئے اور بس!

جہاں تک قوانین ہندو دھرم کی منسوخی کا تعلق ہے تو ہندو اس کو ناممکن نہیں سمجھتے۔ ان کا خیال ہے کہ بعض وہ چیزیں جو اب حرام ہیں واسود یو کی آمد سے قبل حلال اور جائز تھیں۔ مثلاً گائے کا گوشت، قوانین میں ترمیم و ترمیم کی ضرورت اس لئے پیش آتی ہے کہ انسان کا مزاج بدلتا رہتا ہے اور ان میں فرائض و عینی کے ادا کرنے کی طاقت نہیں رہتی۔ جن قوانین میں تبدیلی ہوئی ہے ان میں شادی بیاہ نسب کے ضوابط شامل ہیں۔ قدیم زمانے میں نسب کا یقین تین طرح سے ہوتا تھا۔

(۱) منکوحہ بیوی سے جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ اپنے باپ کے نسب پر جاتا ہے جیسا کہ ہم لوگوں اور ہندوؤں میں ہوتا ہے۔

(۲) جب کوئی شخص کسی عورت سے شادی کرے اور اس سے بچی پیدا ہو اور یہ شرط کر لی جائے کہ اولاد لڑکی کے باپ کی ہوگی تو اولاد اپنے نانا کی ہوگی جس نے یہ شرط لگائی تھی۔ اس شخص کی نہیں جس کے نطفے سے پیدا ہوئی تھی۔

(۳) اگر کسی اجنبی کے نطفے سے کسی شادی شدہ عورت کے اولاد پیدا ہو تو اولاد عورت کے اصل شوہر کی متصور ہوگی کیونکہ جس زمین (عورت) کے بطن سے یہ اولاد پیدا ہوئی ہے اس کا مالک اس کا اصل شوہر ہے اور یہ فرض کر لیا جائے گا کہ عورت نے اپنے شوہر کی اجازت پر اجنبی سے تخم ریزی کرائی تھی۔ اب یہ تمام رسوم منسوخ ہو کر ختم ہو گئی ہیں اور اس نظیر کی بنا پر ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ہندوؤں کے یہاں قوانین کی ترمیم جائز ہے۔

اس قسم کی غیر فطری شادیاں اب بھی ہوتی ہیں جیسی کہ زمانہ جاہلیت میں ہوتی تھیں اور بنجر اور شہر کے درمیان پھیلے ہوئے کوہستانی علاقے میں ایک بھائی کی بیوی تمام بھائیوں کی مشترکہ بیوی ہوتی ہے۔

جاہلیت کے زمانے کے عربوں اور تبت کے باشندوں میں شادی کی مختلف صورتیں مشرکین عرب میں بھی شادی کی مختلف صورتیں رائج تھیں۔

(۱) ایک صورت یہ تھی کہ کوئی عرب اپنی بیوی کو عالی خاندان میں اولاد پیدا کرنے کی غرض سے کسی شخص کے پاس جانے اور اس سے مباشرت کرنے کا حکم دیتا تھا اور اس شوق میں کہ بچہ نجیب پیدا ہو، حمل کے زمانے میں اس سے الگ رہتا تھا۔ یہ شادی ہندوؤں میں رائج تیسری قسم کی شادی سے ملتی جلتی ہے۔

(۲) ایک قسم یہ تھی کہ ایک شخص دوسرے شخص سے کہتا تھا کہ تو اپنی بیوی کو میرے لئے چھوڑ دے اور میں اپنی بیوی کو تیرے لئے چھوڑتا ہوں اور اس طرح وہ آپس میں بیوی بدل لیتے تھے۔

(۳) شادی کی تیسری قسم یہ تھی کہ چند مرد ایک بیوی سے مباشرت کرتے تھے اور جب اس کے بچہ

پیدا ہوتا تھا تو وہ بتا دیتی تھی کہ بچہ کا باپ ان میں سے کون ہے۔ اگر وہ خود نہ بتا سکتی تو نجویوں سے پوچھا جاتا کہ بچہ کس کے نطفے سے ہے۔

(۴) نکاح المقت بھی شادی کی ایک قسم تھا۔ یہ نکاح اپنے باپ یا بیٹے کی بیوہ سے کیا جاتا تھا۔ اس نکاح سے پیدا ہونے والا بچہ ضیٰن (Daizan) کہلاتا تھا۔ نکاح کا یہ طریقہ یہودیوں کے طریقے سے ملتا جلتا ہے۔ یہودیوں پر فرض ہے کہ اگر کسی شخص کا بھائی مر جائے اور کوئی اولاد نہ چھوڑے تو یہ شخص اپنی بھادج سے شادی کرے اور مرحوم بھائی کی نسل کو قائم رکھے۔ اس کی اولاد اس کے مرحوم بھائی کی طرف منسوب ہوگی تاکہ اس کی یاد قائم رہے جو شخص اس طرح کا نکاح کرتا ہے تو اسے عبرانی میں سیم کہتے ہیں۔ (نجویوں میں اس قسم کی شادی کا رواج ہے)۔

ہم نے ان حالات کو اس لئے بیان کیا ہے تاکہ ان کے ساتھ موازنہ و مقابلہ سے اسلام کے اصول و ضوابط کی برتری معلوم ہو جائے۔ اس موازنے سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلام کے مقابلے میں یہ ضوابط اور رسوم کس درجہ ناقص اور مکروہ ہیں۔

## باب ۱۱

## بت پرستی کی ابتدا اور بتوں کا بیان

## بت پرستی کی ابتداء

یہ بات سمجھی جانتے ہیں کہ عوام کا میلان معقول کے بجائے محسوس کی طرف ہوتا ہے اور معقولات کو صرف علماء ہی جانتے ہیں جو ہر جگہ اور ہر زمانے میں بہت کم ہوتے ہیں چونکہ عوام کو تصویروں اور عکسوں سے سکون قلب حاصل ہوتا ہے اس لئے اکثر مذاہب کے رہنما راہ حق سے ہٹ کر کتابوں اور عبادت گاہوں میں تصویریں بنانے کی طرف مائل ہو گئے مثلاً یہودی اور عیسائی اور سب سے بڑھ کر منانیہ۔ میری اس بات کی صداقت اس وقت ثابت ہو جائے گی جب کسی بے پڑھے لکھے آدمی یا عورت کو نبی یا مکہ اور کعبہ کی تصویر دکھائی جائے۔ اس تصویر کو دیکھتے ہی خوشی اور فرط عقیدت سے وہ اسے اس طرح بوسہ دیں گے اپنی آنکھوں سے لگائیں گے اور اس کے سامنے خاک پر اس طرح لوٹنے لگیں گے گویا وہ تصویر کے بجائے اصل کے سامنے کھڑے ہوں اور حج و عمرے کے مناسک ادا کر رہے ہوں۔

یہی چیز اس بات کا باعث ہوئی کہ جن لوگوں کی تعظیم کی جاتی تھی مثلاً انبیاء، اولیا اور فرشتے ان کے نام کا بت بنالیا گیا تاکہ ان کی موت کے بعد بھی ان کی یاد کو باقی رکھا جاسکے اور لوگوں کے دلوں میں ان کی تعظیم کا اثر باقی رہے لیکن جب اس بت یا یادگار کو بنے بہت زمانہ اور نسلیں بیت جاتی ہیں تو وہ اسباب و محرکات فراموش ہو جاتے ہیں مگر ان کی تعظیم کی رسم باقی رہ جاتی ہے۔ انسان کی اس فطری کمزوری سے قدیم زمانے کے اہل قانون یعنی حکمرانوں نے فائدہ اٹھایا اور بتوں کے نام پر اپنی حکومت قائم کی۔ انہوں نے عوام پر تصویروں اور بتوں کی پوجا کو فرض کر دیا جیسا کہ طوفان نورج سے قبل اور بعد کی قوموں کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔ انبیاء کی آمد سے پہلے تمام انسانوں کو ایک قوم کہنے سے یہی مراد تھی کہ بت پرستی میں یہ سب ایک قوم یا جماعت تھے۔

## پہلے بت پرستی انسانوں کے نچلے طبقے تک محدود تھی

چونکہ ہمارا مقصد ہندوؤں میں رائج بت پرستی کے نظام اور اس کے متعلق ان کے نظریات کو بیان

کرنا ہے، اس لئے ہم ان کے یہاں رائج خرافات کو بیان کرتے ہیں۔ لیکن یہ بات پہلے ہی واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ یہ ان کے بے پڑھے لکھے عوام کی باتیں ہیں اور جو لوگ نجات کے حصول کی کوشش کرتے ہیں جنہوں نے فلسفہ و دینیات کا مطالعہ کیا اور حقیقت یعنی 'سارا' کی معرفت حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ خدا کے سوا کسی اور چیز کی بالکل عبادت نہیں کرتے اور کسی بت کی پرستش کا تصور نہیں کر سکتے۔ (اس کے بعد راجا امبریشین کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو ایک عرصہ تک کامیابی سے رائج کرنے کے بعد گوشہ نشین ہو کر پوجا پاٹ میں لگ گیا تھا پھر اس کے سامنے اندر نے جلوہ گر ہو کر اس کے ایک سوال کے جواب میں اس سے کہا کہ "اگر کسی وقت تم پر انسانی بھول غالب آجائے تو جس صورت میں تم نے مجھے دیکھا ہے اس کا ایک بت بنا لو اس کے سامنے خوشبو اور پھولوں کی نذر پیش کرو۔ اس طرح تم مجھے کبھی نہ بھولو گے۔"

ہندوؤں کے مطابق بت سازی اسی وقت سے شروع ہوئی ان میں سے بعض چار ہاتھ کے ہوتے ہیں جیسا کہ ہم نے ابھی بتایا ہے اور بعض دو ہاتھ کے۔ بت کی شکل و شبہات کا انھار اس ہستی کی شکل و شبہات پر ہے جس کی پرستش مقصود ہے اور جس کی تمثال کے طور پر بت بنایا گیا ہے۔

### ملتان اور آدتیہ نامی بت

ہندوؤں کا ایک مشہور بت ملتان کا بت تھا جو سورج کے نام پر بنایا گیا تھا اور اسی نسبت سے اس کا نام آدتیہ تھا۔ یہ بت لکڑی کا بنا ہوا تھا اور اس پر سرخ رنگ کا قریبی چڑا منڈھا ہوا تھا اور آنکھوں کی جگہ دو سرخ یا قوت جڑے ہوئے تھے۔ ہندوؤں کے کہنے کے مطابق پہ پچھلے کرتاگیک میں بنایا گیا تھا۔ اگر یہ کرتاگیک کے آخر میں بھی بنا ہوتا بھی اسے بنے ہوئے دو لاکھ سولہ ہزار چار سو بیس سال گزر چکے ہیں۔ جب محمد بن قاسم ابن منبہ نے ملتان فتح کیا اور وہاں کی رونق اور دولت کے اسباب پر غور کیا تو اسی بت کو اس کا سبب پایا جس کی زیارت کے لئے لوگ ہر طرف سے کثیر تعداد میں وہاں آتے تھے۔ اس لئے اس نے اس بت کو اسی طرح رہنے دینا مناسب سمجھا لیکن اس کی توہین کے لئے اس کی گردن میں گائے کے گوشت کا ایک ٹکڑا لٹکا دیا اور وہاں پر ایک مسجد تعمیر کرا دی بعد میں ملتان پر قرامطہ کا قبضہ ہو گیا تو جلم ابن شیبان نے جو ملتان پر بزور قابض ہو گیا تھا اس بت کو توڑ ڈالا اور اس کے بچاریوں کو مار ڈالا اور اپنے محل کو جو ایک بلند جگہ پر اینٹوں سے بنایا گیا تھا پرانی مسجد کی جگہ مسجد بنا دیا۔ اس نے پرانی مسجد کو بند کر دیا جس کی وجہ بنو امیہ سے اس کا حسد اور اس کی بنائی ہوئی ہر چیز سے اس کی بے پناہ نفرت تھی۔ لیکن جب امیر محمود رحمۃ اللہ علیہ نے ان ملکوں کو قرامطہ سے بے دخل کر دیا تو پرانی مسجد میں انصوفی جمعہ کی نماز کا آغاز کیا اور دوسری مسجد کو بند کرا دیا۔ اب اس جگہ مہندی کا کھلیان قائم ہے۔

## تھامسیر کا بت چکر سوامی

تھامسیر شہر کو ہندو نہایت مقدس اور قابل احترام جانتے ہیں۔ یہاں کے بت کا نام چکر سوامی ہے یعنی بت کا مالک۔ چکر ایک تھیار ہوتا ہے۔ یہ قد آدم بت پتیل کا بنا ہوا ہے۔ اب وہ غزنی کے میدان میں سومنات کے سر کے ساتھ پڑا ہوا ہے جو مہادیو کے عضو قاتل کی شبیہ ہے جسے لنگ کہتے ہیں۔ سومنات کا حال ہم مناسب جگہ بیان کریں گے۔ ہندوؤں کے مطابق چکر سوامی کا بت بھارت کے زمانے میں اس کے نام سے منسوب لڑائیوں کی یادگار کے طور پر بنایا گیا تھا۔

## کشمیر کا شردنامی بت

کشمیر کے اندرونی علاقے میں پایہ تخت سے دو یا تین دن کی مسافت پر بولور پہاڑیوں میں لکڑی کا بنا ہوا بت شردلوگوں کی عقیدت اور زیارت کا مرکز ہے۔

## ورہ میر کی کتاب سم ہت سے اقتباسات

اب ہم کتاب سم ہت کا وہ باب نقل کرتے ہیں جو بت سازی کے متعلق ہے جس سے قاری کو اس مضمون کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔ ورہ میر نے کہا ہے کہ ”اگر دشتر تھ کے بیٹے رام یا دردن کے بیٹے بالی کا بت بنانا ہے تو اس بت کا قد ایک سو بیس انگل کا بنایا جائے اور دوسرے کے بت اس سے دسواں حصہ کم کر کے ایک سو آٹھ انگل کے بنائے جائیں۔

دشو کے بت کے آٹھ یا چار یا دو ہاتھ بنائے جائیں اور اس کے سینے سے بائیں حصے پر پری نام کی عورت کی صورت بنائی جائے۔ اگر اس کے آٹھ ہاتھ بنائے گئے تو دائیں طرف ہاتھوں میں سے ایک میں تگوار، دوسرے میں سونے یا لوہے کا عصا، تیسرے میں تیر پکڑے ہوئے اور چوتھے ہاتھ کو چلو کی حالت میں دکھایا جائے۔ بائیں طرف کے ہاتھوں میں ڈھال، کمال، چکر اور سکھ دکھائے جائیں۔ اگر دو ہاتھ کے ساتھ بنایا ہے تو دایاں ہاتھ چلو کی حالت میں دکھایا جائے اور بایاں ہاتھ سکھ پکڑے ہوئے دکھایا جائے۔

اگر نارائن کے بھائی بلد یو کا بت بنانا ہے تو اس کے کانوں میں بالیاں دکھائی جائیں اور آنکھیں شرایوں جیسی محمور بنائی جائیں۔

اگر نارائن اور بلد یو دونوں کی سورتی بنانا ہو تو ان کے ساتھ ان کی بہن بھگوتی کو بھی شامل کر لیا جائے اور اسے اس حالت میں بنایا جائے کہ اس کا داہنا ہاتھ پہلو سے کچھ ہٹا ہوا کوہے پر رکھا ہوا اور بائیں ہاتھ میں کنول کا پھول ہو۔ اگر بھگوتی کو چار ہاتھوں کے ساتھ بنایا جائے تو اس کے دائیں ہاتھ میں تسبیح ہو اور



ایک ہاتھ چلو کی شکل میں پانی لے رہا ہو اور بائیں طرف کے ہاتھوں میں سے ایک میں کتاب اور ایک میں کنول کا پھول ہو اور اگر اس کے آٹھ ہاتھ بنائے گئے ہیں تو بائیں طرف کے ہاتھوں میں کنڈل، کنول کا پھول، کمان اور کتاب دکھائی جائیں اور دائیں طرف کے ہاتھوں میں تسبیح، آئینہ، تیرہوا اور ایک ہاتھ چلو کی حالت میں ہو۔

برہما کے بت میں چاروں طرف ایک منہ ہوتا ہے اور کنول پر بیٹھی ہوئی حالت میں دکھایا جاتا ہے۔ مہادیو کے بیٹے سکند کا بت نو عمر لڑکے کی شکل کا بنایا جاتا ہے اور اس کو مور پر سوار ہاتھوں میں سکتی (دودھاری تلوار کی شکل کا ہتھیار) تھامے دکھایا جاتا ہے۔

اندر کے بت کے ہاتھ میں ہیرے کا دجر ہوتا ہے جس کا دستہ سکتی کا ہوتا ہے لیکن اس میں اور سکتی میں یہ فرق ہوتا ہے کہ اس کا قبضہ درمیان میں ہوتا ہے اور اس کے دونوں طرف تلوار ہوتی ہے۔ اندر کی پیشانی پر تیسری آنکھ دکھائی جانی چاہئے اور ان کو ایک ایسے سفید ہاتھی پر سوار کرتے ہوئے دکھایا جائے جس کے چار دانت ہوں۔ اسی طرح مہادیو کے بت کی پیشانی میں تیسری آنکھ بناؤ جو سیدھی کھڑی ہو، سر پر پہلی رات کا چاند دکھاؤ، ہاتھ میں شول (ترشول) جولاٹھی کی طرح ہوتا ہے لیکن اس میں تین شاخیں ہوتی ہیں اور تلوار ہو بایاں ہاتھ اپنی بیوی گوری (جو ہانڈت کی بیٹی ہے) کو تھامے ہو اور اس کو پہلو کی طرح سے سینے سے لگائے ہو۔

جینا یا بدھ کا بت بناتے ہوئے اس کا چہرہ اور اعضا کو امکاٹی حد تک خوبصورت بنایا جائے، اس کی ہتھیلیوں اور کندوں کی لکیروں کو کنول کی شکل کا دکھایا جائے۔ اس کے بال سفید بنائے جائیں اور چہرے پر خوشی دکھائی جائے۔ اس طرح گویا وہ خلق کا باپ ہو۔

کبیر خزانچی کا بت، سر پر تاج پہنے پیٹ بڑا پہلو پھیلے ہوئے اور انسان پر سواری کرتے ہوئے دکھایا جائے۔ سورج کے بت کا چہرہ کنول کے گودے کی طرح سرخ رنگ کا ہو اور ہیرے کی طرح چمکتا ہوا، اعضا نمایاں، کانوں میں بالے پہنے، گردن میں موتیوں کے ہار جو سینے تک لٹکے ہوئے ہوں، سر پر کنگی درجے کا تاج پہنے اور بدن پر شمال میں رہنے والے لوگوں کا ٹخنوں تک لٹکا ہوا لباس پہنے ہوئے بنانا چاہئے۔

سات ماؤں کا بت ایک ہی بنایا جائے۔ برہمانی کے چار منہ چاروں طرف ہوں، کو ماری کے چھ منہ، ویشنوی کے چار ہاتھ، واراہی کا سور کا سر اور انسان کا دھڑ، اندرانی کی کئی آنکھیں اور لاٹھی تھامے ہوئے ہاتھ۔ بھگوتی (دورگا) بیٹھی ہوئی حالت میں، کامندا کر یہہ صورت، دانت آگے کو نکلے ہوئے اور پتلی کمر، ان کے ساتھ مہادیو کے دونوں بیٹے چھتر پال کھڑے بال، چہرے پر شکنیں، بدھ صورت لیکن دوسرے بیٹے ونا تک ہاتھی کے سر اور انسان کے بدن اور چار ہاتھوں والا بنایا جائے جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا

ہے۔ ان بتوں کے آگے ان کی پوجا کرنے والی بکریوں اور بھینسوں کو کٹاروں سے ذبح کر دیتے ہیں تاکہ یہ بت ان جانوروں کے خون سے غذا حاصل کریں۔ ہر بت کے مختلف اعضا کی ناپ مقرر ہے جو بت کی انگلی کے پیمانے سے مقرر کی جاتی ہے لیکن بعض اوقات ان میں تھوڑا بہت فرق ہو جاتا ہے۔ بت بنانے والا اگر اس ناپ کو قائم رکھتا ہے اور اس میں کمی بیشی نہیں کرتا تو گناہ سے بچا رہتا ہے اور جس کا بت ہے اس کے عتاب سے بھی محفوظ رہتا ہے۔

بت کی حکمریم کا پیمانہ یہ ہے کہ وہ کس کی طرف منسوب ہے، یہ نہیں کہ اس میں کتنے ہیرے جواہرات لگے ہیں یا وہ کس چیز کا بنا ہوا ہے۔ ملتان کا بت جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں لکڑی کا تھا۔ اسی طرح وہ لنگ جس کو رام نے راکشسوں سے اپنی لڑائی کے بعد خود اپنے ہاتھ سے نصب کیا تھا، مٹی کا تھا۔ لیکن وہ اس وجہ سے پتھر میں تبدیل ہو گیا کہ اسے نصب کرنے کی مناسب گھڑی گزری جا رہی تھی اور پتھر کا جو لنگ رام نے بنانے کا حکم دیا تھا وہ ابھی تک تیار نہیں ہوا تھا۔

بت خانہ یا مندر اور اس کے گرد سائبان بنانے، ان کے لئے چار قسم کے درخت کاٹنے، بت کو نصب کرنے کی صحیح ساعت نکلوانے اور اس کی تعصیب کے وقت جو رسمیں ادا کرنی ہیں ان کے بارے میں رام نے طویل ہدایات دی ہیں جن کا ذکر بے مزہ اور بے لطف ہے۔ انہوں نے یہ بھی ہدایات دی ہیں کہ بت کے خدام اور مجاور مختلف فرقوں سے منتخب کئے جائیں مثلاً دشمنوں کے بت کے لئے بھاگوت فرقے سے، سورج کے بت کے لئے آگ یعنی بھوس فرقے سے، مہادیو کے بت کے لئے بھسوت طے ہوئے لمبی جٹاؤں والے مردوں کی ہڈیوں کی مالا پہننے والے اور تالاہوں میں تیرنے والے سادھوؤں میں سے مجاور مقرر کئے جائیں اسی طرح آٹھ ماؤں کے بت کے برہمن، بدھ کے بت کے لئے ثنائیہ اور اریہانت کے بت کے لئے لگن فرقے سے خدام مقرر کئے جائیں۔ الغرض ہر بت کے واسطے اسی قوم کے خدام مقرر ہیں جو اس بت کو بناتی ہے، ایسا اس لئے ہے کہ یہ لوگ ہی اس بت کی اچھی طرح خدمت کر سکیں گے۔

### گیتا کا اقتباس جس کے مطابق خدا کا بت نہیں بنایا جاسکتا

ان خرافات کے نقل کرنے کا مقصد قاری کو مختلف بتوں کی پہچان بتانا تھا تاکہ وہ جب کسی بت کو دیکھے تو پہچان جائے۔ اس سے یہ واضح کرنا بھی مقصود تھا کہ یہ بت بے پڑھے لکھے عوام کے لئے نصب کئے جاتے ہیں۔ کبھی کوئی بت کسی ایسی ہستی کا نہیں بنایا جاتا جو مادے سے برتر ہو چر جائے خدا کا۔ اس گفتگو کا مقصد یہ بتانا بھی تھا کہ بے پڑھے لکھے معتقدین کے جھوم کو خدام اور مجاور کس کس طرح فریب دے کر ان کے اعتقاد کو قائم رکھتے ہیں۔

(اس کے بعد گیتا کا وہ اقتباس پیش کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ خدا کا بت نہیں بنایا جاسکتا) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بت پرستی کی ابتدائی وجہ مرے ہوئے لوگوں کی یادگار قائم کرنا اور زندہ لوگوں کو تسلی دینا تھا لیکن رفتہ رفتہ وہ بڑھ کر اس فاسد اور مفسد درجے تک پہنچ گئی۔

مقلیہ (سلی) کے بتوں کے بارے میں امیر معاویہؓ نے پہلے ہی سبب کا لحاظ رکھا یعنی یہ کہ محض یادگاریں ہیں۔ جب ۵۳ ہجری کے موسم گرما میں مقلیہ فتح ہوا اور وہاں سے جواہرات کا جڑاؤ تاج پہننے سونے کے بت جب ان کے پاس لائے گئے تو حضرت معاویہؓ نے انہیں سندھ بھجوا دیا تاکہ انہیں وہاں کے راجاؤں کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے کیونکہ انہوں نے یہ سوچا کہ اس طرح ایک دینار وزنی سونے کی قیمت ایک دینار سکے سے زیادہ ملے گی اور انہوں نے دینی مصلحت کے برخلاف انتظامی اور سیاسی مصلحت کی بنیاد پر ان بتوں کی فروخت کا حکم دیا اور ان سے پیدا ہونے والے شرک سے اغماض کیا۔

## باب ۱۲

## وید پر ان اور ہندوؤں کی دوسری مذہبی کتابیں

لفظ ”وید“ کے معنی اس چیز کو جان لینا ہے جو پہلے معلوم نہ تھی۔ ہندوؤں کے نزدیک وید خدا کا کلام ہے جو برہما کے منہ سے نکلا ہے۔ برہمن اس کا مطلب سمجھے بغیر اس کو پڑھتے ہیں اور اسے زبانی یاد کر لیتے ہیں اور اسی طرح یہ ایک سے دوسرے کو منتقل ہوتا رہتا ہے۔ ان میں سے بہت کم لوگ اس کی تفسیر جانتے ہیں اور ایسے لوگ تو بہت ہی کم ہیں جن کو ویدوں کے مطالب و مفہیم اس طرح از بر ہوں کہ وہ مناظرہ میں حصہ لے سکیں۔

برہمن چھتریوں کو وید کی تعلیم دیتے ہیں لیکن چھتریوں کو یہ اجازت نہیں کہ وہ کسی کو بھی خواہ وہ برہمن ہی ہو وید پڑھائیں۔ ویش اور شودروں کو وید سننے تک کی ممانعت ہے اس کا پڑھنا اور قرات کرنا تو درکنار۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ کسی ویش یا شودر نے وید پڑھا ہے تو اسے حاکم کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور سزا کے طور پر اس کی زبان کاٹ دی جاتی ہے۔

ویدوں میں لو امر و نو امی کے علاوہ جزا اور سزا کا بھی بیان ہے تاکہ لوگوں کو اچھے کاموں کی رغبت اور برے کاموں سے پرہیز ہو۔ لیکن ان کا بڑا حصہ بھجوں اور مختلف قسم کی آگ کی قربانیوں پر مشتمل ہے جن کی تعداد اتنی زیادہ اور وہ اتنی پیچیدہ ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے۔

## وید حافظے کے ذریعے ایک نسل سے دوسری کو پہنچتے ہیں

ہندو ویدوں کو تحریر میں لانا جائز نہیں سمجھتے اس لئے کہ ان کی قرات ایک خاص لحن کے ساتھ کی جاتی ہے اور تحریر میں لحن کو برقرار نہیں رکھا جاسکتا۔ اس کے علاوہ ویدوں کو تحریر میں نہ لانے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ مبادا تحریر میں عبارت میں کوئی کمی بیشی ہو جائے یا کوئی غلطی راہ پا جائے۔ اسی طرح بارہا ایسا ہوا ہے کہ وید لوگوں کے حافظے سے محو ہو کر ضائع ہو گئے تھے۔

ہندوؤں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ گزشتہ دواپرگ (زمانے) میں جب تمام دینی اور دنیاوی رسوم میں تو ان کے ساتھ وید بھی مٹ گئے تھے۔ دواپرگ کا ذکر ہم مناسب مقام پر کریں گے۔ پر اثر کے بیٹے دیاس نے از سر نو وید کی تجدید کی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے زمانے سے کچھ قبل، کشمیر کے ایک ممتاز برہمن واسکرانے ویدوں کو تحریر میں لانے اور ان کی تفسیر قلم بند کرنے کا بیڑہ اٹھایا تھا۔ اس ڈر سے کہ کہیں لوگ وید کو بھول نہ جائیں اور یہ ان کے حافظے سے پوری طرح محو نہ ہو جائے اس نے ایک ایسا کام اپنے ذمے لیا جس سے اب تک ہر شخص کتر اتار ہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ چونکہ لوگوں کے اخلاق روز بروز بدتر ہوتے جا رہے ہیں اور لوگوں کو نیک کام تو درکنار فرائض کی ادائیگی کی بھی توفیق نہیں ہوتی اس لئے ویدوں کو ضبط تحریر میں لانا ضروری ہو گیا ہے۔

ہندوؤں کا یہ بھی خیال ہے کہ وید کے بعض اجزاء ایسے بھی ہیں جن کو عمارتوں کی اندر نہیں پڑھنا چاہئے کیونکہ اگر ایسا کیا گیا تو ڈر ہے کہ عورتوں اور جانوروں کے حمل گر جائیں گے۔ اس لئے وہ ان کو پڑھنے کے لئے کھلے میدان میں چلے جاتے ہیں۔ ویدوں کا شاید ہی کوئی اشلوک ایسا ہو جو اس قسم کی ہیبت ناکی سے خالی ہو۔

جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں ہندوؤں کی کتابیں نظم میں ہیں جو عربی کے رجز سے مشابہ ہے۔ ان میں اکثر اس بحر (وزن) میں ہیں جسے اشلوک کہا جاتا ہے۔ اس کا سبب ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں۔ لیکن وید اس مروجہ وزن میں نہیں ہیں۔ ان کا وزن اشلوک سے مختلف ہے۔ ہندوؤں کا کہنا ہے کہ اس طرح کی نظم کوئی اور نہیں لکھ سکتا لیکن ان کے علماء کہتے ہیں کہ ایسی نظم لکھی جاسکتی ہے لیکن وہ ادب کے خیال سے ایسا نہیں کرتے۔

### ویاس کے چار شاگرد اور چار وید

ایک روایت کے مطابق ویاس نے وید کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ رگ وید، یجور وید، سام وید اور اتھرونا وید۔ ان چاروں کی قرأت الگ الگ ہے۔ پہلا حصہ رگ وید، ایسے وزن میں ہے جس کو رگ کہا جاتا ہے جس کے ارکان غیر مساوی ہیں۔ اس کا نام رگ وید اس لئے رکھا گیا کہ یہ پورا کا پورا رگ وزن میں ہے۔ اس میں آگ کی قربانیوں کے احکامات ہیں اور اسے تین طرح سے پڑھا جاتا ہے۔ اس کی ایک پڑھائی تو وہ سیدھی سادی پڑھائی ہے جس طرح عام کتابیں پڑھی جاتی ہیں۔ اس کو پڑھنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہر ہر لفظ کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے۔ اس کو پڑھنے کا تیسرا طریقہ سب سے افضل مانا گیا ہے اور اسے اس طرح پڑھنے پر بہت ثواب ہے۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ پہلے اس کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا پڑھا جائے اس طرح کہ ہر لفظ صحیح طرح سے ادا ہو۔ پھر اس جملے کو اس طرح دہرایا جائے کہ اس کے ساتھ آگے کا بغیر پڑھا ہو ا جملہ بھی ملا لیا جائے۔ اس کے بعد ملائے گئے جملے کو تہا پڑھا جائے اور پھر اس جملے کو دہرایا جائے

اور آگے کا ایک اور جملہ اس میں شامل کر لیا جائے اور اسی طرح خاتے تک پڑھا جائے تاکہ ختم ہونے تک دو پڑھائیاں ہو جائیں۔

بجروید

بجروید ”کانڈن“ قسم کی نظم میں ہے۔ یہ ایک مشتق لفظ ہے جس کے معنی ”کانڈن“ کا مجموعہ ہے۔ اس کے (بجروید) اور رگ وید کے درمیان یہ فرق ہے کہ اسے اتصال اور روانی کے ساتھ سمجھی کے اصولوں کے مطابق پڑھنا ممکن ہے۔ جب کہ رگ وید کو اس طرح پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ آگ اور قربانی کے اعمال رگ وید کی طرح اس میں بھی بیان کئے گئے ہیں۔

سام وید اور اتھرونا وید

سام وید میں قربانیوں کے احکام کے علاوہ اوامر و نواہی کا بیان ہے اور اس کو گانے یا بھجوں کے انداز میں پڑھا جاتا ہے اور اس کا نام اسی لئے رکھا گیا ہے کیونکہ سام کے معنی ہیں خوش الحانی۔ اتھروید میں سمجھی کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ اس کی نظم پہلی دونوں ویدوں کی نظم سے مختلف ہے اور اس قسم کی نظم کو بھار کہتے ہیں۔ یہ تاک سے آواز نکالنے کے سے انداز میں پڑھی جاتی ہے۔ دوسرے ویدوں کے مقابلے میں اس کی طرف ہندوؤں کی توجہ کم ہے۔ لیکن اس میں بھی آگ کی قربانیوں کے علاوہ میت اور میت کے لئے جو احکام ہیں ان کو بیان کیا گیا ہے۔

پرانوں کی فہرست

پرانوں کے متعلق سب سے پہلے یہ بتادینا چاہئے کہ لفظ ”پران“ کے معنی قدیم یا ابدی ہیں۔ پرانوں کی تعداد اٹھارہ ہے اور ان میں اکثر کے نام انسانوں، جانوروں اور فرشتوں کے نام پر رکھے گئے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ لکن میں یا تو ان ہی انواع کے حالات بیان کئے گئے ہیں یا کتاب کے مضمون کا اس نوع سے کوئی تعلق ہے یا پھر ان کا دیا ہوا کسی سوالی کا کوئی جواب اس میں موجود ہے۔ پران ان انسانوں کی تصانیف ہیں جو رشی کہلاتے ہیں۔ نیچے پرانوں کی ایک فہرست دی جاتی ہے۔ پُرانوں کے ان ناموں کو میں نے معلوم کر کے لکھ لیا تھا۔

۱۔ آدی پُران یعنی سب سے پہلی

۲۔ مہا پران یعنی مچھلی

۳۔ کرما پران یعنی کچھوا

۴۔ وراہ پران یعنی سور

- ۵۔ نرسہا پران یعنی شیر کے سرو والا انسان
- ۶۔ وامن پران یعنی بونا (پستہ قد)
- ۷۔ واپو پران یعنی ہوا
- ۸۔ نندا پران یعنی مہاد یو کا خادم
- ۹۔ سکند پران یعنی مہاد یو کا بیٹا
- ۱۰۔ آدتیہ پران یعنی سورج
- ۱۱۔ سوم پران یعنی چاند
- ۱۲۔ سامباہنر ان یعنی وشنو کا بیٹا
- ۱۳۔ برہما پرن پران یعنی آسمان
- ۱۴۔ مارکنڈیہ پرن ان یعنی ایک بڑا رشی
- ۱۵۔ تارکشیہ پرن ان یعنی ہمار پرندہ
- ۱۶۔ وشنو پران یعنی نارائن
- ۱۷۔ برہما پرن ان یعنی فطرت جو دنیا کی بقا کی ذمہ دار ہے۔
- ۱۸۔ بھوشیہ پرن ان یعنی مستقبل

ان تمام پرانوں میں سے میں نے معیا، آدتیہ اور واپو کے اجزاء کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھا ہے۔

### سمرتی کتب کی فہرست

سمرتی کتاب دید سے ماخوذ ہے۔ اس میں دید سے ماخوذ اور امر و نواہی درج کئے گئے ہیں۔ اس کو برہما کے مندرجہ میں (۲۰) بیٹوں نے لکھا ہے:

(۱) اہستہ	(۲) پراشر	(۳) ساتاتپ	(۴) سمرورت
(۵) دکش	(۶) دسھ	(۷) اگنی رس	(۸) یم
(۹) وشنو	(۱۰) منو	(۱۱) بھجنا والکیہ	(۱۲) اتری
(۱۳) ہارت	(۱۴) لکھتیا	(۱۵) ساکھ	(۱۶) گوتم
(۱۷) ورہستھی	(۱۸) کاتیاہن	(۱۹) دیاس	(۲۰) اسانس

ہندوؤں کے پاس ان کتابوں کے علاوہ اپنے مذہب کے فقہ، کلام، عبادات، الہیات اور دنیا سے نجات حاصل کرنے کی بہت سی اور بھی کتابیں ہیں۔ مثال کے طور پر تپیا کرنے والے سادھو گوڑ کی کتاب جو انہیں کے نام سے مشہور ہے۔ یا الہیات کے موضوع پر کپل کی تصنیف ساکھیا یا نجات حاصل

کرنے کے موضوع پر کتاب پانچلی جس میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ روح معقولات کے ساتھ کس طرح ہم آہنگ اور متحد ہو سکتی ہے۔ یا پہلی ہی کی دوسری تصنیف 'نیائے بھاشا' جو وید کی تفسیر ہے اور جس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وید مخلوق ہیں۔ نیز وید کے مطابق فرائض و واجبات کے مختلف مدارج بھی بیان کیے گئے ہیں یا جینی کی تصنیف 'مماسا' جو اسی موضوع پر ہے۔ یا برہمتھی کی لکھی ہوئی کتاب "لوکایت" جس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ مباحث میں استدلال حواس سے کیا جانا چاہئے۔ اکتیا کی لکھی ہوئی کتاب "اکتیا مت" جس میں مرقوم ہے کہ ہمیں مباحث میں حواس اور روایت دونوں سے کام لینا چاہئے۔ کتاب دشندو دھرم: اس میں لفظ دھرم سے مراد اجریا جزا ہے لیکن جو عرف عام میں دین کے معنوں میں مستعمل ہے۔ کتاب کے معنی ہوئے خدا یعنی نارائن کا دین۔ پھر دیاس کے چھ شاگردوں کی کتابیں ہیں۔ ان چھ شاگردوں کے نام یہ ہیں۔

دیول، سکر، بھارگو، دہسپتی، یکانا والکیہ اور منو۔

ہندوؤں کے پاس ان کی علاوہ تمام علوم و فنون کی کتابیں ہیں۔ ان سب کے نام یاد رکھنا، خصوصاً ایسے شخص کے لئے جو اجنبی ہو، ناممکن ہے۔

### مہا بھارت

ہندوؤں کے پاس ایک کتاب اور ہے اور جس کی عزت و عظمت ان لوگوں کی دلوں میں اس درجہ ہے کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جو کچھ دوسری کتابوں میں ہے وہ سب اس میں موجود ہے لیکن اس کتاب میں جو کچھ موجود ہے وہ کسی دوسری کتاب میں موجود نہیں۔ اس کتاب کا نام "مہا بھارت" ہے جس کو پراشر کے بیٹے ویاس نے پانڈو اور کورو کی اولاد کے درمیان ہونے والی عظیم جنگ کے زمانے میں لکھا تھا۔ اس کتاب کا نام خود اس زمانے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس کتاب کے اٹھارہ حصوں میں ایک لاکھ اشلوک ہیں۔ اس کا ہر حصہ پڑھ لکھاتا ہے۔ ذیل میں ان پڑھوں کی فہرست درج کی جاتی ہے۔

۱۔ سچا پڑو یعنی بادشاہ کی قیام گاہ

۲۔ آرائیہ یعنی پانڈو کی اولاد کی جلا وطنی

۳۔ وراثت اس راجہ کا نام جس کے ملک میں پانڈو درو پوش تھے

۴۔ ازبگ یعنی لڑائی کی تیار

۵۔ بھیشم



- ۶۔ درونابراہمن
  - ۷۔ کرن سورج کا بیٹا
  - ۸۔ سالیہ درودھن کا بھائی یہ بڑے بہادر لوگ تھے جو یکے بعد دیگرے فوج کی قیادت سنبالنے کے بعد مارے گئے۔
  - ۹۔ گدا یعنی گرز
  - ۱۰۔ سوہتک۔ یعنی سوئے ہوئے شخص کا قتل۔ جب درون کے بیٹے اشوتھامانے پنجال شہر پر شب خون مار کر وہاں کے باشندوں کو قتل کر دیا تھا۔
  - ۱۱۔ جل پرادھیکار یعنی مردے کو چھونے سے لگنے والی نجاست سے غسل کے ذریعے پاک ہونے کے بعد مردے کے نام پر ایک ایک چلو پانی ڈالنا۔
  - ۱۲۔ استری یعنی عورت کا روٹنا بیٹنا۔
  - ۱۳۔ شانتی۔ جو چوبیس ہزار اعلیٰ لوگوں پر مشتمل ہے۔ دلوں کی کدورت کو دور کرنے کے بارے میں چار حصوں میں ہیں۔
    - (۱) راج دھرم: بادشاہوں کا دھرم یا ثواب
    - (۲) دان دھرم: یعنی صدقات کا ثواب
    - (۳) پاد دھرم: ضرورت مند اور مصیبت زدہ لوگوں کا ثواب
    - (۴) موکش دھرم: نجات یافتہ کا ثواب
  - ۱۴۔ اشومیدھ۔ اس گھوڑے کی قربانی جو فوج کے ساتھ دنیا میں گھمایا جاتا ہے۔ اس کے بعد اعلان کیا جاتا ہے کہ یہ تمام دیش اُن کے بادشاہ کی ملکیت ہیں اور جو شخص اس کو ماننے سے انکار کرے وہ مقابلے کے لئے آئے۔ اس کے لید کرنے کی جگہ پر آگ کی قربانی دینے کے لئے براہمن اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔
  - ۱۵۔ موسال۔ یعنی واسودیو کے قبیلے جادو کی باہمی خانہ جنگی
  - ۱۶۔ آشرم واس یعنی ترک وطن
  - ۱۷۔ پرستھان۔ نجات کی طلب میں ملک چھوڑنا
  - ۱۸۔ سورگار وہن۔ جنت کی طرف مراجعت
- ان اٹھارہ حصوں کے بعد چھری دس پرد کے عنوان سے ایک اور حصہ ہے جس میں واسودیو کے حالات ہیں۔

اس کتاب میں بہت سے مقامات معمول کی طرح کے ہیں جن کے بہت سے مطلب لگائے جاسکتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے اس بارے میں ہندو مندرجہ ذیل روایت بیان کرتے ہیں۔

”ویاس نے برہما سے ایک ایسا شخص مانگا جو مہابھارت کو لکھتا جائے اور ویاس لکھواتا جائے۔ برہما نے ونا یک کو یہ کام سونپا، جس کے بت کا سر ہاتھی کے سر کی شکل کا بنایا جاتا ہے اور یہ شرط کی کہ وہ بولنے میں رکے نہیں اور ویاس نے یہ شرط لگائی کہ وہی لکھے جسے وہ سمجھتا ہو۔ کتابت کے دوران ویاس ایسی عبارت درمیان میں بولتا گیا جس کو سمجھنے کے لئے کاتب غور کرنے پر مجبور ہوتا اور اس طرح ویاس کو تھوڑی دیر سنانے کا موقع مل جاتا۔

www.KitaboSunnat.com

## باب ۱۳

## صرف و نحو اور عروض کی کتابیں

صرف و نحو اور اوزان و بحر کا علم دوسرے علوم میں معاون ہوتا ہے۔ ہندو ان دونوں علوم میں سے قواعد کو فضیلت دیتے ہیں۔ وہ اسے دیا کرن کہتے ہیں یعنی کلام کو صحیح رکھنے اور تحریر و تقریر میں فصاحت و بلاغت پیدا کرنے کے اصول و قواعد۔ ہم مسلمان اس کو نہیں سیکھ سکتے کیونکہ یہ اس اصل (میری مراد زبان سے ہے) کی فرع یا شاخ ہے جو ہماری گرفت سے باہر ہے۔ اس فن کی جن کتابوں کے نام میں نے سنے ہیں وہ یہ ہیں:

آئندہ: یہ کتاب فرشتوں کے سردار اندر کی تصنیف بتائی جاتی ہے۔

چندر: یہ چندر کی تصنیف ہے جو بدھوں کے سرخ لباس پہننے والے طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔

سکت: اس کتاب کا نام اس کے مصنف کے نام پر ہے جو قبیلہ ساکتاؤں کا فرد تھا۔ لفظ ساکتاؤں اصل میں سکت ہی سے مشتق ہے۔

پاننی: اس کتاب کا نام بھی مصنف کے نام پر ہے۔

کاتنز: سروا درمن کی تصنیف ہے۔

سی دیو اورتی: اس کو سی دیو نے لکھا ہے۔

در گاوی ورتی:

ششیا ہتا ورتی: اگر بھوتی نے تصنیف کی۔

## راجا آئند پال اور اس کا اتالیق اگر بھوتی

مجھے معلوم ہوا ہے کہ اگر بھوتی ہمارے زمانے کے راجا آئند پال (جو راجا جے پال کا بیٹا ہے) کا اتالیق اور معلم تھا۔ اس نے یہ کتاب لکھ کر کشمیر بھیجی لیکن وہاں کے لوگوں نے اپنی قدامت پسندی کی وجہ سے اس کی طرف اعتنا نہیں کیا۔ اگر بھوتی نے راجا سے اس کی شکایت کی۔ راجا نے شاگردی کا حق ادا کرنے کے لئے استاد کی خواہش پوری کرنے کا وعدہ کیا اور دو لاکھ درہم نقد اور اتنی ہی قیمت کے تحفے

کشمیر بھیجے تاکہ اس کتاب کو پڑھنے والوں میں تقسیم کئے جائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب لوگ اس کتاب کی طرف دوڑ پڑے اور اس کتاب کی نقل کرنے لگے جس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ لوگ کتنے لالچی ہیں۔ بہر حال اس طریقے سے کتاب کی شہرت اور قدر بڑھ گئی۔

### قواعد کے آغاز کے بارے میں روایت

علم صرف نحو کے آغاز کے متعلق یہ لوگ یہ قصہ بیان کرتے ہیں کہ ایک راجا جس کا نام سمل داہن تھا جسے فصیح زبان میں ستواہن کہتے ہیں ایک دن ایک تالاب میں اپنی رانیوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ اس نے اپنی ایک رانی سے کہا ”موداکم دیہی“ یعنی مجھ پر پانی کی پھینٹیں نہ پھینکو۔ رانی بھی راجا نے ”موداکم دیہی“ کہا ہے یعنی میرے لئے مٹھائی لے آؤ۔ چنانچہ وہ گئی اور اس کے لئے مٹھائی لے آئی۔ جب راجا نے اس کی اس بات پر اعتراض کیا تو وہ غصہ میں راجا سے بدکلامی کرنے لگی۔ راجا کو بہت صدمہ پہنچا اور اس نے ہندوؤں کے رواج کے مطابق کھانا پینا ترک کر دیا اور گھر کے ایک کونے میں روپوش ہو گیا۔ یہاں تک کہ ایک پنڈت اس کے پاس گیا اور اسے یہ کہہ کر منایا کہ میں لوگوں کو قواعد سکھاؤں گا۔ راجا سے رخصت ہو کر یہ پنڈت مہادیو کی خدمت میں دعا کرتا اور تسبیح پڑھتا ہوا حاضر ہوا۔ مہادیو اس کے سامنے ظاہر ہوئے اور اس کو صرف نحو کے چند قواعد تعلیم کئے جیسے کہ ابوالاسود الدولی نے عربی کے لئے بنائے تھے۔ دیوتا نے پنڈت سے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ اس علم کو مزید فروغ دینے میں بھی اس کی مدد کریں گے۔ پنڈت نے راجا کے پاس واپس آ کر یہ قواعد اسے سکھائے اور اس طرح علم صرف و نحو کی ابتدا ہوئی۔

### ہندوؤں میں نظم نگاری کا میلان

صرف نحو کے بعد چند کافن ہے جو شعر کو موزوں کرنے کا علم ہے اور ہمارے عروض سے مشابہ ہے۔ ہندوؤں کے لئے یہ ایسا ضروری علم ہے جس سے وہ بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے ان کی تمام کتابیں نظم میں ہیں۔ نظم میں کتابیں لکھنے کا سبب یہ ہے کہ منظوم کتابیں آسانی سے یاد ہو جاتی ہیں اور بحث و مباحثہ کے وقت کتاب کو دیکھنے کی ضرورت شاذ و نادر ہی پڑتی ہے ورنہ بیشتر حافظے سے کام چل جاتا ہے۔ ہندوؤں کے مطابق انسان کا ذہن ان چیزوں کی طرف زیادہ میلان رکھتا ہے جن میں نظم و آہنگ ہو اور ایسی چیزوں سے اجتناب کرتا ہے جن میں نظم و ترتیب نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر ہندو اپنی نظم کے گرویدہ و شیدا ہوتے ہیں اور ہر وقت انہیں سنانے کے خواہش مند رہتے ہیں حالانکہ ان کا مطلب نہیں سمجھتے اور حاضرین بھی تالیاں اور چنگیاں بجا بجا کر خوب داد دیتے ہیں۔ انہیں نثر کی طرف بالکل رغبت نہیں حالانکہ اس کو سمجھنا کہیں زیادہ آسان ہے۔

ان کی اکثر کتابیں اشلوکوں کے انداز میں ہیں اور جن کی ہم آج مشق کر رہے ہیں اور اقلیدس اور بحسلی کا ترجمہ ہندوؤں کے لئے نظم کر رہے ہیں اور اسطرلاب کی تیاری کے بارے میں ایک رسالہ لکھوا رہے ہیں تاکہ یہ لوگ ان علوم سے واقف ہو جائیں۔ جب ہندوؤں کو کوئی ایسی کتاب ملتی ہے تو وہ اس کی عبارت کو فوراً اشلوکوں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ ان اشلوکوں کا مطلب آسانی سے سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ ضرورت شعری کی وجہ سے اس میں تکلف اور تصنع پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کو ہم ان کے اٹھ او کے ذکر کے موقع پر زیادہ وضاحت سے بیان کریں گے۔ جب وہ ان مطالب کو اچھی طرح نظم نہیں کر سکتے تو لوگ ان کو قہراً لود نظروں سے دیکھتے ہیں کہ یہ کیا نثر نما نظم گھڑ کر رکھ دی ہے اور بے چارہ مصنف اپنا سامنہ لے کر رہ جاتا ہے۔ میں ان کے بارے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اللہ اس میں میرے ساتھ انصاف کرے گا۔

**فن عروض کی کتابیں**

اس فن کو پنگل اور چلت نے ایجاد کیا۔ اس مضمون پر متعدد کتابیں موجود ہیں۔ انہیں سب سے زیادہ مشہور کتاب ”گئے سنت“ ہے جو اپنے مصنف کے نام پر ہے۔ یہ کتاب اتنی مشہور ہوئی کہ علم عروض کا نام بھی یہی پڑ گیا۔ دوسری کتابوں میں پنگل کی ”مرگالچنا“ اور اولیانہ کی کتاب بھی بہت مشہور ہیں۔ میں نے ان میں سے کسی کتاب کو نہیں دیکھا اور نہ ”برہاسدھانت“ کے اس باب سے واقف ہوں جو اس فن سے متعلق ہے۔ اس لئے میں ان کے عروض کے قوانین سے واقف ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ بایں ہمہ جو تھوڑا بہت علم اس مضمون کا ہم کو ہے اس سے کام لے کر ہم اس پر گفتگو کرتے ہیں اور پورا علم حاصل کرنے کے انتظار میں اس مضمون کو آگے کے لئے نہیں اٹھا رکھیں گے۔

ارکان (گن چھند) کے شمار کرن میں یہ لوگ بھی ساکن اور متحرک کی وہی صورتیں استعمال کرتے ہیں جو خلیل ابن احمد اور ہمارے دوسرے عروضیوں نے بتائی ہیں اور یہ علامتیں ہیں۔ ا۔ اور لو۔ اول الذکر لگھو یعنی خفیف ہے اور آخر الذکر ”گرو“ یا ثقیل ہے۔ ”گرو“ کو ”لگھو“ کا دو چند شمار کیا جاتا ہے یعنی ایک ثقیل کی جگہ دو خفیف سے پوری ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ ایک رکن طویل یا لانبا ہے جس کو ”درگھا“ کہتے ہیں اور جو ایک ”گرو“ کے برابر ہیں۔ اس رکن میں ایک طویل حرکت ہے جیسے ”کا“ کی ”کو“۔

ہم اب تک خفیف اور ثقیل کا حال ایسے یقین کے ساتھ نہیں سمجھ سکے ہیں کہ عربی میں اس کی مثال بتلا سکیں۔ لیکن ظن غالب یہ ہے کہ پہلا یعنی خفیف ساکن نہیں ہے اور دوسرا متحرک اور ساکن کا مجموعہ ہے جیسا کہ ہمارے عروض میں سبب ہے۔ یہ لوگ کئی خفیف کو ایک جگہ جمع کر دیتے ہیں جبکہ عرب دوسرا ساکن کو ایک جگہ جمع نہیں کرتے جبکہ دوسری زبانوں میں ایسا ممکن ہے۔

اگرچہ ابتداء میں ساکن حرف کا تلفظ مشکل ہے لیکن ہندوؤں کے زیادہ تر اسما کی ابتداء ایسے حروف سے ہوتی ہے جو اگر ساکن نہیں تو خفیف ضرور ہیں۔ اگر شعر کا پہلا لفظ ایسا ہوتا ہے تو وہ اس کو شمار نہیں کرتے کیونکہ گرو کی شرط یہ ہے کہ اس کا ساکن پہلے نہ آئے بلکہ بعد میں آئے۔

پھر جس طرح ہمارے ہاں افاعیل سے مختلف بحریں مرتب کر لی گئی ہیں جن کے مطابق شعر کہا جاتا ہے اور ان کے ساکن اور متحرک کے لئے نشانات مقرر کر لئے ہیں اسی لئے ہندوؤں نے بھی ارکان بحر کے لئے کچھ نام مقرر کر لئے ہیں جن کی بنیاد لگھو اور گرو کی تقدیم و تاخیر پر رکھی گئی ہے لیکن ان کے ہاں ارکان کی تعداد کی کمی بیشی کے باوجود وزن ہمیشہ ایک ہی رہتا ہے۔ یعنی ہر وزن کے لئے ایک مقررہ ناپ یا پیمائش ہے جس میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں ہوتی۔ البتہ حروف کی تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اس ناپ کے مطابق لگھو ایک ماتر اور گرو دو ماتر کے برابر ہے۔ لکھے ہوئے حروف کی تعداد نہیں بلکہ ان کے پیمانے یا ناپ کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ جس طرح عربی میں تشدید یا تونین میں دو دو حرف شمار ہوتے ہیں جبکہ لکھا ایک ہی جاتا ہے۔

لگھو اور گرو کے الگ الگ متعدد نام ہیں۔ لگھو کا نام لا، کلی، روپ، کامر اور گرہ بھی ہے۔ اسی طرح گرو کو گا، نیورا اور اردھ اسمک بھی کہتے ہیں۔ اردھ اسمک کا مطلب یہ ہے کہن پورن اسمک دو گرو کے مساوی ہوتا ہے۔ یہ نام عروض کی کتابوں میں نظم کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں۔ ان ناموں کی اتنی زیادہ تعداد اسی لئے رکھی گئی ہے کہ اگر ایک نام بحر میں نہ آتا ہو تو اس کی جگہ دوسرا نام نظم کر دیا جائے۔

(اس کے بعد رکن کی تعریف بیان کی ہے اور ہری بھٹ کی لغت کی کتاب سے متعلقہ اقتباسات پیش کئے ہیں)۔

پد

جس طرح عربی اشعار دو نصف میں منقسم ہوتے ہیں یعنی عروض اور ضرب، اسی طرح ہندی اشعار بھی دو حصوں میں ہوتے ہیں اور ہر حصے کو پد کہا جاتا ہے۔ ہر شعر کو تین یا چار پد میں تقسیم کیا جاتا ہے لیکن بعض اوقات درمیان میں پانچواں پد بھی بڑھا دیا جاتا ہے۔ پدوں میں قافیہ کا التزام نہیں ہوتا لیکن پہلے پد اور دوسرے پد کا آخری لفظ ایک ہی حرف ہوتا ہے۔ اسی طرح تیسرے اور چوتھے کا بھی اور یہ ایک طرح کا قافیہ ہی معلوم ہوتا ہے اور اسے آر یہ کہتے ہیں۔ پد کے آخر میں لگھو کو رگھو میں بدلا جاسکتا ہے اگرچہ عام طور پر پد کا خاتمہ لگھو پر ہی ہوتا ہے۔

ہندوؤں کی منظوم کتابوں میں متعدد بحریں ملتی ہیں، جس بحر میں پانچ پد ہوتے ہیں اس میں پانچواں پد تیسرے اور چوتھے پد کے درمیان رکھا جاتا ہے۔ بحروں کے نام ارکان کی تعداد کے مطابق مختلف

ہوتے ہیں، اس لئے کہ ہندو اس امر کو پسند نہیں کرتے کہ نظم کے تمام اشعار ایک ہی بحر میں ہوں۔ وہ ایک ہی نظم میں مختلف بحریں لاتے ہیں تاکہ ان کی نظمیں ایک مرصع ریتمی پارچے کی طرح رنگارنگ کے نقش و نگار سے آراستہ نظر آئیں۔

(اس کے بعد پدوں کی رکن شاری کا جو فرق عربوں اور ہندوؤں میں ہے اس کو بیان کیا ہے)۔  
میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور اب دوبارہ کہتا ہوں کہ میں اس فن کو اس حد تک نہیں جانتا کہ اس کو پوری طرح بیان کر سکوں لیکن بہر حال اس کو بیان کرنے کی امکانی کوشش کرتا ہوں۔

ورت کے بیان میں جس میں چار پد ہوتے ہیں

ایسی چار پد کی نظم جس کے حروف کی تعداد اور نشانات باہم مشابہ ہوں اور پدوں میں یک گونہ مشابہت ہو اس طرح کہ اگر ایک پد معلوم ہو جائے تو دوسرے تمام پد بھی معلوم ہو جائیں، ورت کہلاتی ہے۔ اس نظم میں یہ جائز نہیں کہ کسی پد کے حروف چار سے کم ہوں کیونکہ وید میں کوئی پد اس سے کم یا چھوٹا نہیں آیا ہے۔ اس وجہ سے پد کے حروف کی تعداد کم سے کم چار اور زیادہ سے زیادہ چھبیس رکھی گئی ہے۔ نتیجہ میں ورت بحر کی ۲۳ اقسام موجود ہیں جن کی تفصیل یہاں بیان کی جاتی ہے۔

(اس کے بعد المیرونی نے ورت کی ۲۳ قسموں کو بیان کیا ہے)

ہم نے اس قدر محنت اس لئے کی ہے کہ اشلوک کے قواعد و ضوابط کی تفہیم ہو جائے کیونکہ ہندوؤں کی بیشتر کتابیں اشلوکوں کے طرز پر ہی ہیں۔

اشلوک کا نظریہ

اشلوک چار پد کی نظم ہے جس کے ہر پد میں آٹھ حروف ہوتے ہیں جو ہر پد میں مختلف ہوتے ہیں۔ ہر پد کا آخری حرف ایک ہی سائینی گرو ہوتا ہے۔ ہر پد کا پانچواں حرف لگھو اور چھٹا گرو ہوتا ہے۔ باقی حروف مصنف کی صوابدید یا ضرورت شعری کے مطابق ہوتے ہیں۔

(اس کے بعد برہم گیتا سے اقتباس پیش کیا ہے جس سے معلوم ہوا ہے کہ ہندو اپنے شعری نظام میں حساب سے کس طرح کام لیتے ہیں۔ اقتباس کے آخر میں المیرونی نے اس بات پر اظہار افسوس کیا ہے کہ اسے مذکورہ بالا رسالے کا صرف ایک ہی صفحہ مل سکا۔ حاشیہ پر یہ بھی لکھا ہے کہ ”میرے خیال کے مطابق یونانیوں کا نظام شعر بھی ہندوؤں سے ملتا جلتا ہے۔“)

## باب ۱۴

## ہندوؤں کے دوسرے علوم، نجوم وغیرہ کی کتابیں

ہندوؤں کے علوم کی تعداد بہت زیادہ ہے اور جب ان علوم کی ترقی کے زمانے میں عوام الناس کی توجہ ان علوم کی طرف ہوتی ہے تو اس میں مزید اضافہ اور ترقی ہو جاتی ہے۔ لوگ ان علوم اور ان کے عالموں کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور ان میں سب سے زیادہ حصہ ارباب حکومت کا ہے کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو عالموں کو ضروریات زندگی کی فکر سے چھٹکارا دے سکتے ہیں اور عالموں کو ان علوم کی ترقی اور فروغ کی کوششوں میں یکسوئی سے لگ جانے کی سہولتیں فراہم کرتے ہیں کیونکہ علم کا حصول انسان کی سرشت میں داخل ہے۔

ہمارا زمانہ علم کی ترقی کا زمانہ نہیں بلکہ ایک طرح سے اس کے بالکل برعکس ہے۔ یہ زمانہ ایسا نہیں کہ کوئی نیا علم پیدا ہو یا کوئی نئی تحقیق سامنے آئے اور اس وقت جو تھوڑا بہت علم موجود ہے وہ گزرے ہوئے زمانے کی بچی کھچی یادگار ہے۔

جب دنیا میں کوئی علم یا نظریہ عام ہوتا ہے تو ہر قوم اس سے فائدہ اٹھاتی ہے اور اس میں اپنا حصہ پاتی ہے۔ ہندوؤں کو بھی ان علوم میں حصہ ملا ہے۔ زمانے کی الٹ پھیر کا ان کا نظریہ کوئی بہت بڑی بات نہیں بلکہ مشاہدے کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے۔

## سدھانت کا بیان

علم نجوم ہندوؤں میں سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوؤں کے مذہبی معاملات کا علم، نجوم سے متعلق ہے۔ ان میں جو شخص نجوم بننا چاہتا ہے اس کے لئے صرف نجوم جان لینا کافی نہیں، رمل سے واقفیت بھی ضروری ہے۔ مسلمانوں میں جو کتاب ”سدھنت“ کے نام سے مشہور ہے اس کا اصلی نام ”سدھانت“ ہے جس کے معنی ہیں مستقیم یعنی جو کجی اور تعمیر سے پاک ہو۔ وہ علم نجوم کی ہر معیاری کتاب کو ”سدھانت“ کے نام ہی سے پکارتے ہیں۔ ان میں بعض ایسی کتابیں بھی شامل ہیں جن کا مرتبہ ہمارے زچ سے کم ہے۔ ان کے نزدیک سدھانت پانچ ہیں:

۱۔ سور یہ سدھانت: یعنی سورج کا سدھانت جو لٹا کا تیار کر دہ ہے۔

۲۔ وسٹھ سدھانت: یہ بنات العرش کے ایک ستارے کی طرف منسوب ہے اور وشنو چندر کا تیار



کیا ہوا ہے۔

۳۔ پلسا سدھانت: اس کا نام پولس نامی ایک یونانی کے نام پر ہے جو سمیتر اشہر کا رہنے والا تھا۔ میرے خیال میں سمیتر اسکندریہ کا نام تھا۔ یہ سدھانت پولس کا تصنیف کردہ ہے۔

۴۔ روم کا سدھانت: اس کا نام ”روم“ کے نام پر ہے جس سے مراد سلطنت روم کے باشندے ہیں۔ اس کو سری شن نے تیار کیا ہے۔

۵۔ برہما سدھانت: اس کا نام برہما کے نام پر ہے اور اسے جشٹو کے بیٹے برہم گپتا نے بھلامالا کے مقام پر تیار کیا تھا۔ یہ مقام ملتان اور انہلو اڑہ کے درمیان آخر الذکر سے ۶۶ یو جتا کی مسافت پر ہے۔

ورہ میر نے چھوٹے حجم کی ایک زچج مرتب کی ہے۔ اس کا نام پنج سدھانت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں مذکورہ بالا پانچوں سدھانتوں کا نچوڑ شامل ہے لیکن ایسا نہیں ہے اور نہ یہ ان پانچوں سے بہتر اور صحیح تر ہے۔ اس لئے اس نام کا صحیح مطلب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ سدھانت کی تعداد پانچ ہے۔ مجھے اب تک پولسا اور برہما گپتا کی کتابوں کے علاوہ دوسری کتابوں میں سے کوئی بھی نہیں ملی ہے۔ میں نے ان کا ترجمہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ میں یہاں برہما سدھانت کے ابواب کی فہرست درج کرتا ہوں کیونکہ یہ مفید اور معلوماتی ہے۔

برہما سدھانت کے ۲۴ ابواب کی فہرست:

- (۱) زمین کی ماہیت اور آسمان وزمین کی شکل
- (۲) ستاروں کی گردش، وقت کا حساب یعنی مختلف طول البلد اور عرض البلد کے اوقات کا حساب لگانا، سیاروں کے وسطی مقامات اور قوسوں کے جیوب معلوم کرنا۔
- (۳) سیاروں کے مقامات کی تصحیح۔
- (۴) تین مسائل کا بیان یعنی سائے کو معلوم کرنا، دن کے گزرے ہوئے حصے کا پتہ چلانا اور طالع کو دریافت کرنا اور ایک کی بنیاد پر دوسرے کا پتہ چلانا۔
- (۵) سورج کی کرنوں سے دور ہو کر ستاروں کا ظاہر ہونا اور سورج کی روشنی میں نظروں سے اوجھل ہو جانا۔

(۶) رویت ہلال اور اس کے دونوں قرن۔

(۷) چاند گرہن۔

(۸) سورج گرہن۔

(۹) چاند کے سائے کا بیان۔

(۱۰) ستاروں کا اجتماع اور ملاپ۔

(۱۱) ستاروں کا عرض البلد۔

(۱۲) کتابوں اور زائچوں کے مضامین کو جانچنا اور ان کے صحیح اور غلط ہونے کا اندازہ لگانا۔

(۱۳) حساب کتاب اور پیمائش میں حساب سے کام لینا۔

(۱۴) سیاروں کے وسطی مقامات کا تعین۔

(۱۵) سیاروں کے مقام کا صحیح تعین۔

(۱۶) تین سوالوں (باب ۲) کا صحیح تعین۔

(۱۷) گرہن کے انحرافات۔

(۱۸) رویت ہلال اور اس کے دو قرونوں کی علمی توجیہ۔

(۱۹) کٹ کا، یعنی پینا۔ کسی چیز کی صحت کے بارے میں یقین حاصل کرنے کو تلوں کو پیش کر تلوں

نکالنے سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی ہر کام میں انتہائی وقت نظر سے کام لینا۔ اس باب میں الجبرا اور دوسرے متعلقہ مضامین کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ریاضی سے متعلق بھی بہت سی مفید معلومات

اس باب میں موجود ہیں۔

(۲۰) سائے کا بیان۔

(۲۱) شعر کے اوزان کا حساب۔

(۲۲) گردشیں اور ان کے مشاہدے کے آلات۔

(۲۳) وقت اور وقت کے چار پیمانے شمسی، طلوعی، قمری اور منزلی۔

(۲۴) اعداد کی علامتیں جو منظوم کتابوں کے ارقام میں استعمال ہوتی ہیں۔

مصنف کے بیان کے مطابق کتاب میں مندرجہ ذیل چوبیس ابواب ہونا چاہئیں تھے لیکن کتاب میں

ایک پچیسواں باب بھی ہے جس کا نام دھیان گرہ ادھیائے ہیں جن میں ان مسائل کو حساب کے ذریعے

نہیں قیاس و فکر کے ذریعے حل کیا گیا ہے۔ میں نے اس بات کو اس فہرست میں اس لئے شامل نہیں کیا

ہے کہ مصنف کے پیش کردہ مزمومات حساب سے غلط ثابت ہو جاتے ہیں۔ میرے خیال میں مصنف

نے اس باب میں جو کچھ لکھا ہے وہ نجوم کے طریق کار کے برعکس، عقلی گدوں سے تعبیر کئے جاسکتے ہیں

کیونکہ اس فن کا کوئی مسئلہ بھی ریاضی کے بغیر حل نہیں کیا جاسکتا۔

## تانترا اور کرن کی کتابیں

جو کتابیں سدھانت کے معیار پر پوری اترتیں ان کو تانترا یا کرن کہا جاتا ہے۔ تانترا اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی عامل کی ماتحتی میں کام کرے۔ ”کرن“ کے معنی اتباع کرنے والا ہے۔ یعنی یہ کتابیں سدھانت کی پیروی کرتی ہیں اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان کتابوں کے مصنف جو آچاریہ یعنی عالم و زاہد لوگ ہیں برہما کے تابع ہیں۔

آریہ بھٹ اور بل بھدر کے لکھے ہوئے دو مشہور تانترا ہیں۔ برہما گیتا کا تانترا جس کا نام ”کرانا کھاٹ کھا دیہ کا“ اس کے علاوہ ہے۔ کھاٹ ایک قسم کی شکر کو کہتے ہیں۔ اس کتاب کا یہ نام کیوں رکھا گیا اس کے بارے میں میں نے یہ سنا ہے: سگر یو بدھ نے ایک زچ بنایا جس کا نام ڈھمی ساگر یعنی دی کا سمندر رکھا، اس کے ایک شاگرد نے بھی ایک زچ بنایا اور اس کا نام ”کرابایا“ یعنی چاول کا پہاڑ رکھا۔ اس کے بعد اس نے ایک اور رسالہ تصنیف کیا اور اس کا نام ”لون مشتی“ یعنی مٹی بھر نمک رکھا۔ اس لئے برہما گیتا نے اپنی کتاب کا نام مٹھائی کے نام پر رکھا تا کہ کھانوں کی فہرست مکمل ہو جائے۔ ”کرانا کھاٹ کھا دیہ کا“ میں آریہ بھٹ کے اصول کی ہی ترجمانی کی گئی ہے۔ اس کے بعد برہما گیتا نے ایک اور کتاب ”اترا کھاٹ کھا دیہ کا“ لکھی جو ”کھاٹ کھا دیہ کا“ کی شرح ہے۔ پھر ایک اور کتاب لکھی جس کا نام ”کھاٹ کھا دیہ کا ٹپا“ ہے جس کے متعلق مجھے وثوق ہے نہیں معلوم کہ یہ برہما گیتا ہی کی تصنیف ہے یا کسی اور کی۔ اس میں ”کھاٹ کھا دیہ کا“ کے اعداد اور ریاضی کے دوسرے علموں کی توجیہ و تشریح بیان کی ہے۔ میرے خیال میں یہ ”بل بھدر“ کی تصنیف ہے۔

اس کے علاوہ ایک زچ بنارس کے وجیانندن مفسر کی بھی ہے جس کا نام کرانا تلک یعنی کرانوں کی پیشانی کی چمک ہے۔ ایک اور زچ بھلوت (مہدت) کے بیٹے یعنی ناگپور کے ویتھور کی تصنیف کردہ بھی ہے جس کا نام ”کرانا سار“ یعنی کرانا سے مستنبط ہے۔ ایک اور تصنیف ”کرانا پارا تلک“ ہے اس کے ذریعے ایک سیارے کے مقام کا پتہ دوسرے سیارے کے مقام سے لگایا جاسکتا ہے۔ اس کا مصنف ”بھانویاس“ ہے۔

اتپالا کشمیر کی بھی ایک کتاب اس موضوع پر ہے۔ اس کا نام ”راہن راکرن“ ہے یعنی کرن کو توڑنے والی اور دوسری کتاب ”کرن پات“ یعنی کرن کا قتل ہے۔ پھر ایک کاب ”کرن چوڑا منی“ ہے لیکن اس کے مصنف کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ اس موضوع پر اور بھی کتابیں ہیں مثلاً عظیم مانس جو منو کی تصنیف ہے اور جس کی شرح اتپالا نے لکھی ہے۔

”چھوٹا ناس“ جو اول الذکر کی تلخیص ہے پنکالا (?) سے منسوب ہے۔

”دساگی نکا“ مصنفہ آریہ بھٹ اور اسی مصنف کی ”آریا ساستا“

”لوکانند“ جو اپنے مصنف کے نام پر ہے۔

”بھتیلا“ برہمن بھتیلا کی تصنیف ہے۔

اس قسم کی کتابوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ شمار سے باہر ہے۔

## رمل کی کتابیں

رمل کی کتابوں میں مندرجہ ذیل مصنفین کی سمجھا میں ہیں۔

مانڈویا پراشر، گرگا، برہمن، رمل بھدر دویاتو، ورہ میر ”سمبھا“ سے مراد ایسے مجموعے ہیں جن میں تھوڑا تھوڑا بیان ہر فن کا ہو مثلاً سفر کے بارے میں پیش گوئیاں، سلطنتوں کے عروج و زوال کے بارے میں پیش گوئیاں، مسعودنخوس کی پہچان، ہاتھ کی لکیروں کو دیکھ کر مستقبل کے بارے میں حکم لگانا، خوابوں کی تعبیر اور پرندوں کی اڑان اور آوازوں سے شگون لینے کے احکام۔ ہندوؤں کے علماء ان چیزوں پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کے نجومیوں کا یہ دستور ہے کہ وہ ان سمجھوں میں دنیا میں ہونے والے واقعات کا علم اور سیاروں کے اثرات کا علم ایک ہی جگہ جمع کر دیتے ہیں۔

اسی طرح مندرجہ ذیل مصنفوں میں سے ہر ایک نے جاتکاؤں یا زائچوں پر بھی کتابیں لکھی ہیں۔

پراشر، ستیہ، منٹھا، جیواسرمن، یونانی منو۔

ورہ میر نے اس موضوع پر دو کتابیں لکھی ہیں۔ ایک بڑی اور ایک چھوٹی۔ رمل بھدر نے بڑی کتاب کی شرح لکھی ہے اور چھوٹی کتاب کو میں نے عربی میں ترجمہ کیا ہے۔ ورہ میر کی بعض اور چھوٹی کتابیں بھی ہیں مثلاً شت پنکاسکا جس میں نجوم کے مسائل پر چھپن ابواب ہیں اور ”ہوراپنکا ہوتریاز“ (?) یہ بھی اسی موضوع پر ہے۔ ”یوگایاترا“ میں سفر کی مبارک ساعتوں اور دوسرے احکام ہیں ”نکائی یاترا“ بھی اسی موضوع پر ہے، ”دواہ تپالا“ میں شادیوں کے احکام ہیں۔ عمارتوں کے متعلق بھی ایک کتاب ہے..... (کذا) ”سرودھو“ میں چڑیوں کی اڑانوں اور آوازوں سے شگون لینا اور کتاب میں سوئی چھوکر فال لینے کا بیان ہے۔ اس کتاب کے تین مختلف نسخے ہیں۔

## طب کی کتابیں

علم طب کا مرتبہ بھی علم نجوم کے برابر ہے لیکن فرق یہ ہے کہ نجوم کو ہندوؤں کے مذہب میں بھی بڑا دخل ہے۔ علم طب میں ہندوؤں کے پاس ایک کتاب ہے جو اپنے مصنف ”چرک“ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ لوگ اس کتاب کو اپنی تمام طبی کتابوں سے افضل مانتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ چرک گزشتہ دو

اُڑیگ (زمانے) میں ایک رشی تھا جس کا نام اگنی ویش تھا۔ اس کا نام چرک اس وقت پڑا جب اس نے سوتر کی اولاد میں سے چند رشیوں سے طب کا علم سیکھ لیا۔ ان رشیوں نے یہ علم اندر سے سیکھا تھا اندر کو دیویوں کے طبیب اسون سے اور اسون کو پر جاتی یعنی برہما سے حاصل ہوا تھا جو انسانوں کے جد ہیں۔ برہما کے شہزادوں کی تعلیم کے لئے اس کتاب کا عربی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

پنج تنتر

ہندوؤں نے اور بھی بہت سے علوم و فنون میں کمال حاصل کیا ہے اور ان کے یہاں ان علوم و فنون کی بے شمار کتابیں ہیں۔ لیکن میں اپنی کم علمی کے باعث ان سے واقفیت حاصل نہیں کر سکا۔ میری خواہش ہے کہ کاش میں کتاب پنج تنتر کا ترجمہ کر سکتا۔ یہ کتاب ہم لوگوں میں ”کلیلہ و دمنہ“ کے نام سے مشہور ہے۔ متعدد زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے جیسے عربی، فارسی اور ہندی میں لیکن یہ ترجمے ایسے لوگوں نے کیے ہیں جن میں متن میں تحریف کر دینے کا قوی شہ ہے۔ مثلاً عبداللہ ابن مقفع نے اس میں برزویہ کا باب محض اس لئے بڑھا دیا تا کہ کمزور عقیدے کے لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا ہو جائیں اور ان کو منشاۃ عقائد اختیار کرنے کی دعوت دی جاسکے۔ جب اس نے اپنی طرف سے اضافہ کرنے تک سے گریز نہیں کیا تو متن میں تحریف کر دینا تو اس کے مقابلے میں ایک معمولی سی بات ہے۔

## باب ۱۵

## ہندوؤں کے اوزان اور پیمانوں کا بیان

تاکہ کتاب میں مذکور پیمائشوں کے سمجھنے میں آسانی ہو

### ہندوؤں کا تولنے کا طریقہ

گننا انسان کے لئے ایک طبعی امر ہے۔ کسی چیز کی مقدار اس طرح ہوتی ہے کہ اسے اسی طرح کی دوسری چیز، جسے عام منظوری سے اکائی سمجھ لیا گیا ہو، کے مقابلے میں رکھا جائے۔ اس طرح اس چیز اور دوسری چیز کے مابین جو فرق ہے وہ معلوم ہو جائے گا۔

تولنے سے وزن دار چیزوں کے قفل کے مدار یعنی وزن کا اندازہ ڈھٹی کے سیدھے رہنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔ ہندوؤں کو ترازو کی بہت کم ضرورت پڑتی ہے کیونکہ ان کے درہموں کا شمار عدد سے ہوتا ہے وزن سے نہیں اور ان کے پیسے بھی گن کر بتائے جاتے ہیں کہ ان کے اتنے ”فلو“ ہوئے لیکن ان درہموں اور دوسرے سکوں کی شناخت ہر شہر میں الگ الگ ہے۔ ہندو سونے (Gold) کو صرف اس وقت تولتے ہیں جب وہ اپنی طبعی حالت میں ہو یا پھر زیوروں اور برتنوں کی شکل میں ہو۔ لیکن اگر وہ سکوں کی شکل میں ہو تو اس کو تولانا نہیں جاتا۔ سونے کے وزن کے لئے ہندو جو پیمانہ استعمال کرتے ہیں اسے ”سورن“ کہتے ہیں ایک سورن ۷۷ تولے کے برابر ہوتا ہے۔ ہندو تولے کا استعمال اسی کثرت سے کرتے ہیں جس طرح ہم لوگ ”مثقال“ کا۔ ہندوؤں سے مجھے جو کچھ معلوم ہوا ہے اس کے مطابق ایک تولہ ہمارے ان تین درہموں کے برابر ہے جن کے دس درہم سات مثقال کے ہوتے ہیں۔ اس حساب سے ان کا ایک تولہ ہمارے ۱۰/۱۱ ام مثقال کے برابر ہوتا ہے۔ تولے کے بڑے اجزاء ماشہ ہیں۔ ایک تولے میں بارہ ماشہ ہوتے ہیں اور ایک سورن سولہ ماشہ کا ہوتا ہے۔

مزید ماشہ برابر ہے ۱۲ انڈی (ارنڈ) کے جو گورتائی چیز کا بیج ہے۔

پوا جو کے	۴	انڈی برابر ہے
کل کے	۶	پوا برابر ہے
پاڑ کے	۴	کل برابر ہے
مدری (?) کے	۴	پاڑ برابر ہے

چوں کہ تول کی یہ اکائی حقیقی ہے بلکہ عام منظور سے مقرر کر لی گئی ہے۔ اس لئے اس کو عملی اور قیاسی طور پر مزید اجزاء میں بھی تقسیم کر لیا جاتا ہے۔ اس کے اجزاء ایک ہی زمانے میں مختلف مقامات پر الگ الگ ہوتے ہیں اور ایک ہی ملک میں مختلف زبانوں میں مختلف اجزاء رائج رہے ہیں۔ پھر مختلف مقامات میں کبھی زبان میں ہونے والی تبدیلیوں کی وجہ سے اور کبھی محض اتفاقاً ان کے نام بھی بدلتے رہتے ہیں۔ سومنات کے اطراف کے ایک شخص نے مجھے بتایا کہ ان کا مشقال ہمارے مشقال کے برابر ہے۔

ایک مشقال = ۸ رواد = ایک یوا = دو پل

ایک پل = ۱۶ یوا (یعنی جو کے دانے)

چنانچہ ایک مشقال = ۸ یوا = ۱۶ پل = ۲۵۶ یوا

(اس سلسلے میں ورہ میر اور چرک سے اقتباسات پیش کئے ہیں اور اول الذکر نے بتوں کی جو ناپ اور پیمائش مقرر کی ہیں ان کا ذکر کیا ہے)۔

### ہندوؤں کا ترازو

ہندو جس ترازو کو چیزوں کا وزن کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں، وہ قرسطیوں (Charistones) کی قسم کے ہوتے ہیں جن میں وزن کا پلڑا غیر متحرک ہوتا ہے اور وہ پلڑا جس پر وہ چیز رکھی جاتی ہے حرکت کرتا ہے۔ اس کے ابتدائی تول ایک سے پانچ تک کا وزن بناتے ہیں اور اس کے بعد دس دس بڑھتا جاتا ہے یعنی ۱۰، ۲۰، ۳۰ وغیرہ ہندوؤں کے یہاں ایک باٹ کو بھار کہا جاتا ہے۔ اس کا ذکر سندھ کی فتوحات کے بیان میں آتا ہے۔ ایک بھار دو ہزار پل کے برابر ہوتا ہے کیونکہ ایک بھار ۲۰۰ پل کا سو گنا (۲۰۰ x ۱۱۰) ہوتا ہے جو تقریباً ایک نیل کا بوجھ ہوتا ہے۔ ہندوؤں کے اوزان کے متعلق مجھ کو اتنا ہی معلوم ہو سکا ہے۔

### خشک چیزوں کا ناپ

ناپ کے ذریعے چیزوں کا حجم معلوم کیا جاتا ہے۔ اس طرح کہ جس برتن سے ناپ کیا جاتا ہے وہ اس چیز سے پوری طرح بھر جائے اور چاہے گرا کر ڈالیں یا ہاتھ سے دبائیں کسی حال میں بھی مزید بھرنے کی گنجائش نہ رہے۔ جب ایک ہی جنس کی دو چیزیں ایک ناپ کی ہوں گی تو دونوں کا حجم اور وزن ایک ہی ہوگا لیکن اگر وہ چیزیں مختلف جنس کی ہوں تو جسامت میں برابر ہوں گی وزن میں نہیں۔

ان کا ایک ناپ ”بی سی“ (سی بی؟) ہے جس سے قنوج اور سومنات کا ہر باشندہ واقف ہے۔

قنوج کے لوگوں کے مطابق

۴ بی سی = ۱ پرستھا

۴/ بی سی = ایک کداوا

سومناٹ کے لوگوں کے مطابق

۱۶ بی سی = ہٹئی

۱۲ ہٹئی = امورو

### فاصلوں کی پیمائش

خطوط کے ذریعے فاصلے اور سطح کے ذریعے رقبہ کی پیمائش کو مساحت کہتے ہیں۔ کسی میدان کا رقبہ نکالنے کے لئے اس کے جز کو پیمانہ بنانا چاہئے۔ لیکن یہ کام خطوط کے ذریعے بھی نکالا جاتا ہے کیونکہ خط کی پیمائش کر کے بھی رقبہ نکالا جاسکتا ہے۔

(اس کے بعد ورہ میر کے مقرر کئے ہوئے مسافت کے ناپ کی اکائیوں کا ذکر کیا ہے جو ذیل میں

درج ہیں:

ایک انگل	۸ متصل جو =
ایک رم یا مشٹ (مٹھی)	۱۱۴ انگل =
ابا تھ	۱۲۴ انگل =
ادھنو (کمان)	۴ گز =
انالوہ	۴۰ کمان =
اکروش (کر وہ)	۲۵ نالوہ =

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک کر وہ میں ۴۰۰۰ گز ہوتے ہیں اور ہمارے میل میں بھی اسی قدر گز ہوتے ہیں اس لئے ایک میل ایک کر وہ کے برابر ہوا۔ پلس یونانی نے بھی اپنی تصنیف کردہ سدھانت میں ایک کر وہ کو چار ہزار گز کا بتایا ہے۔

ایک گز دو مقیاس کے مساوی ہے یعنی ۱۲۴ انگل کے برابر کیوں کہ ہندو سنکو مقیاس کا اندازہ بت کی انگلیوں سے کرتے ہیں۔ وہ انگلی کو مقیاس کا بار ہواں حصہ قرار نہیں دیتے۔ ان کا مقیاس ہمیشہ ایک بالشت کے برابر ہوتا ہے اور بالشت وہ فاصلہ ہے جو ہتھیلی اور انگلیوں کو مکمل حد تک پھیلانے کے بعد اٹکوٹھے اور چھوٹی انگلی کے سروں کے درمیان ہوتا ہے۔ بالشت کو تستی اور کشکو بھی کہتے ہیں۔

ہتھیلی اور انگلیوں کو پھیلانے کے بعد چوتھی انگلی اور اٹکوٹھے کے سروں کے درمیان کے فاصلے کو



کو کرن کہتے ہیں۔

اسی طرح دوسری انگلی اور انگوٹھے کے درمیان کا فاصلہ کر بھ کہلاتا ہے۔ یہ ۲/۳ بالشت کے برابر شمار کیا جاتا ہے۔ بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کے درمیان کے فاصلے کو تال کہتے ہیں۔ ہندوؤں کا کہنا ہے کہ ہر شخص کا قد اس کے تال سے آٹھ گنا ہوتا ہے خواہ بڑا قد ہو یا چھوٹا۔ اسی طرح کے خیال میں پیر قد کے ساتویں حصے کے برابر ہوتا ہے۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ کروش ہمارے ایک میل کے برابر ہوتا ہے تو قاری کو یہ بھی معلوم ہو جانا چاہئے کہ ہندوؤں کے یہاں فاصلے ناپنے کا ایک پیمانہ یوجن بھی ہے۔ یوجن آٹھ میل یا ۳۲،۰۰۰ گز کا ہوتا ہے۔ یوجن اور فرسخ کا تناسب

بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ”کروہ“ ایک فرسخ کا چوتھائی ہے اور کہتے ہیں کہ ہندوستان کا فرسخ ۱۶،۰۰۰ گز کا ہوتا ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔ دراصل ایک کروہ نصف یوجن کے برابر ہوتا ہے۔ فرازی کی زچ میں زمین کا محیط اسی پیمانے سے متعین کیا گیا ہے، اسی یوجن کو اس نے جمع کے صیفے میں اجوان کہا ہے۔

محیط اور قطر کا تناسب

ہندوؤں میں یہ بات فرض کر لی گئی ہے کہ کسی دائرہ کا محیط اس کے قطر کا تین گنا ہوتا ہے۔ مالیہ پُران میں سورج اور چاند کا قطر جوزنوں میں بیان کرنے کے بعد بتایا گیا ہے کہ ”محیط قطر کا تین گنا ہوتا ہے۔“ (اس کے بعد الہیرونی نے مالیہ پُران سے اقتباسات پیش کئے ہیں۔ آدتیہ پُران اور ودایو پُران کے اقتباسات بھی نقل کئے ہیں)۔

## باب ۱۶

## ہندوؤں کے رسم الخط، حساب، کتاب کے طریقوں اور ان

## کے بعض عجیب و غریب رواجوں کا بیان

زبان بولنے والے کے خیالات کو سننے والے تک پہنچاتی ہے۔ اس لئے زبان کا کام کچھ ہی دیر رہتا ہے اور زبان یا گفتگو کے ذریعے ماضی کے واقعات و اخبار کو دوسری نسلوں تک پہنچانا ممکن نہیں خصوصاً اس وقت جب ان واقعات کو بہت زیادہ عرصہ گزر چکا ہو۔ اب یہ اس لئے ممکن ہوا کہ انسان کے ذہن نے تحریر کے فن کو ایجاد کر لیا جو ہوا اور ارواح کی طرح ایک مقام سے دوسرے مقام اور ایک زمانے سے دوسرے زمانے کی طرف ان احوال و اخبار کو منتقل کر دیتی ہے۔ پس تمام تعریف اس ذات کے لئے ہے جس نے ہر چیز کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا اور جو مخلوق کے امور کو بہتر سے بہتر بناتا رہتا ہے۔

## لکھنے کا مختلف قسم کا ساز و سامان

ہندوؤں میں قدیم یونانیوں کی طرح چمڑے پر لکھنے کا رواج نہیں ہے۔ سقراط سے جب پوچھا گیا کہ ”آپ کتابیں کیوں نہیں لکھتے“ تو اس نے جواب دیا ”میں علم کو انسان کے زندہ دلوں سے بھیڑوں کی مردہ کھالوں پر منتقل کرنا نہیں چاہتا۔“ مسلمان بھی ابتدائے اسلام میں کھالوں پر لکھتے تھے۔ خیبر کے یہودیوں کے ساتھ ہونے والا معاہدہ اور نبی کریمؐ کا کسریٰ کے نام خط چمڑے پر لکھے گئے تھے۔ قرآن کے نسخے بھی ہرن کی کھال پر لکھے گئے تھے اور تورات اب بھی اسی پر لکھی جاتی ہے۔ قرآن کی چھٹی سورت کی ۹۱ ویں آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”وہ اس کے قرطاس بناتے ہیں۔“ قرطاس مصر میں پپی رس کے گودے سے بنایا جاتا ہے۔ ہمارے زمانے سے کچھ پہلے تک خلفا کے فرمان اسی پر جاری ہوتے تھے۔ اس کی خوبی یہ ہے کہ اس پر لکھی گئی تحریر کو مٹایا اور بدلہ نہیں جاسکتا کیونکہ ایسا کرنے سے یہ خراب ہو جاتا ہے۔ کاغذ سب سے پہلے اہل چین نے بنایا پھر چینی قیدیوں کے ذریعے سرقد اور رفتہ رفتہ دوسرے مقامات پر کاغذ سازی کا فن متعارف ہو گیا اور ہر جگہ ضرورت کے مطابق کاغذ بنایا جانے لگا۔ ہندوستان کے جنوبی حصہ میں کھجور کی قسم کا پھل دار درخت ہوتا ہے جس کے پتے ایک گز لمبے اور تین

ملی ہوئی انگلیوں کے برابر چوڑے ہوتے ہیں۔ اس کے پتوں کو تاڑی (تاڑ) کہا جاتا ہے اور ہندوان پتوں پر لکھتے ہیں۔ پتوں کی اس کتاب کو ایک دھاگے میں پرو دیتے ہیں۔ یہ دھاگان اوراق (پتوں) کو یکجا رکھتا ہے۔ وسطی اور شمالی ہندوستان میں ”توز“ نامی پیڑ کی چھال استعمال ہوتی ہے اسے ”بھوج“ کہتے ہیں۔ یہ لوگ اس کے ایک ہاتھ لمبے اور پھیلی ہوئی انگلیوں کے برابر چوڑے ٹکڑے لے کر انہیں مختلف طریقوں سے تیار کرتے ہیں۔ مثلاً تیل لگا کر یا صیقل کر کے انہیں سخت یا چکنا کر لیتے ہیں اور پھر ان پر لکھتے ہیں اور ہر ٹکڑے پر نمبر شمار ڈالتے جاتے ہیں۔ پوری کتاب کو دو تختیوں میں دبا کر ایک کپڑے میں لپیٹ دیا جاتا ہے۔ یہ کتابیں پوتھیاں کہلاتی ہیں۔ ہندو اپنے خطوط اور دوسری تحریریں بھی ”توز“ کی چھال ہی پر لکھتے ہیں۔

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ہندوؤں کی ایک روایت کے مطابق ایک بار ان کا رسم الخط مٹ گیا تھا اور لوگ اسے بھول گئے تھے۔ کوئی اس طرف توجہ نہیں کرتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ ان پڑھ ہو گئے اور جہالت کی دلدل میں پھنس گئے اور ہر طرح کے علم سے بے بہرہ ہو گئے۔ آخر کار پراشر کے بیٹے ویاس نے الہام کے ذریعے پچاس حروف کو پھر سے دریافت کیا۔ ان حروف کو اکثر کہتے ہیں۔

### ہندوؤں کے حروف تہجی

بعض ہندوؤں کا خیال ہے کہ ابتداء میں ان کے حروف کی تعداد کم تھی لیکن رفتہ رفتہ ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہ بات قرین قیاس ہی نہیں یقینی ہے۔

ہندی حروف کی تعداد زیادہ ہوگی کہ ایک ہی حرف کی کئی مختلف صوتی شکلوں کے اظہار کے لئے الگ الگ اعراب اور نشانات مقرر ہیں۔ پھر اس میں ایسے حروف بھی ہیں جو دوسری زبانوں میں اس طرح موجود نہیں ہیں اور ان کا مخرج ایسا ہے کہ ہمارے آلات نطق (زبان اور حلق) ان کو ادا کرنے سے قاصر ہیں بلکہ اکثر اوقات ہمارے کان بھی ان کے دو حروف کے درمیان فرق نہیں کر پاتے ہیں۔

ہندو یونانیوں کی طرح بائیں جانب سے دائیں جانب کی طرف لکھتے ہیں۔ وہ عربوں کی طرح سطر کے نیچے پر نہیں لکھتے کہ حروف کا سہرا اوپر ہے اور دم نیچے رہے۔ عربی تحریر کے برعکس ان کی سطر اوپر کی جانب ہوتی ہے یعنی ہر حرف کے اوپر ایک لکیر کھینچی جاتی ہے اور ہر حرف اس لکیر سے لٹکا ہوا نظر آتا ہے اور اسی لکیر کے نیچے لکھا جاتا ہے۔ اس لکیر کے اوپر صرف ماتراؤں کے نشانات یا اعراب ہوتے ہیں۔

### ہندوؤں کے علاقائی رسم الخط

ہندوؤں کا سب سے مشہور رسم الخط ”سدھاماترک“ کہلاتا ہے جس کی ایجاد بعض لوگوں کے خیال

کے مطابق کشمیر میں ہوئی۔ یہ خط کشمیر میں مستعمل ہے۔ بنارس میں بھی یہی خط استعمال کیا جاتا ہے۔ بنارس اور کشمیر ہندوؤں کے علوم کے دو بڑے مرکز ہیں۔ یہ رسم الخط مدھیہ دیس یعنی ملک کے وسطی حصے میں بھی رائج ہے۔ مدھیہ دیس قنوج کے آس پاس کا علاقہ ہے جسے آریہ ورت بھی کہتے ہیں۔ مالوہ میں دوسرا خط مستعمل ہے جسے ”ناگر“ کہتے ہیں اس خط میں حروف کی شکلیں اول الذکر خط سے مختلف ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک رسم الخط اور ہے جسے اردھ ناگری یا نیم ناگر کہا جاتا ہے۔ یہ خط مذکورہ دونوں خطوں سے مل کر بنا ہے اور بھیلیا اور سندھ کے کچھ حصوں میں مستعمل ہے۔

دوسرے مروجہ خطوں میں مالواڑی خط ہے جو ”مالوشو“ علاقے میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ جنوبی سندھ کا ساحلی علاقہ ہے۔ ایک اور خط ”سیندھو“ جو المصو رہ یا بہمو علاقے میں مستعمل ہے۔ کرناٹ دیس میں جہاں سے فوج کے لئے کمزوں کو بھرتی کیا جاتا ہے۔ کنر رسم الخط مستعمل ہے۔ اندھرا دیس میں آندھری ورواڑا دیس (دراوڑ) میں دراوڑی، لار دیس میں لاری، پورب دیس میں گوری اور اسی علاقے کے اودنپور مقام پر بھیک شوکی خط استعمال ہوتا ہے۔ آخر الذکر بدھوں کا رسم الخط ہے۔

### لفظ اوم کے بارے میں

ہندو اپنی کتابیں ”اوم“ یعنی لفظ تخلیق سے شروع کرتے ہیں جیسے ہم ”بسم اللہ“ سے۔ لفظ اوم کی شکل ہے۔ اس شکل میں حروف نہیں بنتے۔ یہ صرف ایک شکل ہے جو اس لفظ کے لئے گھڑی گئی ہے۔ لوگ اسے برکت کے لئے اور خدا کی وحدانیت کے اظہار کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

### ہندوؤں کے ہند سے

ہندو اپنے حروف کو حساب کے لئے استعمال نہیں کرتے جیسا کہ ہم لوگ نمبراتی ترتیب کے مطابق کرتے ہیں۔ جس طرح مختلف علاقوں میں ان کے حروف کی صورتیں مختلف ہیں اسی طرح ان کے ہندسوں کی بھی ہیں۔ ان ہندسوں کو ”انک“ کہتے ہیں۔ ہم لوگ جو ہند سے استعمال کرتے ہیں وہ ہندوؤں کے ہندسوں کی سب سے اچھی صورت سے ماخوذ ہیں۔ اگر صورتوں سے وہ معنی سمجھ میں نہ آئیں جو ان سے مقصود ہیں تو ان صورتوں کا کوئی فائدہ نہیں۔ لیکن کشمیری اپنی کتابوں کے صفحات پر ایسے ہند سے بناتے ہیں جو تصویریں سی معلوم ہوتے ہیں اور چینیوں کے حروف سے ملتے جلتے ہوتے ہیں۔ انہیں سمجھنے کے لئے لمبی مشق کی ضرورت ہے لیکن یہ اچھا ہے کہ زمین پر حساب لکھتے وقت وہ ان ہندسوں کو کام نہیں لاتے۔

حساب کے معاملے میں تمام اقوام میں اتفاق ہے کہ ہندسوں کے مراتب (یعنی اکائی، دہائی، سیکڑہ،

ہزار) کو دس کے ساتھ خاص نسبت ہے یعنی ان میں کا ہر مرتبہ اپنے بعد والے مرتبے کا دسواں حصہ اور اپنے سے پہلے والے کا دس گنا ہوتا ہے۔ میں نے ان مرتبوں کا معاملہ ہر زبان اور ہر قوم میں جہاں جہاں میں گیا ہوں کیا ہے اور دیکھا ہے کہ کوئی قوم ہزار سے آگے نہیں جاتی۔ عرب بھی ہزار سے آگے نہیں جاتے اور یہی صحیح ترین اور فطری طریقہ ہے۔ میں نے اس موضوع پر ایک رسالہ بھی تصنیف کیا ہے۔

ہندو ہندوؤں کے مرتبوں کی تعداد کے اعتبار سے ہزار سے آگے گئے ہیں۔ ان کے مرتبوں کی تعداد بعض مذہبی مصلحتوں کی وجہ سے اٹھارہ ہے۔ ان مرتبوں کا نام رکھنے میں ماہرین ریاضی کو اہل لغت سے مدد لینا پڑی ہے۔

ان کا اٹھارہویں مرتبہ کا نام پراردھا ہے جس کے معنی آسمانوں کا آدھا یا تمام عالم بالا کا آدھا ہے۔

### اٹھارہ مرتبے

ہندوؤں کے اعداد کے اٹھارہ مرتبوں کے نام یہ ہیں:

(۱) ایک (۲) دس (۳) ستم (۴) سہسرم (۵) آیوت (۶) لکش (۷) پرایت (۸) کوئی (۹) نیارب (۱۰) پدم (۱۱) کھرو (کھرب) (۱۲) نکھرو (۱۳) مہاپدم (۱۴) سٹھ (۱۵) سمر (۱۶) مدھیہ (۱۷) انٹیہ (۱۸) پراردھا۔

اب ہم اس نظام کے بارے میں ان کے درمیان پائے جانے والے اختلافات کو بیان کرتے ہیں۔ پہلا اختلاف تو یہ ہے کہ بعض ہندوؤں کے خیال میں پراردھا کے بعد ایک انیسواں مرتبہ بھی ہے جس کا نام ”بھوری“ ہے اور اس کے بعد حساب نہیں کیا جاسکتا لیکن یہ بھی مانا جاتا ہے کہ حساب کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ میرے خیال میں حساب یا شمار سے ان کی مراد مرتبے کا نام ہے اور ان کے کہنے کا مطلب غالباً یہ ہے کہ اس سے آگے کے مرتبوں کے لئے ہماری زبان میں کوئی نام موجود نہیں ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بھوری سب سے بڑے دن ۵/۱۰ ہے۔ لیکن اس بارے میں ان کے یہاں کوئی روایت نہیں ملتی۔ روایات میں یوم اعظم کے حساب کے بارے میں چند اشارے باقی رہ گئے ہیں، ان کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔ اس لئے میرے خیال میں انیسویں مرتبے کا مرتبہ کا اضافہ حساب کی صحت کا بہت زیادہ خیال رکھنے والوں کی ایجاد ہے۔

بعض لوگ ”کوئی“ کو حساب کی انتہا مانتے ہیں۔ اس کے آگے کے حساب کے لئے اس میں دس سوا اور ہزار کا اضافہ کر کے اسی کو دہراتے رہیں گے کیونکہ دیویوں کی تعداد کوئی میں ہے۔ ان لوگوں کے عقیدے کے مطابق دیویوں کی تعداد ۳۳ کوئی ہے اور برہما، نارائن اور مہادیو تینوں کے لئے فرداً فرداً گیارہ گیارہ کوٹیاں مقرر ہیں۔

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ آٹھویں مرتبے کے بعد کے نام صرفیوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ پانچویں مرتبے کا مشہور نام دس ہسرا اور ساتویں کا دس لکش ہے۔ ان مرتبوں کے جو نام ہم نے پہلے بتائے ہیں ان کا استعمال کم ہوتا ہے۔

کسم پور کے رہنے والے آریہ بھٹ کی کتاب میں دس ہزار سے دس کوئی تک کے نام یہ ہیں۔ ایوتم، یوتم، پراپوتم، کوئی پدم، پراپدم، بعض لوگوں نے ان مراتب کو جوڑوں کی شکل دینے کی لئے ان کے ناموں میں تبدیلی کر دی ہے۔ مثلاً پانچویں مرتبے ایوت کے جوڑے کے طور پر چھٹے مرتبے کو نیوت اور اسی طرح نویں مرتبے نیار بد سے قافیہ ملانے کے لئے آٹھویں کو اربد کہنے لگے ہیں۔

خیر! ان اختلافات کا کوئی نہ کوئی سبب تو ہے لیکن بہترے ایسے اختلافات بھی ہیں جن کا کوئی سبب بھی نہیں ہے۔ یہ اختلافات بعض صورتوں میں بے ترتیب لکھنے اور بعض اوقات اپنی لاعلمی کا اظہار نہ کرنے کے نتیجے میں رونما ہوتے ہیں اور اپنی لاعلمی کا اعتراف کرنا ہے بھی ایک مشکل کام۔

### ہندو سے لکھنے کا طریقہ

ہندوؤں کا ہندو سے استعمال کرنے کا طریقہ وہی ہے جو ہمارا ہے۔ میں نے اس مضمون پر ایک رسالہ لکھا ہے جس میں یہ بتایا ہے کہ ہندو غالباً اس فن میں ہم سے آگے ہیں۔ ہم یہ پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ ہندو اپنی کتابیں اشلوک کے طرز پر لکھتے ہیں۔ اگر ان کو ضرورت ہوتی ہے کہ اپنی زچوں میں مختلف مرتبے کے اعداد استعمال کریں تو وہ ان کو ایسے الفاظ سے ظاہر کرتے ہیں جو ہر عدد کے ایک یا دو مرتبوں کے لئے وضع کر لئے گئے ہیں (یعنی ایسے الفاظ جو ۲۰ یا ۲۰۰ اور دو سو دونوں کو ظاہر کرتے ہیں) ان کے یہاں ایک ہی عدد کے لئے بہت سے الفاظ ہیں۔ اگر کسی جگہ وزن شعر کی مشکلات کی وجہ سے ایک لفظ نہ لایا جاسکے تو اس کا ایسا مرادف استعمال کیا جاتا ہے جو آسانی سے باندھا جاسکے۔ برہم گپتانے کہا ہے ”جب تم کو ایک لکھنا ہو تو اسے ہر ایسی چیز سے تعبیر کر سکتے ہو جو منفرد ہے مثلاً زمین، چاند، جب دو مراد ہو تو ایسی چیز سے مثال دی جائے جو دو ہو مثلاً سیاہی اور سفیدی، اگر تین لکھنا ہے تو ہر ایسی چیز سے جو تین شمار ہو اور صفر کو آسمان کے ناموں اور ۱۲ کو سورج کے ناموں سے ظاہر کرو۔“

ہم نے اس بارے میں ان سے جو کچھ سنا ہے اسے مندرجہ ذیل جدول میں جمع کر دیا ہے کیونکہ ان کے زچوں کی تفہیم میں اس سے بہت مدد ملے گی اور جب مجھے ان ناموں (الفاظ) کے معنی معلوم ہو جائیں گے تو انہیں بھی اس جدول میں شامل کر لوں گا۔ انشاء اللہ!

(اس کے بعد صفر سے ۲۵ تک کے اعداد کے لئے استعمال ہونے والے الفاظ و اسماء پیش کئے ہیں)۔

## ہندوؤں کے عجیب و غریب اطوار اور رسمیں

اب ہم ہندوؤں کے بعض عجیب و غریب اطوار اور رسومات کو بیان کرتے ہیں۔ کسی چیز کا عجیب و غریب ہونا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ بہت کم پائی جاتی ہے اور ہم اسے شاذ و نادر ہی دیکھتے ہیں۔ جب اس کی کیا ہی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے تو وہ چیز ہمیں عجوبہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ ایسی چیز قدرت کے معمولات کے منافی ہوتی ہے اور ایسی چیز جب تک نہ دیکھی جائے اس کا ہونا محال سمجھا جاتا ہے۔ ہندوؤں کی بہت سی رسمیں ہمارے زمانے میں ہمارے ملک کی رسموں سے اتنی مختلف ہیں کہ وہ ہمیں عجوبہ معلوم ہوتی ہیں اور ہمیں ایسا لگتا ہے کہ ان لوگوں نے بالقصد ان کو ایسا بنا دیا ہے کیونکہ ہمارے طور طریقے ان سے قطعاً میل نہیں کھاتے بلکہ ان کے بالکل برعکس ہیں۔

یہ لوگ بال بالکل نہیں تراشتے۔ ابتداء میں وہ گرمی کی وجہ سے ٹنگے رہتے تھے اور سر کے بال اس لئے نہیں منڈاتے تھے کہ دماغ پر گرمی کا اثر نہ ہو۔

ڈاڑھی کی حفاظت کے خیال سے وہ اس کی چوٹیاں گوندھ لیتے ہیں اور ناف کے نیچے کے بال نہ کاٹنے کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ان کو کاٹنے سے شہوت بڑھ جاتی بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے ایسے لوگ جنہیں زیادہ شہوت ہوتی ہے ناف کے نیچے کے بال صاف نہیں کرتے ہیں۔

وہ اپنے ناخن بڑھنے دیتے ہیں اور کاہلی پر فخر کرتے ہیں کیونکہ ناخن بڑھا کر محنت کا کوئی کام نہیں کیا جاسکتا۔ ناخنوں کو صرف بالوں کو کھانے اور جوں پکڑنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

ہندو کھانا گوبر کے دسترخوان پر اکیلے بیٹھ کر کھاتے ہیں جو کھانا بچ جاتا ہے اسے دوبارہ نہیں کھاتے۔ جس برتن میں کھاتے ہیں، اگر وہ مٹی کا ہو تو اسے بھینک دیتے ہیں۔

چونا لگا پان اور چھالیہ چباتے چباتے ان کے دانت لال پڑ جاتے ہیں۔ نہار منہ شراب پیتے ہیں اور اس کے بعد کھانا کھاتے ہیں۔ وہ گائے کا پیشاب پیتے ہیں لیکن گائے کا گوشت نہیں کھاتے۔

وہ جھانجھ کو لکڑی مار کر بجاتے ہیں۔

وہ صاف کو پا چامے (دھوتی) کے طور پر استعمال کرتے ہیں، جو شخص کم سے کم لباس پہننا چاہتا ہے وہ دو انگلی کی دھجی پر اکتفا کرتا ہے جسے وہ لنگوٹ کی طرح کس لیتا ہے۔ جو زیادہ پہنتے ہیں وہ ایسے لہنگے پہنتے ہیں جن میں اتنی روئی ہوتی ہے جو کئی لحافوں کے لئے کافی ہو۔ ان لہنگوں کے چاک نہیں ہوتے اور یہ اتنے لمبے ہوتے ہیں کہ پاؤں نظر نہیں آتے۔ ان لہنگوں کے گھنڈی تک پیچھے کی طرف ہوتے ہیں۔ ان کے صدرے بھی پاجاموں کی طرح پیٹھ کی طرف سے بند کئے جاتے ہیں۔ ان کی کمریوں میں دائیں اور بائیں چاک ہوتے ہیں۔

جو تا اس قدر رنگ رکھتے ہیں کہ اس کو پنڈلیوں کی طرف سے قدم کی طرف موڑ کر پہنتے ہیں (؟) منہ سے پہلے پاؤں دھوتے ہیں اور ہم بستی کرنے سے پہلے غسل کرتے ہیں۔ تہواروں میں خوشبو کی جگہ گوبر ملتے ہیں۔

مرد عورتوں جیسا لباس پہنتے ہیں، بناؤ سنگھار کا سامان استعمال کرتے ہیں۔ کانوں میں بالیاں، ہاتھوں میں ننگن انگلیوں میں انگوٹھیاں اور پیروں کے انگوٹھوں میں چھلے پہنتے ہیں۔ گھوڑے پر زین کے بغیر سواری کرتے ہیں اور اگر زین رکھتے ہیں تو دائنی جانب سے سوار ہوتے ہیں اور کسی کو پیچھے بٹھا کر چلنا پسند کرتے ہیں۔ کنار (خنجر) کو کمر میں دائیں طرف باندھتے ہیں۔

جنیو، جس کو ”سجنا پوتیا“ کہتے ہیں بائیں کندھے پر ڈال کر دائیں پہلو کی طرف لٹکاتے ہیں۔ تمام امور اور ضرورتوں میں عورتوں سے مشورہ لیتے ہیں۔

بچہ پیدا ہونے پر اس کے باپ کی طرف زیادہ ملتفت ہوتے ہیں ماں کی طرف کم۔ دو بیٹوں میں چھوٹے بیٹے کو ترجیح دیتے ہیں۔ خصوصاً پورب کے علاقے میں اور اس کی وجہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ بڑا بیٹا شہوت کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے اور چھوٹے کی پیدائش ارادے، فکر اور سکون کے نتیجے میں ہوتی ہے۔ مصافحہ کرتے وقت ہاتھ کو پشت کی طرف سے پکڑتے ہیں۔ ہتھیلی سے ہتھیلی نہیں ملاتے۔ گھر کے اندر آنے کے لئے اجازت طلب نہیں کرتے لیکن جاتے وقت اجازت لیتے ہیں۔ مجلسوں میں پالتی مار کر بیٹھتے ہیں۔

بزرگوں کا لحاظ کئے بغیر وہ تھوکتے اور ناک صاف کرتے رہتے ہیں اور ان کے سامنے ہی سر سے جوئیں نکال نکال کر مارتے ہیں۔ ریاح خارج ہونے کو مبارک اور چھینک آنے کو منہوس سمجھتے ہیں۔ جولہ ہے کو ناپاک لیکن جام اور مرے ہوئے جانوروں کو جلا کر یاد ریا برد کر کے ٹھکانے لگانے والے کو پاک سمجھتے ہیں۔

مدرسوں میں بچوں کے لکھنے کے لئے سیاہ تختیاں استعمال کراتے ہیں اور ان پر سفید کھریا سے لکھواتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ذیل کا شعر شاعر نے انہیں کے بارے میں کہا ہے:

”کچھ ایسے لکھنے والے بھی ہیں جو کونکے کو طرح سیاہ کاغذ پر سفید روشنائی سے لکھتے ہیں اور اس طرح لکھ کر گویا روز روشن کو تاریک رات پر اتار دیتے ہیں۔ وہ ایک ایسے جولہ ہے کی مانند ہیں جو تانتا تو بے بنتا نہیں۔“

وہ کتابوں کے نام شروئی میں نہیں بلکہ کتاب کے آخر میں خاتمے پر لکھتے ہیں۔

وہ اپنی زبان کے اسماء کو مونث بنا کر ان میں عظمت پیدا کرتے ہیں جس طرح اہل عرب تصغیر بنا کر



عظمت پیدا کرتے ہیں۔

جب ان کو کوئی چیز دی جاتی ہے تو چاہتے ہیں کہ اس طرح پھینک کر دی جائے جیسے لکڑی پھینک کر دی جاتی ہے۔

جب دو آدمی مزد (چوسر) کھیلتے ہیں تو پانسا تیسرا شخص بھینکتا ہے۔ مست ہاتھی کے سپینے کو جو اس کے دونوں رخساروں پر بہتا ہے خوشبو سمجھ کر بہت پسند کرتے ہیں حالانکہ وہ سخت بدبودار ہوتا ہے۔

### ہندوستانی شطرنج

یہ لوگ ہاتھی کو پیدل کی طرح آگے کی طرف ایک گھر چلاتے ہیں اور کبھی فرزین کی طرح کونے کی طرف بھی ایک ایک گھر چلاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ان پانچ خانوں میں سے (یعنی ایک سیدھا اور چار کونوں میں) ایک اس کی سوئٹ کے لئے اور چار اس کے چاروں پیروں کے لئے ہیں۔ شطرنج چار آدمی مل کر کھیلتے ہیں اور دو پانے استعمال کرتے ہیں۔ بساط پر مہروں کی ترتیب اس طرح ہوتی ہے۔

رخ	پیدل	شاہ	ہاتھی	گھوڑا	رخ
گھوڑا	پیدل	پیدل	پیدل	پیدل	پیدل
ہاتھی	پیدل				
شاہ	پیدل				
پیدل	پیدل	پیدل			پیدل
رخ	گھوڑا	ہاتھی	شاہ	پیدل	رخ

چونکہ ہمارے یہاں اس طرح سے شطرنج نہیں کھیلی جاتی اس لئے اس کے متعلق مجھے جو کچھ معلوم ہے بیان کرتا ہوں۔ چاروں کھیلنے والے بساط کے گرد مربع کی شکل میں بیٹھتے ہیں اور باری باری دونوں پانے پھینکتے ہیں۔ پانے کے اعداد میں سے پانچ اور چھ کا عدد بیکار ہے کیونکہ پانچ کے بدلے ایک اور چھ کے بدلے چار لیا جاتا ہے۔ تصور میں ان دونوں کو اس طرح دکھایا جاتا ہے۔

۴

۳

۲

۵

۱

شاہ سے ان کی مراد فرزین ہوتی ہے۔

پالنے کا ہر عدد ایک ہی مہرے کی چال کے لئے ہوتا ہے۔

ایک کا عدد پیادے اور شاہ کے لئے ہوتا ہے۔ ان دونوں کی چال وہی ہے جو شطرنج کے دوسرے متداول طریقوں میں ہوتی ہے۔ شاہ کو مارا جاسکتا ہے لیکن اپنی جگہ سے ہٹایا نہیں جاسکتا۔

دو کا عدد رخ کے لئے ہے۔ یہ سیدھا چلتا ہے جیسے ہماری شطرنج میں ہاتھی۔ تین کا عدد گھوڑے کے واسطے ہے۔ یہ ڈھائی گھر چلتا ہے یعنی دو گھر سیدھے اور ایک کسی جانب کی طرف۔

۴ کے عدد پر ہاتھی کو چلایا جاتا ہے۔ یہ سیدھا چلتا ہے جیسا کہ ہماری شطرنج میں رخ، بشرطیکہ راستے میں کوئی روک نہ ہو۔ اگر کوئی رکاوٹ ہو تو ایک پانسے ہٹا کر ہاتھی کے چلنے کا راستہ کھول دیتا ہے۔ یہ کم سے کم ایک گھر اور زیادہ سے زیادہ پندرہ گھر چلتا ہے۔ کیونکہ اکثر دو پانسوں میں دو چار یا دو چھ یا چھ اور چار آ جاتا ہے اور ان اعداد میں سے کسی ایک عدد کے لئے وہ بساط کے ایک حاشیے کا پورا ضلع اور دوسرے عدد کے نتیجے میں دوسرے حاشیے کا پورا ضلع طے کر لیتا ہے بشرطیکہ راستے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اس طرح وہ دونوں اعداد کے نتیجے میں قطر کے دونوں سروں پر قبضہ کر لیتا ہے۔ ان کے یہاں تمام مہروں کی قیمتیں مقرر ہیں۔ ان قیمتوں کے مطابق ہر کھلاڑی کو بازی میں حصہ ملتا ہے۔ جو کھلاڑی کوئی مہرہ لیتا ہے اسے اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔ شاہ کی قیمت ۵۔ ہاتھی کی ۴، گھوڑے کی ۳، رخ کی ۲، اور ایک پیدل کی ہے۔ جب کوئی شاہ کو لے لیتا ہے تو گویا اس نے ۵ پالے۔ اسی طرح دو شاہ کے لئے ۱۰ اور تین شاہ کے لئے ۱۵ اگر لینے والے کے پاس اپنا شاہ نہ ہو۔ اگر اس کے پاس اپنا شاہ بھی ہو اور وہ تین شاہ لے لے تو اسے ۵۴ ملتے ہیں۔ یہ عدد کسی حساب کے مطابق نہیں ہے بلکہ باہمی رضامندی سے مقرر کر لیا گیا ہے۔

(الہیرونی نے اس باب کو یہ کہہ کر ختم کیا ہے کہ ہندو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں سے نہ صرف مختلف ہیں بلکہ ان سے افضل بھی ہیں۔ لیکن مسلمانوں نے بھی ”ہم چومادگیرے نیست“ کا روئے اپنایا ہے۔ ہندوؤں کی عجیب و غریب رسومات کے ضمن میں اس نے زمانہ جاہلیت کے عربوں کی بعض شرمناک رسومات کا بھی ذکر کیا ہے۔ لیکن اس بات پر اطمینان ظاہر کیا ہے کہ اسلام نے عرب کو ان مفاسد سے پاک کر دیا ہے اور ہندوستان کے وہ علاقے بھی جہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے ان لعنتوں سے پاک ہو گئے ہیں۔)

## باب ۱۷

## ہندوؤں کے وہ علوم جو جہالت کے پروردہ ہیں

## ہندو عوام میں کیمیا کا شوق

ہمارے نزدیک جادو نام ہے اس سفلی فن کا جو فریب نظر کے ذریعے چیزوں کو وہ بنا کر پیش کر دیتا ہے جو وہ حقیقت میں نہیں ہیں۔ اس مفہوم میں جادو لوگوں میں بڑے پیمانے پر پھیلا ہوا ہے لیکن اگر اس سے یہ مراد ہے کہ جادو ناممکن کو ممکن اور محال کی موجود کر دینے کا فن ہے تو ایسی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ جب کوئی چیز محال ہوگی تو موجود ہو ہی نہیں سکتی اور اس لئے جادو ناما سرا سر دھوکا اور فریب ہے اور اس کا علم سے کوئی تعلق نہیں۔

کیمیا بھی جادو ہی کی ایک قسم ہے اگرچہ اس کو جادو کہا نہیں جاتا۔ اگر کوئی شخص روئی کے ایک ٹکڑے کو چاندی کا ٹکڑا بنا کر دکھائے تو اسے جادو کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اگر وہ چاندی کا ٹکڑا لے کر اسے سونا دکھاتا تو بھی یہی بات ہوتی البتہ اتنا فرق ضرور ہوتا کہ چاندی پر سونے کا ملمع یا ورق چڑھانے کی ترکیب موجود ہے جب کہ روئی کو سونا بنانے کا کوئی طریقہ معلوم نہیں ہے۔

کیمیا کا خط صرف ہندوؤں کو ہی نہیں، دنیا کی کوئی قوم اس سے بری نہیں ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ بعض قوموں میں یہ خط دوسری قوموں سے کچھ زیادہ ہی ہے۔ اس سے کسی قوم کی عقل و دانش یا نادانی و جہالت پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ ہم بہت عقل مند کو اس میں منہمک اور بہت سے جاہلوں کو اس فن اور ان عقل مند کا مذاق اڑاتے دیکھتے ہیں۔ اگرچہ یہ عقل مند اس پر اپنا وقت اور صلاحیت ضائع کر رہے ہیں تاہم چونکہ وہ اس میں مال حاصل کرنے اور تنگ دستی سے بچنے کے لئے مشغول ہیں اس لئے قابل ملامت نہیں۔ ایک ریشی سے کسی نے پوچھا ”علما دولت مندوں کے دوازے پر کیوں جمع رہتے ہیں جبکہ دولت مند علماء کے دروازوں کی طرف رخ بھی نہیں کرتے۔“ ریشی نے جواب دیا ”اس کی وجہ یہ ہے کہ علما دولت کے فائدے کو جانتے ہیں اور دولت مند علم کے مرتبے سے واقف نہیں۔“

اسی طرح کیمیا میں منہمک لوگوں پر ہنسنے والے جاہل لوگ مدح و ستائش کے قابل ہیں کیونکہ ان کا کیمیا سے بچنا بھی ان کی جہالت اور بے وقوفی کی وجہ سے ہے کسی اور سبب سے نہیں۔

اس فن کے ماہر اس کو چھپانے کا بڑا اہتمام کرتے ہیں اور اس فن سے ناواقف لوگوں سے کبھی کھل کر بات نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے یہ نہ معلوم ہوسکا کہ وہ اس فن میں کیا عملی طریقے استعمال کرتے ہیں اور معدنی اور نباتاتی یا حیوانی اجزاء میں سے کن اجزاء کو استعمال میں لاتے ہیں۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہوسکا کہ یہ لوگ راکھ کرنا، گلاب، طلق کرنا جس کو یہ لوگ ”تلک“ کہتے ہیں اور موم کی طرح نرم کر دینا کے طریقوں کو استعمال کرتے ہیں۔ اس وجہ سے مجھے خیال ہوا کہ یہ لوگ کیمیا کے معدنی طریقے کو عمل میں لاتے ہیں۔

### رسائن

کیمیا سے ملتا جلتا اُن کا ایک اور علم ہے جو ان کے علاوہ کسی دوسری قوم میں نہیں ہے۔ اس علم کو یہ لوگ رسائن کہتے ہیں۔ یہ لفظ ”رس“ یعنی سونے سے مشتق ہے۔ یہ فن چند نسخوں، معجونوں اور دواؤں کی ترکیبوں پر مشتمل ہے۔ یہ دوائیں زیادہ تر جڑی بوٹیوں سے تیار کی جاتی ہیں اور مایوس بیماروں کو صحت اور قریب مرگ بڑھوں کی جوانی کو بحال کرنے کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔ ان کے استعمال سے بوڑھے اس درجہ جوان ہو جاتے ہیں کہ ان کے بال دوبارہ سیاہ اور حواس جوانوں کی طرح تیز ہو جاتے ہیں اور وہ جوانوں کی طرح پھر تیلے اور جماع و مباحثت کے قابل ہو جاتے ہیں اور طویل مدت تک زندہ رہتے ہیں۔ (اس کے بعد رسائن کے چند ماہروں کے حیرت انگیز واقعات بیان کئے ہیں۔ مثلاً ناگ ارجن جو سومنات کے قریب دیپک قلعے کا رہنے والا تھا اور دیادی جو کر ماتتہ کے زمانے میں اجین میں رہتا تھا۔ ایک گم نام شخص جو مالوہ کے دارالحکومت دھار میں رہتا تھا۔ پھر ایک غریب پھل فروش رنگا اور لہمی کے راجا لہجہ کا ذکر کیا ہے۔ ان میں بعض کو چند خفیہ اور قیمتی نسخے محض اتفاق سے ہاتھ آ گئے تھے۔ ان لوگوں میں سے کچھ نے ان نسخوں کی بدولت بڑا کمال حاصل کیا اور بعض کا انجام بڑا دردناک ہوا۔)

رسائن یعنی سونا بنانے کی ہوس جاہل ہندو راجاؤں میں اتنی زیادہ ہے کہ اگر کسی کو سونا بنانے کے عمل میں کم سن بچوں کو بھینٹ چڑھانا پڑے تو وہ ان معصوموں کی جان لینے میں ذرا بھی تردد یا تامل نہیں کرتا اور ان کو آگ میں جھونک دیتا ہے۔ اگر رسائن کے اس بیش بہا علم کو دنیا کے کسی ایسے کونے میں جلاوطن کر دیا جاتا جہاں یہ لوگوں کی رسائی سے باہر ہو جاتی تو اچھا ہوتا۔

### طائر گردوا

ہندوؤں کو جھاڑ پھونک پر بہت زیادہ اعتقاد ہے اور وہ اس کی طرف عام میلان رکھتے ہیں۔ اس علم کی کتاب ”گردوا“ پرندے کی تصنیف ہے جو نارائن کی سواری کا پرندہ ہے۔

## سانپ کے کانٹے میں جھاڑ پھونک کا استعمال

جھاڑ پھونک اس موقع پر زیادہ استعمال کی جاتی ہے جب کسی کو سانپ کاٹ لیتا ہے۔ (اس کے بعد جھاڑ پھونک کی تاثیر کے چند قصے بیان کئے ہیں)۔

### شکار کے طریقے:

میں نے ان لوگوں کو ہاتھ سے ہرن پکڑتے ہوئے دیکھا ہے۔ ایک ہندو نے تو یہ دعویٰ تک کیا کہ وہ ہرن کو ہاتھ سے پکڑے بغیر ہنکا کر باورچی خانے تک لاسکتا ہے۔ میرے خیال میں اس کا سبب انہیں کسی خاص دھن یا لجن پر سُدھانا ہے۔

کٹا چڑیوں کے شکاری رات کے وقت تانبے کے برتنوں کو ایک ہی تال پر بجاتے ہیں اور چڑیوں کو پکڑ لیتے ہیں لیکن اگر تال بدل جائے تو چڑیاں اڑ جاتی ہیں اور ہاتھ نہیں آتیں۔

یہ باتیں ایک طرح کے مخصوص طریقے اور ترکیبیں ہیں جن میں جادو کو کوئی دخل نہیں ہے۔ ہندوؤں کو بعض اوقات اس لئے بھی جادوگر سمجھ لیا جاتا ہے کہ وہ تپتی ہوئی رسیوں پر چلتے اور بانسوں پر کھڑے ہو کر گیند کھیلتے ہیں لیکن اس قسم کی بازی گری دوسری قوموں میں بھی موجود ہے۔

## باب ۱۸

## ہندوؤں کا ملک، ان کے دریا اور سمندر، ان کی مختلف

## ریاستوں کے درمیان کی مسافت اور ان کے ملک کی حدود

زمین کا شمالی نصف کرہ ہی آباد ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس نصف کرہ کے آدھے حصے پر ہی آبادی ہے۔ یعنی آبادی زمین کے صرف چوتھائی حصے پر ہے۔ اس آباد حصے کو چاروں طرف سے ایک سمندر گھیرے ہوئے ہے۔ پچھم اور پورب دونوں طرف کے اس سمندر کو ”بحر محیط“ کہتے ہیں۔ اس سمندر کے مغربی حصے کو جو ان کے ملک سے متصل ہے یونانی لوگ اوقیانوس کہتے ہیں۔ یہ سمندر پورب اور پچھم دونوں طرف اس آبادی کو ان آباد حصوں اور جزیروں سے جو اس سمندر کے اس پار ہیں الگ کرتا ہے۔ اس سمندر کو اس لئے عبور نہیں کیا جاسکتا کہ اس کی فضا تاریک اور پانی ثقیل ہے اور راستے متعین نہیں ہیں اور اس میں کشتیاں چلانا بے انتہا خطرناک ہے۔ اسی لئے پرانے زمانے کے لوگوں نے اس سمندر میں بھی اور اس کے ساحلوں پر بھی خطرے کے نشانات نصب کر دیئے ہیں تاکہ لوگ آگے خطرناک سمندر میں داخل نہ ہوں۔

زمین کے شمالی حصے میں سردی کی وجہ سے آبادی نہیں ہے۔ صرف ان چند مقامات پر جہاں سمندری کھاڑیاں ہیں، تھوڑی بہت آبادی ہے۔ جنوب کی طرف آبادی ساحل سمندر تک پھیلی ہوئی ہے۔ جو دونوں طرف بحر محیط سے ملا ہوا ہے۔ سمندر کا یہ جنوبی حصہ جہاز رانی کے لئے موزوں ہے، اس لئے آبادی ساحل پر ہی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ مزید جنوب کی طرف سمندر میں پائے جانے والے بڑے چھوٹے جزیروں پر بھی آبادی موجود ہے۔ جنوب میں سمندر اور خشکی کے درمیان جگہ کے لئے کشاکش ہوتی رہتی ہے۔ کہیں خشکی بڑھ کر سمندر میں داخل ہو گئی ہے اور کہیں سمندر خشکی میں۔

زمین کے مغربی نصف حصہ میں براعظم دور تک سمندر میں داخل ہو گیا ہے اور جنوب کی طرف اس کا ساحل دور تک چلا گیا ہے۔ براعظم کے میدانوں میں مغربی جہتی آباد ہیں۔ یہیں سے غلام لائے جاتے ہیں۔ یہیں ”جبال قمر“ ہیں جن سے دریاے نیل نکلتا ہے۔ براعظم کے ساحل پر اور جزیروں میں زنگیوں کے مختلف قبیلے آباد ہیں۔ اسی نصف مغربی حصہ میں بہت سی غلیبیں خشکی میں داخل ہو گئی ہیں جیسے خلیج بربر

خلیج قلم، خلیج فارس اور ان خلیجوں کے درمیان مغربی براعظم دور تک سمندر میں داخل ہو گیا ہے۔ پوربی آدھے حصے میں اتر کی سمندر میں داخل ہے اور بہت سی جگہوں پر کھاڑیاں اور سمندر کی طرف آتی ہوئی ندیوں کی شاخیں دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اس سمندر کا نام یا تو کسی جزیرے کے نام پر ہوتا ہے یا پھر ملحقہ ساحل کے نام پر۔ یہاں ہمیں سمندر کے صرف اس حصے سے سروکار ہے جو براعظم ہند کے سامنے واقع ہے اور اسی مناسبت سے بحر ہند کہلاتا ہے۔

### یورپ اور ایشیا کے پہاڑی سلسلے

اب آئیے زمین کے آباد حصوں میں پھیلے ہوئے پہاڑی سلسلوں کی جانب۔ یہ گویا اس کی ریڑھ کی ہڈی کے مہرے ہیں جو اس کے وسطی عرض البلد سے ہوتے ہوئے طول میں پورب سے پچھم تک پھیلے ہوئے ہیں اور چین، تبت، ترکستان، کابل، بدخشاں، توخرستان، بامیان، الغور، خراساں، مدیہ، آذربائیجان، آرمینا، روم، فرنگستان اور جلالہ سے گزرتے ہیں۔ یہ پہاڑی سلسلے طویل ہونے کے ساتھ بہت زیادہ چوڑے بھی ہیں اور ان میں ایسے کچھ دیوچ ہیں جو میدانوں کو ہر طرف سے گھیرے میں لئے ہوئے ہیں۔ ان میدانوں کی آبیاری ان دریاؤں سے ہوتی ہے جو ان پہاڑوں سے شمال اور جنوب دونوں طرف نکلتے ہیں۔ ان ہی میدانی علاقوں میں سے ایک ہندوستان ہے جس کے ایک طرف بحر ہند ہے اور باقی تین طرف وہ پہاڑ ہیں جن سے نکلنے والے دریا اس میں گرتے ہیں۔

### ہندوستان پہلے ایک سمندر تھا جو رفتہ رفتہ مٹی سے بھر گیا

اگر تم ہندوستان کی مٹی کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرو گے اور ان پہاڑوں کے چکنے پتھروں کو جو پہاڑوں کے پاس بہت گہرائی تک بڑی بڑی چٹانوں کی شکل میں پائے جاتے ہیں جن پر دریاؤں کا پانی قوت کے ساتھ گرتا ہے اور پہاڑوں سے دور بھی چٹانیں چھوٹی ہوتی جاتی ہیں اور یہاں دریاؤں کا بہاؤ بھی دھیمہ پڑ جاتا ہے اور دریاؤں کے دہانوں پر سمندروں کے قریب جمع ریت کو دیکھو گے تو اس نتیجے پر پہنچو گے کہ ہندوستان ایک زمانے میں سمندر تھا جو دریاؤں کے ساتھ آنے والی ریت اور مٹی سے پٹ کر رفتہ رفتہ خشکی میں تبدیل ہو گیا۔

### مدھیہ دیس، قنوج، ماہورا اور تھامسر

ہندوستان کا وسط کنوج (قنوج) اور اس کے گرد نواح کا علاقہ ہے جسے یہ لوگ مدھیہ دیس یعنی ملک کا وسط کہتے ہیں۔ اس علاقے کو جغرافیائی اعتبار سے ملک کا وسط قرار دیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ علاقہ سمندر اور پہاڑوں کے وسط میں گرم اور سرد علاقوں کے وسط میں اور ہندوستان کی مشرقی اور مغربی

سرحدوں کے وسط میں واقع ہے۔ سیاسی اعتبار سے بھی یہ ملک کا مرکز ہے کیونکہ قنوج ہندوؤں کے زبردست سوراؤں اور عظیم راجاؤں کا مسکن رہا ہے۔

سندھ کا ملک قنوج کے مغرب میں ہے۔ ہمارے یہاں سے سندھ پہنچنے کا راستہ ملک نیم روز یعنی ملک بھٹان سے ہو کر ہے اور ہندوستان پہنچنے کے لئے کاہل ہو کر لیکن یہی واحد راستہ نہیں ہے۔ اگر موانع رفع ہو جائیں تو وہاں ہر طرف سے پہنچ سکتے ہیں۔ ہندوستان کی مغربی سرحد پر جو پہاڑ واقع ہیں وہاں ہندوؤں اور ان سے ملتی جلتی قوم کے سرکش لوگ آباد ہیں۔

شہر قنوج دریائے گنگا کے پچھتم میں ہے اور ایک بڑا شہر ہے لیکن اب اس شہر کا بڑا حصہ ویران ہو چکا ہے کیونکہ دارالسلطنت یہاں سے دریائے گنگا کے مشرق میں واقع باڑی نامی شہ میں منتقل ہو گیا ہے۔ قنوج سے باڑی کا فاصلہ تین یا چار دن کی مسافت ہے۔

جس طرح قنوج (کنیا کج) پانڈو کی اولاد کی وجہ سے مشہور ہے، اسی طرح شہر کا ماہورا (متھرا) واسود یو کی وجہ سے مشہور ہے۔ متھرا دریائے جون (جننا) کے مشرق میں واقع ہے۔ متھرا اور قنوج کا درمیانی فاصلہ ۲۸ فرسخ ہے۔ تھامیر (استھانیسور) دونوں دریاؤں کے درمیان قنوج اور متھرا دونوں کے شمال میں قنوج سے 80 فرسخ اور متھرا سے تقریباً ۵۰ فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے۔ دریائے گنگا جن پہاڑوں سے نکلتا ہے ان کا ذکر کیا چکا ہے۔ اس کا خرچ گنگا دوار کہلاتا ہے۔ ہندوستان کے دوسرے دریاؤں سے اکثر کا خرچ ان ہی پہاڑوں میں ہے جیسا کہ ہم مناسب جگہوں پر بیان کر چکے ہیں۔

### ہندوؤں کا فاصلے کی پیمائش کا طریقہ

ہندوستان کے مختلف علاقوں کے درمیانی فاصلوں کے معاملے میں اگر یہ علاقے آپ نے خود نہیں دیکھے ہیں تو آپ کو روایات پر ہی بھروسہ کرنا ہوگا اور ان روایتوں کے ناقابل اعتماد ہونے کا کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ بظلموس ہمیشہ ان کے راویوں کی مبالغہ آرائی کا شکی رہا۔ خوش قسمتی سے مجھے ایک ایسا طریقہ معلوم ہو گیا ہے جس سے ان کی غلط گوئی کا پتہ چل جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہندو اکثر ایک بیلکے بوجھ (بھار) کا اندازہ دو ہزار اور تین ہزار من لگاتے ہیں (جو ایک بیل کی بساط سے بہت زیادہ ہے) اس لئے یہ فرض کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ اتنا بوجھ ایک منزل سے دوسری منزل تک لے جانے کے لئے بہت عرصہ درکار ہوگا۔ اس لئے یہ لوگ دو شہروں کے درمیان کی مسافت پورے اتنے دنوں کی راہ کو قرار دیتے ہیں جو اس پوری آمد و رفت میں صرف ہوتے ہیں۔ اس لئے ہندوؤں کے ان بیانات کی صحت کے لئے بڑی احتیاط اور چھان بین سے کام لینا چاہئے لیکن ہم نے نامعلوم کی وجہ سے معلوم کو چھوڑا نہیں ہے اور قاری سے درخواست کرتے ہیں کہ جہاں کوئی بات غلط معلوم ہو، اس سے درگزر کرے۔



قنوج سے پریاگ کے پیڑ (الہ آباد) تک اور وہاں سے مشرقی ساحل تک قنوج سے دریائے گنگا اور جتنا کے درمیانی علاقے میں ہو کر مشرق کی طرف جانے والا مندرجہ ذیل مشہور مقامات سے گزرے گا:

جائیمو جو قنوج سے ۱۲ فرسخ ہے۔ ایک فرسخ چار میل یا ایک کروہ کا ہوتا ہے۔ ابھاپوری ۸ فرسخ، کراہا ۸ فرسخ، برہم شیل ۸ فرسخ، پریاگ کا پیڑ (الہ آباد) ۱۲ فرسخ، دریائے جتنا اور گنگا کا سنگم اسی جگہ پر ہے۔ اسی جگہ ہندو وہ ریاختیں کرتے ہیں جو مذہبی کتابوں میں مذکور ہیں۔ یہاں سے وہ جگہ جہاں دریائے گنگا سمندر میں گرتا ہے ۱۲ فرسخ ہے (۹)

پریاگ کے جنوب میں ساحل کی جانب دوسرے علاقے ہیں مثلاً ارکو تیرتھ یہاں سے ۱۲ فرسخ اور یاہر کی مملکت ۳۰ فرسخ اور ساحل پر واقع ”اردابھی شو“ ۵۰ فرسخ ہے۔ یہاں سے یورپ کی طرف ساحل پر وہ علاقے ہیں جن پر ”جوز“ کی حکومت ہے۔ ان میں پہلا مقام داردر ہے جو ”اردابھی شو“ سے ۳۰ فرسخ ہے پھر کانچی ۳۰ فرسخ، ملایا ۳۰ فرسخ اور کوک ۳۰ فرسخ پر ہے جو جوہر کی مملکت کی آخری حد ہے۔

باڑی سے گنگا کے دہانے تک

باڑی سے گنگا کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ چلو تو مندرجہ ذیل مقامات سے گزرے گا۔ اجودھا (اجودھیا، اودھ) باڑی سے ۲۵ فرسخ پر اور مشہور بنارس ۶۰ فرسخ پر واقع ہے

اب اگر اپنارنج جنوب سے مشرق کی طرف کرلو تو بنارس سے ۳۵ فرسخ پر واقع شرور پینچو گے۔ پھر پاٹلی پتر جو بنارس سے ۶۰ فرسخ پر ہے۔ منگیوری ۱۵ فرسخ اور گنگا کے دہانے پر واقع گنگا سیر ۳۰ فرسخ پر ہے۔

قنوج سے نیپال کے راستے بھوٹیشتر تک

قنوج سے پورب کی طرف جاتے ہوئے سب سے پہلے باڑی آتا ہے جو ۱۰ فرسخ پر ہے۔ پھر دُگم ۳۵ فرسخ پر، شہت کی مملکت ۱۰ فرسخ پر اور ”بئی ہت“ شہر ۱۲ فرسخ پر ہے۔ اس کے آگے دائیں طرف تلوت کا علاقہ ہے جس کے باشندے کالے اور تزکوں کی طرح چٹنی ناک والے ہوتے ہیں اور تار د کہلاتے ہیں۔ اس کے بعد کام رو کے پہاڑ ہیں جو سمندر تک پھیلے ہوئے ہیں۔

تلوت کے بائیں طرف نیپال کی قلمرو ہے۔ ایک شخص نے جو ان علاقوں کا سفر کر چکا تھا مجھ سے بیان کیا کہ ”تلوت پہنچ کر وہ مشرق سے جنوب کی طرف چلا گیا اور بلیس فرسخ چلنے کے بعد نیپال پہنچ گیا جس کا زیادہ حصہ چڑھائی پر ہے پھر تیس دن میں وہ نیپال سے بھوٹیشتر پہنچا جو وہاں سے ۸۰ فرسخ ہے اور یہاں بھی چڑھائی زیادہ ہے۔ یہاں ایک دریا ہے جس کو کئی جگہوں پر تختوں کے بنے ہوئے پلوں پر سے پار

کرنا پڑتا ہے۔ یہ تختے بید کے دور رسوں میں بندھے ہوتے ہیں۔ ان رسوں کو دونوں طرف کے پہاڑوں کے درمیان تان دیا جاتا ہے اور میلوں کے نشانات سے باندھ دیا جاتا ہے۔ ان پلوں کو پار کرتے وقت لوگ اپنے بوجھ کو کاندھوں پر رکھ لیتے ہیں۔ ان سے سو ہاتھ نیچے تیزی سے بہتا ہوا گہرا پانی برف کی طرح سفید نظر آتا ہے۔ پانی اتنی تیزی سے بہتا ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے یہ پہاڑوں کو گلے لگے کر دے گا۔ پل کے پار اتر کر بوجھ کاندھوں سے اتار کر بکروں کی پیٹھ پر لا دیئے جاتے ہیں۔“

بھویشتر سے تبت کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں سے آگے کے لوگوں کی زبان، لباس اور چہرہ مہرہ سب کچھ مختلف ہوتا ہے۔ یہاں سے سب سے اونچی چوٹی کا فاصلہ ۲۰ فرسخ ہے۔ اس چوٹی کی بلندی سے ہندوستان کھرے کے نیچے پھیلا ہوا سیاہ رنگ کا قلعہ دکھائی دیتا ہے اور اس کے نیچے واقع پہاڑ چھوٹے چھوٹے ٹیلوں جیسے نظر آتے ہیں۔ تبت اور چین سرخ رنگ کے نظر آتے ہیں اور یہاں سے ایک فرسخ شمال کی طرف ہیں۔

### قنوج سے بنواس تک

قنوج سے جنوب مشرق کی طرف گزرا کے پچھتم میں ”ججاہوتی“ کی مملکت ہے جو قنوج سے ۳۰ فرسخ کے فاصلے پر ہے۔ اس ملک کا صدر مقام کجور رہا ہے۔ ان دونوں کے درمیان ہندوستان کے دو مشہور قلعے گوالیار اور کالنجر ہیں۔ پھر..... فرسخ پردہالا ہے جس کا صدر مقام تیوری ہے اور جس پر اس وقت کنکلیا کی حکومتی ہے۔

پھر تیس فرسخ پر کنا کرہ کی مملکت اور ساحل اور آپسور اور بنواس کے شہر ہیں۔ قنوج کے جنوب مغرب میں آسی ۱۸ فرسخ پر، راجوری ۱۵ فرسخ اور گجرات کا صدر مقام بزانہ ۲۰ فرسخ پر ہے۔ اس شہر کو ہماری قوم کے لوگ نارائن کے نام سے جانتے ہیں۔ جب یہ شہر ویران ہو گیا تو یہاں کے باشندے جدورہ (۹) شہر میں منتقل ہو گئے۔

قنوج سے ماہور اور بزانہ دونوں کا فاصلہ ۲۸ فرسخ ہے۔

### متھرا سے دھار

اگر کوئی شخص ماہور سے اچین جائے تو اس کے راستے میں بہت سے گاؤں اتنے قریب قریب ملیں گے جن کا درمیانی فاصلہ پانچ فرسخ یا اس سے بھی کم ہے۔ ۲۵ فرسخ چلنے کے بعد اسے ایک بڑا گاؤں ملے گا جس کا نام دودا ہی ہے۔ پھر یہاں سے ۷ فرسخ پر ”باماہر“ اور پانچ فرسخ پر ہندوؤں کی مشہور زیارت گاہ بھیلیسان ہے۔ اس شہر کا یہ نام اس کے بت کے نام پر ہے۔ اس سے ۹ فرسخ آگے چل کر آردین

ہے۔ یہاں کے بت کا نام مہکال ہے۔ پھر ۷ فرخ پر دھار ہے۔

بزاندہ سے مندر گیر

بزاندہ سے جنوب کی طرف ۲۵ فرخ پر میواڑ واقع ہے۔ اس مملکت کا دار الخلافہ چترور ہے۔ اس مقام سے مالوہ اور اس کے دار الخلافہ دھار کا فاصلہ ۲۰ فرخ ہے۔ اجین کا شہر دھار ۷ فرخ مشرق کی طرف ہے۔ اجین سے بھیلسان تک کا فاصلہ ۱۰ فرخ ہے۔ یہ جگہ بھی مالوہ ہی میں ہے۔ دھار سے جنوب کی طرف ۶۰ ہی فرخ ہے پھر ۱۰ فرخ پر زبدا کے کنارے واقع شہر نمادر ہے۔ پھر آلس پور ۶۰ فرخ اور گوداوری کے کنارے واقع شہر مندر گیر یہاں سے ۶۰ فرخ پر ہے۔

دھار سے تانہ

دھار سے جنوب کی طرف ۷ فرخ کی مسافت پر یمنہ کی وادی ہے پھر مہرہ دیش ۱۸ فرخ پر اور کوٹکن کا صوبہ ۲۵ فرخ پر ہے۔ کوٹکن کا صدر مقام ”تانہ“ ساحل سمندر پر واقع ہے۔

ہندوستان کی مختلف جانور

گینڈا ہندوستان میں کثرت سے پایا جاتا ہے خصوصاً گنگا کے اطراف میں یہ بھینسے کی شکل کا ہوتا ہے۔ اس کی کھال سیاہ، کھر درہ اور ٹھوڑی کے نیچے ابھرا ہوا گوشت لگتا ہے۔ ہر پاؤں میں تین زرد رنگ کے کھر ہوتے ہیں، ایک بڑا آگے کی جانب نکلا ہوا اور دو اس کے دونوں طرف، اس کی دم لمبی نہیں ہوتی۔ آنکھیں کچھ نیچی اور ناک کی پھنگی پر اوپر کی طرف مڑا ہوا ایک سینگ ہوتا ہے۔ اس کا گوشت کھانے کی سعادت صرف برہمنوں کو حاصل ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک جوان گینڈے نے ایک ہاتھی پر جو اس کے سامنے آگیا تھا حملہ کر دیا۔ اپنے سینگ سے ہاتھی کی ایک ٹانگ کو زخمی کر دیا اور اسے زمین پر گرا دیا۔ میرا خیال تھا کہ گینڈا ہی کرگدن ہے لیکن ایک شخص نے جو جھش کے علاقے سفالا جا چکا تھا بتایا کہ وہاں کا ایک جانور کرگ جس کے سینگ سے چھریوں کے دستے بنائے جاتے ہیں اور جسے جشی امپیلہ کہتے ہیں گینڈے سے بہت ملتا جلتا جانور ہے۔ ہندوستان کے دریاؤں میں بھی دریائے نیل کی طرح گھڑیاں پائے جاتے ہیں۔ الجاحظ نے جو دریاؤں کے راستوں اور سمندروں کے نقشوں سے ناواقف تھا اس بات سے دھوکا کھا کر اپنی سادہ لوحی سے دریائے مہران (سندھ) کو نیل کی ایک شاخ سمجھ لیا تھا۔ ہندوستان کے دریاؤں میں مگر مچھوں اور گھڑیاؤں کے علاوہ اور بھی عجیب عجیب جانور پائے جاتے ہیں۔ ان میں عجیب طرح کی مچھلیاں ہیں اور ایک جانور مشک کی طرح کا ہوتا ہے جو کشتیوں کے سامنے آکر طرح طرح کے کھیل تماشے کرتا ہے اسے برلو کہتے ہیں۔ میرے خیال میں وہ ڈالین Dolphin یا

اسی کی کوئی قسم ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ڈالٹن کی طرح اس کے سر پر بھی سانس لینے کا سوراخ ہوتا ہے۔

بزاندہ سے سومنا تھ

اب ہم پھر اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ بزاندہ سے جنوب مغرب کی طرف ۲۰ فرسخ پر انہلو اڑہ ہے اور ۵۰ فرسخ کے فاصلہ پر ساحل پر سومنا تھ ہے۔ انہلو اڑہ سے جنوب کی طرف لارڈیش ہے۔ اس کے دو صدر مقام بھروج اور ربن جور ہیں جو انہلو اڑہ سے ۳۲ فرسخ کے فاصلے پر ہیں۔ یہ دونوں مقامات ساحل سمندر پر تانہ کے شرق میں ہیں۔

انہلو اڑہ سے لونہرائی

بزاندہ سے ۵۰ فرسخ مغرب کی طرف ملتان اور ۱۵ فرسخ پر بھاتی ہے۔ بھاتی سے ۱۵ فرسخ جنوب مغرب میں اردو ہے جو سندھ دریا کی دو شاخوں کے درمیان واقع ہے۔ یہاں سے بمبوہ یعنی المنصورہ ۶۰ فرسخ پر ہے پھر ۳۰ فرسخ پر دریائے سندھ کے دہانے پر لونہرائی ہے۔

قنوج سے کشمیر

قنوج سے شمال مغرب کی جانب ۵۰ فرسخ پر شرشارا ہے اور ۱۸ فرسخ پر پنجور ہے جو ایک پہاڑ پر واقع ہے۔ اس کے بالقابل میدان میں تھانیر ہے اور پہاڑ کے دامن میں ۱۸ فرسخ پر جالندھر کا دار الخلافہ دہالا ہے۔ پھر ۱۰ فرسخ کے فاصلے پر بلاور ہے، اس کے پچھم کی طرف ۱۳ فرسخ کے فاصلے پر لدہا ہے اور ۸ فرسخ پر راجگڑی کا قلعہ ہے اور یہاں سے ۲۵ فرسخ شمال میں کشمیر ہے۔

قنوج سے غزنی

قنوج سے مغرب کی طرف ۱۰ فرسخ پر دیا منو کوتی، انڑ میرت اور پانی پت ہیں۔ میرت اور پانی پت کے درمیان دریائے جمنہ ہے۔ پھر ۱۰ فرسخ پر کوتیل اور سنام ہیں۔ پھر شمال مغرب کی طرف آگے چل کر ۹ فرسخ پر دتاہو اور ۶ فرسخ پر جانیہر ہے۔ لوہاور کا صدر مقام ”منداہو کر“ ۸ فرسخ پر دریائے اراداکے پورب میں ہے۔ پھر ۱۲ فرسخ پر دریائے چندرہا ہے اور بیت دریا کے پچھم میں آٹھ فرسخ پر دریائے جہلم ہے پھر دریائے سندھ کے مغرب میں ۲۰ فرسخ کی راہ پر قندھار کا صدر مقام دیہندہ ہے پھر ۱۳ فرسخ پر پرشارہ، ۱۵ فرسخ پر دون پور، ۱۲ فرسخ پر کابل اور ۱۷ فرسخ پر غزنی ہے۔

کشمیر کے مختصر حالات

کشمیر ایک سطح مرتفع (Plateau) پر واقع ہے جو چاروں طرف سے دشوار گزار پہاڑوں سے گھرا

ہوا ہے، اس کا جنوبی اور مشرقی حصہ ہندوؤں کا ہے اور مغرب میں چند بادشاہوں کی حکومت ہے۔ قریب کے علاقے میں بولا رشاہ اور شکنان شاہ اور بدخشاں کی سرحد کے قریب واخن شاہ کی قلمرو ہے۔ اتر اور کچھ پورب کا علاقہ تبت اور کھوٹن کے ترکوں کا ہے۔ بھوٹیشتر کی چوٹی سے تبت کا فاصلہ براہ کشمیر ۳۰۰ فرسخ ہے۔ کشمیر کے باشندے پیادہ پا چلتے ہیں اور ان کے پاس سواری کے لئے ہاتھی اور دوسرے جانور نہیں ہیں۔ ان کے امراء کٹوں پر سواری کرتے ہیں۔ یہ ایک طرح کی پالکیاں ہیں جنہیں آدی اپنے کندھوں پر اٹھا کر چلتے ہیں۔ اپنے ملک کو محفوظ رکھنے کے لئے یہ لوگ دروں اور رہگزاروں کو احتیاط کے ساتھ بند رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے ان سے کسی قسم کا لین دین کرنا بہت مشکل ہے۔ پرانے زمانے میں ایک دو غیر ملکیوں خصوصاً یہودیوں کو یہاں آنے کی اجازت مل جاتی تھی لیکن اب یہ لوگ ان ہندوؤں تک کو جن سے یہ واقف نہیں داخل نہیں ہونے دیتے، دوسرے لوگوں کو اجازت ملنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ شہر کشمیر دریائے جہلم کے دونوں کناروں پر چار فرسخ تک آباد ہے۔ شہر کے دونوں کنارے پلوں اور کشتیوں کے ذریعے ملے ہوئے ہیں۔ جہلم دریا ہرم کوٹ پہاڑوں سے نکلتا ہے۔ دریائے گنگا بھی انہیں پہاڑوں سے نکلتا ہے۔ یہ پہاڑ نہایت سرد اور ناقابل عبور ہیں اور ان پر جمی ہوئی برف کبھی پگھل کر ختم نہیں ہوتی۔ ان پہاڑوں کے پار مہاجین یعنی بڑاچین ہے۔ شمال میں ہندوستان کی آخری سرحد یہی پہاڑ ہیں۔

### ہندوستان کی مغربی اور جنوبی سرحدیں

ہندوستان کے مغربی سرحدی پہاڑوں میں مختلف افغان قبیلے آباد ہیں۔ ان کا سلسلہ سندھ کے نواح تک پھیلا ہوا ہے۔ ہندوستان کی جنوبی سرحد پر سمندر ہے۔ اس کا ساحل مکران کے قصبے تیز سے شروع ہوتا ہے اور جنوب مشرق میں دیبل کی طرف ۴۰ فرسخ تک چلا گیا ہے۔ ان دونوں کے درمیان خلیج توران واقع ہے۔

اس خلیج کے بعد چھوٹا منہ، ہر بڑا منہ اور پھر بوارج یعنی کچھ اور سوماتھ کے قزاقوں کے قلعے اور ٹھکانے ہیں۔ ان کا یہ نام اس لئے پڑا کہ وہ کشتیوں میں بیٹھ کر سمندر میں قزاقی کرتے ہیں۔ ان کشتیوں کو بیڑہ کہتے ہیں۔ ساحل پر واقع مقامات یہ ہیں۔

دیبل سے ۵۰ فرسخ پر تولیش ۱۲ فرسخ پر لوہرائی ۱۲ فرسخ پر بگا، پھر ۶ فرسخ پر کچھ جہاں منگل درخت پیدا ہوتا ہے اور بروی ۱۴ فرسخ پر، کمبایت دودن کی راہ پر، اساول ۳۰ فرسخ پر بھروج ۵۰ فرسخ پر ”سندن“، ۶ فرسخ پر سوبارہ اور ۵ فرسخ پر تاند واقع ہیں۔

اس کے آگے لاران کا ساحلی علاقہ ہے جیمو راسی علاقے میں ہے۔ پھر ولجہ کا نجی اور دھارواڑ کے

شہر ہیں۔ اس کے بعد ایک کھاڑی ہے جس میں سنگل دیپ یعنی جزیرہ سرندیپ (لکا) واقع ہے، جھیل کے گرد بگیاور ہے۔ جب یہ شہر ویران ہو گیا تو یہاں جوڑنے پچھم کی طرف ساحل پر دوسرا شہر بنوایا اور اس کا نام پدنا رکھا۔

اس سے آگے ساحل پر آئٹل ٹارا ہے پھر رامیشر جو سرندیپ کے بالمقابل ہے۔ ان دونوں کے درمیان سمندر کا راستہ ۱۲ فرسخ ہے۔ بگیاور سے رامیش ۳۰ فرسخ ہے۔ رامیشر سے ستیو بند ۲ فرسخ ہے۔ ستیو بند کے معنی سمندر کا پل ہیں۔ یہ پل دسرتھ کے بیٹے رام نے لکا کے محل تک بنوایا تھا۔ اس وقت یہ غیر مسلسل پہاڑوں کی شکل میں ہے جس کے درمیان سمندر ہے۔ تیتو بندہ سے ۱۶ فرسخ مشرق میں کہکڈ یعنی بندروں کا پہاڑ ہے۔ بندروں کا بادشاہ روز بندروں کا جھنڈا ساتھ لے کر نکلتا ہے اور وہ پہلے سے ہی بنی ہوئی نشتوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔ اس ملک کے لوگ ان بندروں کے لئے چاول پکا کر تیار رکھتے ہیں اور اسے پتوں پر رکھ کر ان کو دیتے ہیں۔ چاول کھا کر بندر جھاڑیوں میں واپس چلے جاتے ہیں۔ اگر ان کے ساتھ غفلت کی جائے تو یہ علاقے کو برباد کر دیں کیونکہ ان کی تعداد کثیر ہے اور یہ بہت سرکش اور خونخوار ہیں۔ ہندوؤں کے نزدیک یہ انسان کی نسل سے ہی ہیں جنہیں اس وقت بندر بنوایا گیا تھا جب رام شیطین سے جنگ کر رہے تھے اور ایسا اس لئے کیا گیا تھا کہ وہ اس جنگ میں رام کی اچھی طرح مدد کر سکیں۔ رام نے ان کے لئے یہ گاؤں بھی وقف کر دیئے تھے۔ ہندوؤں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جو شخص ان میں پڑ جاتا ہے اور رام کی نظم اور رام کا منتر ان کو سنا تا ہے تو وہ کان لگا کر سنتے ہیں اور راستہ بھٹکے ہوئے کورا سے بٹلاتے ہیں اور کھلاتے پلاتے ہیں۔ بہر حال عام لوگوں کا عقیدہ یہی ہے۔

### بحر ہند اور بحر چین کے جزیرے

اس سمندر کے مشرقی جزیرے جو ہندوستان کی نسبت چین سے زیادہ قریب ہیں جزائر زنج ہیں۔ ہندوؤں جزایوں کو سورن دیپ یعنی سونے کے جزیرے کہتے ہیں۔ پچھم کی طرف کے جزیرے زنج اور درمیان کے جزیرے جزائر رم اور دیو (مالدیپ، لکا دیپ) کہلاتے ہیں ان ہی میں جزائر قمیر ہیں۔ دیپ (دیو) جزایوں کی یہ خاصیت ہے کہ یہاں نئے نئے جزیرے بنتے رہتے ہیں اور پرانے جزیرے ختم ہوتے رہتے ہیں۔ جب ختم ہونے والے جزایوں کے باشندوں کو ان جزایوں کے خاتمے کے آثار نظر آتے ہیں تو وہ نئے بنتے ہوئے جزایوں پر منتقل ہو جاتے ہیں اور اپنا تمام سامان اور اناج وغیرہ بھی ساتھ لے جاتے ہیں۔ یہ جزیرے اپنی پیداوار کی بنیاد پر دو قسموں میں بانٹ دیئے گئے ہیں۔ ایک کو دوا کھڈھا یعنی پیپوں کے جزیرے کہتے ہیں۔ ان پیپوں کو یہ لوگ ناریل کی شاخوں کے ذریعے کنارے پر جمع کرتے ہیں۔ دوسری قسم کے جزیرے دیوا کبار کہلاتے ہیں یعنی ناریل کی رسیوں کے جزیرے۔ یہ اسے کشتیوں کے ٹکٹوں کو باندھنے کیلئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں سرندیپ

کے کنارے موتی نکالے جاتے تھے لیکن اب یہاں موتی نکالنا بند ہو گیا ہے کیونکہ اب یہاں کے سمندر میں موتی نہیں ہیں۔ اب سفالہ جو بمبئی کے علاقے میں ہے، موتی نکالنے کا مرکز بن گیا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ سرندھپ کے موتی وہاں منتقل ہو گئے ہیں۔

### ہندوستان کا بارش کا موسم

ہندوستان میں گرمیوں کے زمانے میں مان سونی بارش ہوتی ہے۔ ہندو اس کو درشا کال کہتے ہیں۔ ملک کے شمالی حصوں میں بارش زیادہ اور دیر تک ہوتی ہے لیکن جو حصے پہاڑ کی اوٹ میں ہیں وہاں بارش نہیں ہوتی۔ ملتان کے لوگوں نے ہمیں بتایا کہ ان کے ہاں درشا کال نہیں ہوتا بلکہ جو ملک ان کے شمال میں پہاڑوں سے قریب ہے وہاں درشا کال ہوتا ہے۔ بھائل اور اندراویدی میں برسات کا موسم اسٹھ کے مہینے سے شروع ہوتا ہے اور چار مہینے تک موسلا دھار بارش ہوتی ہے جیسے مشکوں سے پانی اٹھایا جا رہا ہو اور شمال میں یعنی کشمیر کے پہاڑوں کے گرد و پیش جو دری کی چوٹی تک دونوں پورا پورا درشا اور کے درمیان ساون کے مہینے سے برسات شروع ہوتی ہے اور ڈھائی مہینے تک خوب بارش ہوتی ہے۔ لیکن اس پہاڑ کے دوسرے طرف مطلق بارش نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ برساتی بادل بھاری اور نیچے ہوتے ہیں۔ جب یہ بادل پہاڑوں کے پاس پہنچتے ہیں تو ان سے ٹکرا کر وہیں برس جاتے ہیں اور آگے نہیں بڑھتے۔ اسی لئے کشمیر میں درشا کال نہیں ہوتا۔ البتہ وہاں ڈھائی مہینے تک مسلسل برف باری ہوتی ہے۔ برف باری کا آغاز ماگھ کے مہینے سے ہوتا ہے پھر چتر کا آدھا مہینہ گزرنے کے بعد چند دن تک مسلسل بارش ہوتی ہے، اس سے برف پگھل جاتی ہے اور زمین صاف ہو جاتی ہے ایسی موسمی اور بے وقت کی بارش ہر جگہ کچھ نہ کچھ ہوتی رہتی ہے اور ہندوستان کا کوئی صوبہ اس طرح کی بارش سے خالی نہیں ہے۔

## باب ۱۹

## ستاروں کے نام، بروج اور چاند کی منزلیں وغیرہ

ہم اس کتاب کے آغاز میں ہی بتا چکے ہیں کہ ہندوؤں کی زبان میں اسماء کی اتنی کثرت ہے کہ وہ ایک ہی چیز کو کئی ناموں سے پکارتے ہیں۔ میں نے ہندوؤں سے سنا ہے کہ ان کے ایک ہزار نام ہیں۔ لامحالہ ہر ستارے کے نام بھی اتنے ہی یا اس کے قریب ہوں گے۔

## ہفتے کے دنوں کے نام

ان کے یہاں ہفتے کے دنوں کے نام ستاروں کے مشہور ناموں پر ہیں اور ان کے آگے ”بار“ کا لفظ اضافہ کر دیا جاتا ہے اور یہ لفظ ستاروں کے نام کے ساتھ اس طرح لگایا جاتا ہے جس طرح فارسی میں ہفتے کے دن کے عدد کے ساتھ ”شنبہ“ لگایا جاتا ہے۔ ان کے دنوں کے نام یہ ہیں:

اتوار	یعنی سورج کا دن	ادت بار
پیر	یعنی چاند کا دن	سوم بار
منگل	یعنی مریخ کا دن	منگل بار
بدھ	یعنی عطارد کا دن	بدھ بار
جمعرات	یعنی مشتری کا دن	برہسپتی بار
جمعہ	یعنی زہرہ کا دن	سکر بار
سنیچر جسے ہفتہ بھی کہتے ہیں۔	یعنی زحل کا دن	سنیچر بار

اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے یعنی اتوار سے سنیچر تک اور پھر اسی کا اعادہ۔ ہندو ستاروں کی ترتیب کو دنوں کی ترتیب کے مطابق رکھتے ہیں اور اپنی زنج اور دوسری کتابوں میں بھی اس ترتیب کو درج کرتے ہیں اور دوسری ترتیبوں سے مطلقاً اعتنا نہیں کرتے اور حالانکہ یہ ترتیبیں زیادہ صحیح ہیں۔

## ستاروں کی ترتیب

یونانیوں کے یہاں ستاروں کی صورتیں یا علامات ہیں جن کے ذریعے سے اسطرلاب پر ان کی حدود



قائم کی جاتی ہیں۔ یہ صورتیں حروف نہیں بلکہ ایک طرح کی تصویریں ہیں۔ اختصار کے لئے ہندو بھی یہی کرتے ہیں لیکن ان کے نشانات تصویریں نہیں بلکہ ہر ستارے کا نام کا پہلا حرف مثلاً سورج کے نام آدتیہ کا "آ"، اور چاند کے نام چندر کا "چ"، اور عطارد یعنی بدھ کے نام کا "با"۔

ذیل کے جدول میں ساتوں ستاروں کے مشہور نام درج کیے جاتے ہیں۔

ستارے	ہندوستانی زبان میں ان کے نام
سورج	آدتیہ، سور یہ، بھانوارک، دواکر، روی، چتا (؟)، بیللی۔
چاند	سوم، چند، اندو، ہماگو، ستارسی، ہمارسی، ستا، سوس، ستیا دی، دھتی، ہما کی۔
مرخ	منگل، بھومیہ، کج، ارا، وکر، اونیہ، ماہیا کر، کشی (؟)، رکت۔
عطارد	بدھ، سومیہ، چندا، جنہ، یو، دھن، دت (؟)، ہمنہ۔
مشتری	در، مہتی، گرد، جیوا، دیو، جیہ، دیو، پروہت، دیو، منتریں، انگریس، سوری، دیو پت۔
زہرہ	سکر، بھر، گوستا، بھارگو، استھی (؟)، دانو، گرو، بھر، گوپتر، اچھو جت (؟)
زحل	سنپٹر، مند، است، کون، آدتیہ، پتر، سور، ارک، سور یہ پتر

### بارہ سورج

سورج کے اتنے زیادہ نام ہونے کی وجہ سے مذہبی عالموں نے سورج کی تعداد کو بھی اتنا ہی سمجھ لیا چنانچہ ان کے نزدیک سورج بارہ ہیں جن میں ایک ایک ہر مہینے طلوع ہوتا ہے۔ سورج کے ساتھی چاند کے بھی بہت سے نام ہیں مثلاً ایک نام سوم ہے اس وجہ سے وہ مبارک ہے اور مبارک یا خوش نصیب کو سوم گرہ اور غم یا بد نصیب کو پاپ گرہ کہتے ہیں۔ چاند کا ایک نام شیش یعنی رات کا حاکم ہے۔ نکشتر تاتھ یعنی قمری منزلوں کا حاکم، دوی جیسو یعنی برہمنوں کا مالک۔ ستا، سول یعنی ٹھنڈی کرنوں والا یہ نام اس وجہ سے ہے کہ چاند آبی کرہ ہے جو زمین کے لئے ایک نعمت ہے اور جب سورج کی شعاع اس پر پڑتی ہیں تو یہ شعاع چاند آبی کرہ ہے جو زمین کے لئے ایک نعمت ہے اور جب سورج کی شعاع اس پر پڑتی ہیں تو یہ شعاع چاند کی طرح ٹھنڈی ہو کر پلٹی اور تاریکی کو روشن کرتی ہے رات کو خشک بناتی اور سورج کی گھلسانے والی گرمی کو بجھا دیتی ہے۔ چندر (جس کے معنی نارائن کی بائیں آنکھ ہے جس طرح آفتاب اس کی دائیں آنکھ ہے) اس کا مقبول نام ہے۔

مندرجہ ذیل جدول میں مہینوں کے جو نام درج ہیں ان میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اب تک کہ ہم نے جو نام لکھے تھے وہ مقامی بولیوں کے نام تھے۔ لیکن اس جدول میں جو نام درج ہیں وہ قدیم کتابوں سے ماخوذ ہیں۔

مہینے	قری منزلیں	مہینے	قری منزلیں
کار تک	۳ کر تکا	ویشاکھ	۱۶ اوشاکھ
	۳ روہنی		۱۷ انورا دھا
مارگاسر ش	۵ مرگاسر ش	جیشٹھ	۱۸ جیشٹھا
	۶ اردر		۱۹ مومل
پوش	۷ پڑواس	اشاڑھ	۲۰ پورواشاڑھ
	۸ پشیہ		۲۱ اتر اشاڑھ
ماگھ	۹ شلیس	شراون	۲۲ شراون
	۱۰ ماگھ		۲۳ دھنشت
پھالگن	۱۱ پوروا پھالگنی	بھادرا پاڑ	۲۴ ستا پھیش
	۱۲ اتر پھالگنی	بھادرا پاڑ	۲۵ پوروا بھادرا پاڑ
	۱۳ ہست	اشواہج	۲۸ ریوتی
جیتر	۱۴ چترا		۱۱ اشونی
	۱۵ سواتی		۲ بھیرانی

زحل کے نشانات زحل کے نشانات کے نام ان صورتوں سے مناسبت رکھتے ہیں جو ان نشانات کے طور پر مقرر ہیں۔ ہندوؤں میں بھی دوسری قوموں کی طرح یہی قاعدہ ہے۔ تیسرا نشان یا برج تھن کہلاتا ہے۔ اس لفظ کے معنی ہیں ایک کسن لڑکے اور لڑکی کا جوڑا اور یہی مطلب جڑواں کے اس نشان یا صورت کا ہے جو اس کے لئے مستعمل ہے ان برج کے بارے میں البیرونی نے ورہ میر کی تصانیف کے اقتباسات پیش کئے ہیں۔ اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ ورہ مشر نے مشہور ناموں کے ساتھ بعض ایسے نام بھی لکھے ہیں جو عام نہیں ہیں۔ پھر ان مشہور اور غیر معروف دونوں کی ایک جدول بھی بنائی ہے۔

## باب ۲۰

## برہمانڈ

برہما کے انڈے سے پانی کا نکلنا

برہمانڈ کے معنی ہیں برہما کا انڈا اور اس سے مراد پورا کرہ ایٹری ہے کیونکہ اس کرہ کی شکل گول ہے اور یہ حرکت بھی گولائی میں کرتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس لفظ کا اطلاق سارے عالم پر ہوتا ہے جو عالم بالا اور عالم زیریں میں بنا ہوا ہے۔ یہ لوگ آسمانوں کی گنتی کرتے ہیں تو ان کے مجموعہ کو برہمانڈ کہتے ہیں چونکہ ہندو علم ہیئت میں مہارت نہیں رکھتے اس لئے ان کے ہینکئی نظریات صحیح نہیں ہیں اور جیسا چاہئے ویسا تصور نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ زمین کو ساکت سمجھتے ہیں اور جنت کی نعمتوں کو دنیا کی نعمتوں سے مشابہ سمجھتے ہیں اور زمین کو دیوتاؤں اور فرشتوں کے رہنے کی جگہ قرار دیتے ہیں اور یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ان دیوتاؤں اور فرشتوں میں اوپر کی دنیاؤں سے نیچے کی دنیاؤں میں آنے جانے کی قوت موجود ہے۔

ہندوؤں کی معمولی جیسی روایات میں ہے کہ پانی ہر چیز سے قبل تھا اور دنیا کی ہر جگہ بھرا ہوا تھا۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ حالت روح بننے کے دن کی ابتداء (پروشاہور اتر)..... اور قالب کے بننے اور دونوں کے اتصال کے آغاز میں ہوگی۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ پانی میں سخت تہوج کی وجہ سے جھاگ پیدا ہو گیا تھا۔ تب اس پانی میں سے کوئی چیز باہر نکلی اور اس سے خالق نے برہما کا انڈا پیدا کیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ انڈا ٹوٹ گیا اور اس میں سے برہما برآمد ہوا۔ انڈے کے آدھے حصے سے اور دوسرے سے آسمان بنا اور درمیان میں چھوٹے چھوٹے ریزے یا ٹکڑے تھے وہ بارش بن گئے۔ اگر بارش کے بجائے پہاڑ کہتے تو زیادہ قہرین قیاس ہوتا اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ خدا نے برہما سے کہا ”ہم ایک انڈا پیدا کرتے ہیں اور اس میں تیری سکونت کی جگہ بنائے دیتے ہیں۔“ اور خدا نے اس انڈے کو مذکورہ بالا پانی کے جھاگ سے پیدا کیا لیکن جب پانی خشک ہو کر زمین میں جذب ہو گیا تو انڈے کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

پانی تخلیق کا پہلا عنصر ہے۔ برہما کے انڈے کا دو نیم ہو جانا

ہندوؤں کا یہ نظریہ کہ تمام مخلوقات میں پانی سب سے پہلے وجود میں آیا اس پر مبنی ہے کہ پانی ہی ہر چیز سے منتشر ذرات کو متحد کرتا ہے اور اس کی وجہ سے نمونہ پر چیزیں بڑھتی ہیں اور ہر ذی روح چیز میں زندگی یا جان پانی کی وجہ سے ہی ہے اور جب خالق مادے سے کوئی چیز پیدا کرنا چاہتا ہے تو پانی اس کے لئے آلہ یا اوزار کا ہندوؤں کا انڈے کے دو نیم ہو جانے کا نظریہ ثابت کرتا ہے کہ اس کا موجد عالم نہ تھا۔ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ آسمان زمین کو اسی طرح احاطہ کئے ہوئے ہے جس طرح برہما انڈے کا چھلکا اس کی زردی کو۔ اس نے زمین کو نیچے اور آسمان کو چھ سمتوں میں سے صرف ایک ہی سمت میں یعنی زمین سے اوپر سمجھا۔ اگر اس کو حقیقت حال معلوم ہوتی تو اسے انڈے کو دو نیم کرنے کی زحمت نہ کرنا پڑتی۔ بہر حال وہ اس نظریہ سے یہ بتانا چاہتا تھا کہ اس کے آدھے حصے سے زمین بنی اور دوسرے آدھے سے اس کا گنبد یعنی آسمان وجود میں آیا اور یہ کہہ کر وہ زمین کی سطح کے بیان میں بطلیموس سے بازی لے جانا چاہتا تھا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

(اس کے بعد الہیرونی نے ہندوستان کے بعض مصنفین مثلاً برہما گیتا، پلس، بل بھدر اور آریہ بھٹ کے نظریات پیش کئے ہیں اور ان پر تنقید کی ہے۔)

## باب ۲۱

ہندوؤں کے مذہبی نظریات کے مطابق زمین اور آسمان کی شکل  
ساتھ زمینیں

جن لوگوں کا ذکر ہم نے گزشتہ باب میں کیا ہے ان کے خیال میں زمین کے سات طبقے تہ بہ تہ ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس کی ایک کے اوپر ایک سات پرتیں ہیں اور اوپر کی تہ یا طبقہ سات حصوں میں بٹا ہوا ہے۔ لیکن یہ تقسیم ہمارے منجموں کی تقسیم سے مختلف ہے جنہوں نے زمین کو اقلیم میں تقسیم کیا ہے۔ ہندوؤں کی یہ تقسیم فارس کے لجمین کی تقسیم سے مختلف ہے جنہوں نے زمین کو اقلیم میں تقسیم کیا ہے۔ ہندوؤں کی یہ تقسیم فارس کے لجمین کی تقسیم سے بھی مختلف ہے کیونکہ فارس والوں نے زمین کو کشوروں میں تقسیم کیا ہے۔ ہم آگے چل کر ان کے نظریات کو صراحت سے سمجھائیں گے جیسا کہ ہم نے انہیں ہندو دھرم کے عالموں سے سمجھا ہے اور اس پر منصفانہ تنقید کریں گے۔ اگر اس میں کوئی بات نا مانوس نظر آئے گی یا کوئی ایسی بات ملے گی جو دوسری قوموں کے نظریات سے مطابقت رکھتی ہو تو ہم اسے بھی بیان کر دیں گے۔ اس لئے نہیں کہ اسے پڑھ کر قاری ہندوؤں کی مذمت کرے بلکہ صرف اس لئے کہ جو لوگ ان موضوعات کا مطالعہ کرتے ہیں ان کے فہم و فراست کو جلا پہنچے۔

## زمین کے ناموں اور ان کی ترتیب میں وسعت زبان کی وجہ سے اختلاف

ہندوؤں میں زمینوں کی تعداد اور اس کی بالائی سطح کے حصوں کی تعداد کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ ان کے ناموں اور ناموں کی ترتیب کے بارے میں اختلاف ہے اور میرے خیال میں اس اختلاف کا سبب زبان کی وسعت ہے کیونکہ ہندو ایک ہی چیز کو بے شمار ناموں سے پکارتے ہیں۔ مثال کے طور پر ان کے یہاں ان کے اپنے بیان کے مطابق سورج کے ایک ہزار نام ہیں جس طرح عربوں میں شیر کے۔ ان میں سے بعض نام اصل اور بعض اس کے مختلف احوال اور افعال سے مشتق ہیں۔ ہندو اور انہیں کے ہم خیال بعض دوسرے اپنی زبان کی اس وسعت پر فخر کرتے اور جبکہ حقیقت میں یہ کسی زبان کا سب سے بڑا عیب ہے کیونکہ زبان کا کام یہ ہے کہ تمام موجودات اور ان کے آثار میں سے

ایک کے لئے اتفاق رائے سے ایک نام (لفظ) متعین کر دے تاکہ اس لفظ کے سنتے ہی ہر شخص کہنے والے کا مطلب سمجھ لے اس کے برخلاف جب ایک ہی لفظ متعدد چیزوں کے لئے (یعنی متعدد معنوں میں) استعمال ہو تو اس سے زبان کا نقص ظاہر ہوتا ہے اور مخاطب کو بولنے والے سے پوچھنا پڑتا ہے کہ اس لفظ سے اس کا کیا مطلب ہے۔ ایسے تمام الفاظ کو زبان سے خارج کر کے اس کی جگہ پر ایسے الفاظ داخل کرنا چاہئیں جن کا مطلب واضح ہو اور جو ایک ہی مطلب پر دلالت کرتے ہوں۔ جب ایک ہی چیز کے بہت سے نام ہوں اس لئے نہیں کہ ہر قبیلے میں اس کے لئے ایک الگ نام استعمال ہوتا ہے یہ تو ان میں سے ایک ہی نام مطلب سمجھانے کے لئے کافی ہوتا ہے اور اس ایک کے علاوہ جتنے نام ہیں وہ لغو ہیں اور مطلب ظاہر کرنے کے بجائے اسے اور زیادہ چھپا دیتے اور پر اسرار بنادیتے ہیں۔ پھر زبان کی وسعت اس زبان کو سیکھنے کے خواہشمند لوگوں کے لئے چند در چند مشکلات پیدا کر دیتی ہے اور ان کا بہت ساقمیتی وقت ان پر غیر ضروری الفاظ کو یاد کرنے میں ضائع ہو جاتا ہے۔

مجھے اکثر یہ گمان ہوتا ہے کہ آیا کتاب کے مصنفوں یا بولنے والوں نے زمین کی ترتیب نہ بیان کر کے صرف اس کے نام گنادینے پر اکتفا کی ہے یا کاتبوں نے اپنی مرضی سے ان کے بولے ہوئے متن کو بدل دیا ہے۔ اس لئے کہ جو لوگ میرے لئے ترجمہ کا کام انجام دیتے تھے وہ سب زبان پر پوری قدرت رکھتے تھے اور دیانت دار بھی تھے۔

### آدتیہ پران میں زمین کا بیان

زمین کے جتنے نام مجھے معلوم ہیں وہ مندرجہ ذیل جدول میں درج کر دیئے گئے ہیں۔ ناموں کی یہ فہرست آدتیہ پران کے مطابق ہے کیونکہ اس میں یہ اصول برتا گیا ہے کہ ہر زمین اور آسمان کو آفتاب کے ایک عضو سے منسوب کیا گیا ہے سر سے پیٹ تک آسمانوں کے اور ناف سے ٹکڑے تک زمینوں کے نام ہیں یہ طریقہ اتنا واضح ہے کہ اس سے کسی قسم کا اشتباہ نہیں پیدا ہوتا۔

نام	عالم بولی میں ان	والایہ ان	پیشوا ان	آدتیہ پران	زمینوں کا نمبر
ان کے نام	ان کے نام	ان کے نام	ان کے نام	ان کے نام	ان کے نام
آفتاب	کرشن بھوم	ابھس تال	اتال	تال	ناف
ابھرتال	شکل بھوم روشن	اتال (۴)	داتال	ستال	رائیں
زمین					

iii	کھلے	پاتل	تال	تال	رکت بھوم سرخ زمین	سکر
iv	کھلے کے نیچے	آشال (۴)	ہست	بھس تال	پت بھوم زرد زمین	بھس ت
v	پنڈلیاں	وشال (۴)	مہاکھیہ (۴)	مہاتال	پاشان بھوم سرسری زمین	مہاتال
vi	ٹچے	سرتال	ستال	ستال	ھلا تال انٹیوں والی زمین	ستال
vii	تکڑے	رس تال	چاکر (۴)	پاتال	سورن درن سنہری زمین	رس تال

زمین کے بعد آسمان ہیں جو اوپر نیچے ساتھ طبق ہیں۔ انہیں لوک یعنی جمع ہونے کی جگہ کہتے ہیں۔ لوگوں کے ناموں میں ایسا اختلاف نہیں ہے۔ جیسا زمینوں کے ناموں میں ہے۔ البتہ ان کی ترتیب کے بارے میں اختلاف ہے۔ ہم ذیل کی جدول میں لوگوں کے نام دے رہے ہیں:

آدتیہ والی اور دشنو پرانوں کے آدتیہ پران کے مطابق وہ سورج آسمانوں کا نمبر شمار مطابق آسمانوں کے نام کے کس عضو سے منسوب ہیں

I	پیٹ	بھرلوک
II	سینہ	بھورلوک
III	منہ	سورلوک
IV	بھوئی (ابرو)	مہرلوک
V	ماتھا (پیشانی)	جن لوک
VI	ماتھے سے اوپر	تپ لوک
VII	کھوپڑی	ستیہ لوک

یہ تو تھا ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں کا بیان۔ اب ہم زمین کی اوپری سطح کے حصوں کا اور ان کا متعلقہ مضامین کا بیان کریں گے۔

دوہیپ اور سمندر

ہندوستان کی زبان میں دیپ (دوہیپ) جزیرے کو کہتے ہیں۔ اسی لفظ سے سنگل دیپ (سنہالا دیپ) بنا ہے جسے لوگ سرندیپ کہتے ہیں۔ دیپ جات (مالدیپ نکا دیپ) متعدد جزیروں کا مجموعہ ہے۔ ان جزیروں میں سے بعض کمزور ہو کر مٹ جاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے جزیرے پیدا ہو جاتے

ہیں۔ جب ختم ہوتے ہوئے جزیرے کے باشندوں کو جزیرے کے منٹے کے آثار نظر آتے ہیں تو وہ نئے جزیرے میں منتقل ہو جاتے ہیں اور اس میں اپنی آبادیاں قائم کر لیتے ہیں۔

ہندوؤں کی مذہبی روایات کے مطابق جس زمین پر ہم رہتے ہیں وہ گول ہے اور ایک سمندر سے گھری ہوئی ہے۔ اسی سمندر پر ایک دوسری زمین ہے جس کی شکل کے گلے کی مانند ہے۔ پھر اس زمین پر اسی طرح حلقے کی شکل کا ایک سمندر ہے۔ اس حلقے کی شکل کی خشک زمینوں کی تعداد سات ہے اور انہیں جزیرے کہتے ہیں۔ اسی طرح حلقے نما سمندر بھی سات ہیں۔ ان خشکیوں اور سمندروں کا حجم اس طرح ہے کہ ہر خشکی پچھلی خشکی کی دو گنا اور ہر سمندر پہلے سمندر کا دو گنا ہوتا ہے اور اسی طرح ساتوں زمینوں اور سمندروں میں سے ہر ایک کا حجم اپنے سے پہلے والے کا دو گنا ہوتا ہے یعنی اگر درمیانی زمین کا حجم ایک فرض کر لیں تو ساتوں خشکیوں کا حجم ۱۲۷ ہوگا۔ اسی طرح اگر درمیانی سمندر ایک ہوگا تو ساتوں سمندروں کا حجم ۱۲۷ ہوگا اور زمینوں اور سمندروں کا مجموعی حجم ۲۵۴ ہوگا۔

(آگے چل کر پانچویں اور دواہویں پر ان کے شارحوں کا مقرر کردہ زمینوں اور سمندروں کا رقبہ دیا ہے اور دنیا کا کل رقبہ معلوم کرنے کا ان کا بتایا ہوا طریقہ بھی نقل کیا ہے۔)



## قطب کے بارے میں روایات

ہندوؤں کی زبان میں قطب کو دھرو اور محور کو شلک کہتے ہیں۔ ہندو منجموں کے علاوہ دوسرے تمام ہندو ہمیشہ صرف ایک ہی قطب کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کی وجہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ آسمان گنبد (جس کا ذکر ہم کسی گزشتہ باب میں کر چکے ہیں) کی شکل ہے۔ دایوہ ان کے مطابق آسمان قطب کے گرد اس طرح گھومتا ہے جیسے کھار کا چاک اور قطب خود اپنے گرد گھومتا ہے اور اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتا اور گردش کا ایک دورہ تیس (۳۰) مہورتوں یا ایک نجومی شب و روز میں مکمل کرتا ہے۔

قطب جنوبی کا ذکر کرتے ہوئے الہیرونی نے ایک راجا کا قصہ نقل کیا ہے۔ راجا سوم دت جنہیں ان کے نیک کاموں کے بدلے میں جنت مل گئی تھی جنت میں اپنے جسم سمیت داخل ہونا چاہتے تھے۔ انہوں نے رشی وشٹ سے اپنی اس خواہش کی تکمیل کی درخواست کی لیکن ان کو جواب ملا کہ ایسا ممکن نہیں۔ وشٹ کے بچوں نے ان کا مذاق بھی اڑایا۔ اس کے بعد راجا رشی وشوامتر کے پاس گئے جنہوں نے راجا سے خوش ہو کر ان کے لئے ایک نئی جنت بنانا شروع کی۔ گویا اس طرح رشی نے جنوب میں قطب اور بنات العنش بنایا لیکن اندر نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا۔ رشی نے اندر کی بات مان لی لیکن اس شرط پر کہ راجا کو جنت میں اس کے جسم سمیت داخل ہونے دیا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ چنانچہ رشی بھی ایک دوسری دنیا کی تخلیق ہی باز آ گئے لیکن جو کچھ اس وقت تک بنا چکے تھے وہ باقی ہے۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ ہم لوگوں میں قطب شمالی کی علامت بنات العنش مقرر کی گئی ہے اور قطب جنوبی کی سہیل ہے لیکن ہمارے بعض اصحاب (مسلمان) جو جاہل عوام کی طرح یہ خیال کرتے ہیں کہ آسمان کی جنوبی جانب بھی شمال کی طرح کے بنات العنش ہیں اور یہ بنات العنش جنوبی قطب کے گرد گھومتے ہیں۔ یہ چیز محال ہے مگر حیرت انگیز نہ معلوم ہوتی اگر اس کا راوی کوئی ایسا معتبر شخص ہوتا جو بارہا سمندر کا دور دراز سفر کر چکا ہے۔ بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ جنوبی ملکوں میں بعض ایسے ستارے دکھائی دیتے ہیں جن سے ہم لوگ واقف نہیں.....

جب برہمانے انسان کو پیدا کرنا چاہا تو اپنی ذات کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ دائیں حصے کا نام درتج اور بائیں کام نام نور کھا گیا۔ اسی نام پر ایک زمانے کا نام من و نتر رکھا گیا۔ منو کے دو بیٹے ہوئے پریادرت اور اتاپد (یعنی ٹیڑھے پیروں والا راجا) اتاپد کے ایک بیٹے کا نام دھرتھا جس کی توہین اس کے باپ کی ایک بیوی نے کی تھی۔ اس کے صلے میں اسے تمام ستاروں کو جس طرح چاہے نچانے کی طاقت بخش دی گئی اور وہ سب بھوسن و نتر، یعنی سب سے پہلے منوتر میں ظاہر ہوا اور اس وقت سے ہمیشہ کے لئے اپنی جگہ قائم ہے۔

## باب ۲۳

## میر و پہاڑ کی بابت پران کے مصنفوں اور دوسروں کا عقیدہ

میر و پہاڑ اور زمین کے متعلق برہم گیتا کا بیان

میر و پہاڑ دو بیوں اور سمندروں کے بیچ واقع ہے اور جمود و پپ کا بھی مرکز ہے۔ اس لئے پہلے اسی کا بیان کرتے ہیں۔ برہم گیتا نے کہا ہے ”زمین اور میر و پہاڑ کے متعلق لوگوں کے طرح طرح کے خیال ہیں۔ خاص طور پر ان لوگوں کے جو پران اور مذہبی کتابیں پڑھتے رہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ”یہ پہاڑ بہت زیادہ بلند ہے۔ قطب کے نیچے واقع ہے اور ستارے اس کے دامن کے گرد چکر لگاتے ہیں اور ان کا ٹکٹنا اور ڈوبنا میر و پر منحصر ہے۔ اس کا نام میر واسی لئے رکھا گیا ہے کہ اسے ستاروں کے طلوع و غروب پر قدرت حاصل ہے اور سورج اور چاند اس کی چوٹی کی قوت سے ہی ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اس پر رہنے والے فرشتوں کے دن اور رات چھ چھ ماہ کے ہوتے ہیں۔“

”آگے چل کر اس ضوع سے متعلق بل بھدر کے نظریات پر تنقید کی ہے۔ آریہ بھٹ کے نظریات پر بھی جن کا حوالہ بل بھدر نے دیا ہے المیرونی کی تنقید ہے۔ موخر الذکر کے بیان میں المیرونی نے بتایا ہے کہ اس نام (آریہ بھٹ) کے دو شخص تھے۔ ایک آریہ بھٹ پورا اور دوسرا آریہ بھٹ کسم پورا۔ المیرونی نے لکھا ہے ”ہم نے آریہ بھٹ کسم پورا کی کتاب میں پڑھا ہے کہ میر و پہاڑ ہاؤنٹ یعنی منطقہ بارہ میں ہے اور ایک یو جن سے زیادہ بلند نہیں ہے۔“

(یہ شخص آریہ بھٹ کبیر نہیں بلکہ اس کے شاگردوں میں ہے کیونکہ وہ اس کا حوالہ دیتا اور اس کی پیروی کرتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ بھدر نے ان دونوں ہم نام شخصوں میں سے کس کو مراد لیا ہے)۔

الغرض اس پہاڑ کی جائے وقوع کے حالات ہم کو صرف قیاس سے معلوم ہیں اور خود پہاڑ کے بارے میں بھی ان لوگوں کو جو کچھ معلوم ہے اس کا سرچشمہ روایات ہیں۔ ان روایات میں سے بعض میں اس کی اونچائی ایک یو جن بتائی گئی ہے۔ بعض روایات میں اسے مربع اور بعض میں مٹمن کہا گیا ہے۔ رشیوں نے اس پہاڑ کے متعلق جو کچھ کہا ہے۔ اب ہم اسے بیان کرتے ہیں۔

(اس کے بعد پرانوں کے اقتباسات دیئے ہیں اور پانچجلی کے شارح کا نظریہ پیش کیا ہے۔)

### میر و کے بارے میں بدھوں کے بیانات

میر و پہاڑ کے بارے میں ہندوؤں کی روایات سے اتنا ہی معلوم ہو سکا۔ چونکہ مجھے اب تک بدھ دھرم کی کوئی کتاب نہیں ملی ہے اور نہ کسی بدھ عالم سے میری ملاقات ہوئی ہے کہ جس سے اس پہاڑ کے بارے میں اس کے خیالات کا پتہ چلتا، اس لئے ان کے خیالات کے بارے میں ہم جو کچھ بیان کریں گے ایران شہری کے حوالے سے بیان کریں گے۔ حالانکہ میرے خیال میں انہوں نے نہ تو خود اس معاملے کی تحقیق کی ہے اور نہ کسی محقق سے سن کر بیان کیا ہے۔ بہر حال ان کے بیان کے مطابق بدھ دھرم کے ماننے والوں کا عقیدہ یہ ہے کہ میر و پہاڑ چار دنیاؤں کے درمیان چاروں سمتوں میں واقع ہے۔ اس کا پچلا حصہ مربع اور اوپر کا حصہ گول ہے اور اس کی لمبائی ۸۰،۰۰۰ یو جن ہے۔ اس کا نصف آسمان کی طرف بلند ہو گیا ہے اور نصف زمین کے اندر سما گیا ہے۔ اس کا جنوبی پہلو جو ہماری دنیا سے ملا ہوا ہے نیلم کا ہے۔ آسمان اسی وجہ سے ہمیں نیلا دکھائی دیتا ہے۔ اس کے باقی تین اطراف سرخ، زرد اور سفید موتیوں کے ہیں۔ نیز یہ کہ میر و پہاڑ زمین کا مرکز ہے۔

### باب ۲۴

## سات دوپیوں میں سے ہر ایک کے بارے میں پرانوں کی

### روایات

#### متسیا اور وشنو پرانوں میں دوپیوں کا بیان

ہم اپنے قارئین سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس بات سے نہ گھبرائیں کہ اس باب میں آنے والے مضامین اور آسمان کے لئے نامانوس ہیں اور عربی میں ان سے ملتے جلتے اسما موجود نہیں ہیں۔ ناموں کے اختلاف کی توجیہ آسان ہے اس لئے کہ اس اختلاف کا سبب زبانوں کا اختلاف ہے۔ جہاں تک مضامین کے اختلاف کا تعلق ہے تو یہ اس لئے ہے کہ ہم نے ان کو صرف اس لئے بیان کیا ہے کہ ان میں ہمیں کوئی ایسی بات معلوم ہوئی جو مسلمانوں کے لئے بھی قابل قبول ہے یا پھر کسی نظریے کے

کھوکھلے پن کو ظاہر کرنے کے لئے ایسا کیا ہے۔

۱۔ جمبودو پ: ہم مرکزی جزیرے کا ذکر اس پہاڑ کے حالات کے ذکر کے ساتھ کر چکے ہیں جو زمین کے وسط میں واقع ہے۔ اس جزیرے کا نام جمبودو پ ایک درخت کی وجہ سے رکھا گیا ہے جو اس جزیرے میں ہے اور جس کی شاخیں سو یو جن تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اس جزیرے کا پورا بیان کسی آئندہ اور باب میں زمین اور اس کے حصوں کے بیان کے موقع پر ہوگا۔ اس وقت ہم ان جزیروں کا ذکر کریں گے جو جمبودو پ کے چاروں طرف ہیں۔ ان جزیروں کے ناموں بیان کیا ہے جو مشیا پران کی پیروی کریں گے۔

(اس کے بعد چھ جزیروں کا احوال بیان کی ترتیب میں ہم معیا اور وشنو پرانوں کے مطابق ہے۔ اس کے بعد ان جزیروں سے متعلق بعض مذہبی روایات اور تعجب خیز باتیں بیان کی ہیں۔ مثلاً یہ کہ ان جزیروں کے باشندوں کی عمریں تین ہزار سال سے گیارہ ہزار سال تک کی ہوتی ہیں۔ نیچے جو اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں ان میں سے ان حصوں کو حذف کر دیا گیا اور جزیروں کے جغرافیائی حالات اور وہاں کے باشندوں کی معاشرتی خصوصیات کو ہی شامل کیا گیا)۔

## ۲۔ شاک دوپ:

اب ہم شاک دوپ کا حال بیان کرتے ہیں۔ اس میں سات بڑے بڑے دریا ہیں جن میں سے ایک پاکی میں گزگا کے برابر ہے۔ اس میں سات پہاڑ ہیں جو جواہرات سے مزین ہیں۔ ان پہاڑوں میں سے بعض پر دیوتا رہتے ہیں اور بعض پر شیاطین آباد ہیں۔ ان میں ایک پہاڑ سونے کا ہے جو بہت اونچا ہے۔ اس پہاڑ سے اٹھنے والے بادل ہمارے یہاں پانی برساتے ہیں۔ ایک پہاڑ میں کل دوائیں ہیں شاک دوپ کے باشندے نیک اور بڑی عمر کے ہوتے ہیں۔ حرص و حسد سے پاک ہونے کی وجہ سے انہیں بادشاہوں کی حکومت کی ضرورت نہیں ہے۔ ان میں بھی چاروں رنگ یعنی ذاتیں ہیں۔ ایک ذات کے لوگ دوسری ذات والوں سے نہ ملتے ہیں اور نہ آپس میں شادیاں کرتے ہیں۔ ان کی ذاتیں یہ ہیں: آریک، کرر، دو مس (دو اما) اور بھاون (؟) یہ سب واسود یو کی پوجا کرتے ہیں۔

## ۳۔ کش دوپ:

تیسرا جزیرہ کش دوپ ہے۔ اس جزیرے میں جواہرات، میوے، خوشبودار بوٹیوں اور غلے سے بھرے ہوئے سات پہاڑ ہیں۔ اس جزیرے میں سات ریاستیں اور بے شمار دریا ہیں جو سمندر تک جاتے ہیں جہاں اندران کو بارش میں بدل دیتا ہے۔ اس کے بڑے دریاؤں میں سے ایک جونو (جننا) ہے جو گناہوں کو دھو دیتا ہے۔ یہاں کے باشندے نیک اور گناہوں سے پاک ہیں۔ یہ لوگ جنادھن کی

پوچھا کرتے ہیں۔ ان کی ذاتوں کے نام دامن، سوٹمن، سنیہہ اور مند بہہ ہیں۔

#### ۴۔ کرونچ دوپپ:

چوتھے جزیرے کرونچ دوپپ میں جواہرات کے پہاڑ ہیں۔ یہاں کے دریا گنگا کی شاخیں ہیں۔ یہاں کی ریاستوں میں رہنے والے گورے چٹے نیک اور پاکباز ہیں۔ دشمنوں پر ان میں ہے کہ وہاں کے سب لوگ مل جل کر ساتھ ساتھ رہتے ہیں اور ان میں کسی قسم کا امتیاز موجود نہیں ہے۔ مگر آگے چل کر ان کے طبقات کے نام یہ بتاتے ہیں۔ پشکر، پشکل، دھنوا اور ترشیہہ (?) یہ سب جنار دھن کی پرستش کرتے ہیں۔

#### ۵۔ شال مل دوپپ:

پانچویں جزیرے، شال مل دوپپ میں پہاڑ اور دریا ہیں۔ یہاں کے باشندے پاک، طویل العمر اور حلیم ہیں۔ ان کو کبھی غصہ نہیں آتا۔ یہاں کبھی قحط نہیں پڑتا اور نہ کسی چیز کی کمی آتی ہے۔ بھوک لگتے ہی کھانا ان کے سامنے آ جاتا ہے۔ اس کے لئے انہیں کھیتی یا اور کوئی کام نہیں کرنا پڑتا۔ ان کو زمین جائیداد کی طرف کوئی رغبت نہیں اس لئے ان کو بادشاہوں کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے یہاں آب و ہوا ایک سی رہتی ہے اور گرمی اور سردی کی حالت میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ اس لئے انہیں سردی یا گرمی سے بچنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کے یہاں بارش نہیں ہوتی بلکہ پانی زمین سے نکلتا اور پہاڑوں سے نپکتا ہے۔ اس کے بعد کے جزیروں کا بھی یہی حال ہے۔ یہ لوگ خوبصورت ہوتے ہیں اور بھگوت کی پرستش کرتے ہیں۔ یہ لوگ آگ پرندریں چڑھاتے ہیں۔ ان کی ذاتوں کے نام کپل، ارن، پیت کرشن ہیں۔

#### ۶۔ گومیڈ ادوپپ:

چھٹے جزیرے، گومیڈ ادوپپ میں دو بڑے پہاڑ ہیں۔ ایک کا نام سمنس ہے اور یہ گہرے سیاہ رنگ کا ہے۔ یہ پہاڑ جزیرے کے بڑے حصے کو گھیرے ہوئے ہے۔ دوسرا پہاڑ کودا ہے یہ سنہرے رنگ کا ہے بہت زیادہ اونچا ہے اور اس میں تمام دوائیں موجود ہیں۔ اس جزیرے میں دور یاتیس ہیں۔ دشمنوں ان کے مطابق یہاں کے باشندے نیک ہیں اور گناہ نہیں کرتے۔ یہ لوگ وشنو کی عبادت کرتے ہیں۔ ان کی ذاتوں کے نام مرگ، ماگدھ، مانس اور مندگ ہیں۔ یہاں کی آب و ہوا اتنی صحت بخش اور لطیف ہے کہ جنت کے لوگ ہوا کھانے کے لئے کبھی کبھی یہاں آتے ہیں۔

۷۔ پشکر دوپپ: ساتویں جزیرے پشکر دوپپ کے جیسا کہ معیار پر ان میں لکھا ہے مشرقی حصے میں چتر سال نامی پہاڑ ہے جس میں رنگ برنگے موتیوں کے نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔ اس کی اونچائی ۳۴,۰۰۰ یو جن اور اس کا رقبہ ۲۵,۰۰۰ یو جن ہے اس کے مغربی حصے میں مانس پہاڑ ہے جو

پورے چاند کی طرح روشن ہے۔ اس کی اونچائی ۲۵,۰۰۰ یون ہے۔ اس کے مشرق میں دو ریائیں ہیں۔ ان کے لئے پانی زمین سے ابلتا اور پہاڑ سے ٹپکتا ہے۔ ان کے یہاں بارش نہیں ہوتی اور نہ کوئی دریا بہتا ہے۔ ان کے یہاں نہ گرمی پڑتی ہے اور نہ سردی، یہ سب ایک قوم ہیں اور ان میں ذات پات کا امتیاز نہیں ان کے یہاں قحط نہیں پڑتا نہ یہ لوگ بوڑھے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ گویا جنت کی فضا میں رہتے ہیں۔ اس لئے ان کے یہاں نہ نوکری نہ بادشاہت نہ گناہ نہ حسد نہ جھگڑا ہے اور نہ تکرار نہ کھیتی کی مشقت ہے نہ تجارت کی محنت و شنو پران کے مطابق یہاں کے تمام باشندے برابر ہیں اور کوئی کسی پر اپنی فضیلت نہیں جلاتا ہے۔ اس دیپ میں صرف ایک پہاڑ ہے جس کے نام مانسو تھا ہے اور یہ گول شکل کا ہے۔ اس پہاڑ کی چوٹی سے تمام دویپ نظر آتے ہیں کیونکہ اس کی اونچائی ۵۰,۰۰۰ یون جن ہے اور چوڑائی بھی اتنی ہی ہے۔

## باب ۲۵

## ہندوستان کے دریا، ان کے سرچشمے اور راستے

یورپ اور ایشیا کے دریا ہمالیہ اور اس کے مشرقی اور مغربی سلسلوں سے نکلتے ہیں۔ مسیائے ان اور واپو پران میں جمہود وپ میں بننے والے دریاؤں کا ذکر موجود ہے۔ ان پرانوں کے مطابق یہ دریا ہماونت پہاڑ سے نکلتے ہیں۔ ذیل کی جدول میں ہم نے ان کی گنتی درج کر دی ہے لیکن کسی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا۔ قاری کو یہ بات ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ یہ پہاڑ ہندوستان کی قدرتی سرحد ہیں۔ ہندوستان کے شمال کی جانب برف پوش ہماونت پہاڑ ہے۔ اس کے وسط میں کشمیر ہے۔ ان پہاڑوں کا سلسلہ ترکستان سے مل گیا ہے۔ اس کی ٹھنڈی چوٹیاں آباد دنیا کے کناروں اور میرو پہاڑ تک پھیلی ہوئی ہیں۔ چونکہ اس پہاڑ کا پھیلاؤ طول البلد میں ہے اس لئے جو دریا اس کے شمال کی طرف سے نکلتے ہیں وہ ترکستان، تبت، خزر اور سلوونیوں کے شمالی سمندر (بالک) میں گرتے ہیں اور جو دریا جنوب کی جانب نکلتے ہیں وہ ہندوستان میں بہتے ہوئے اکیلے یا دوسرے دریاؤں کے ساتھ مل کر بڑے سمندر میں گرتے ہیں۔

ہندوستان کے دریا یا تو شمال کے سرد پہاڑوں سے نکلتے ہیں یا مشرق کے پہاڑوں سے یہ دونوں دراصل ایک ہی پہاڑی سلسلے کی کڑیاں ہیں (جو مشرق کی جانب بڑھ کر جنوب کی طرف مڑ گیا ہے) اور بڑے سمندر تک پہنچ گئے ہیں اور رام کے پل کے پاس مندر میں داخل ہو گئے ہیں۔ گری اور سردی کے اعتبار سے ان پہاڑوں میں بہت فرق ہے۔ ذیل میں دریاؤں کے نام کی جدول پیش کی جاتی ہے۔

سندھ یا	سارادریا	اروتی لاہور کے	بیابالاہور کے	چندر بھاگ یا	پیتایا جہلم	سندھ یا
شیل دار	مشرقی جانب	مغربی جانب	چندر ہا	دے ہند کا دریا	دے ہند کا دریا	دے ہند کا دریا
وہو	دے دیکا	سراویا سردا	گنگا	جون	سلاست ملک	سلاست ملک

نچر	کوشکی	بہوداس	ویشال	وہتا پ	گومتی	گومتی
وید سمرتی	پرناس	تامرارن	ورشدوتی	لوہت	گندک	گندک

ودیشا	چرمن وتی	پار	کاون	چندن	وداسنی
		شماہن	کرنویا	سپراپریا	وینوتی
				تراسے	
				نکلتا اور	
				اجین سے	
				گزرنا	
				ہے	

### پنجاب کے دریا

دریائے جہلم کا نام اس کے مغربی کنارے پر واقع شہر جہلم کے نام پر ہے۔ جہلم اور چندراپادونوں دریا جہر اور سے پچاس میل اوپر ایک دوسرے میں مل جاتے ہیں اور ملتان کے پچھتم سے گزرتے ہیں۔ دریائے بیاہ ملتان کے شرق سے گزر کر چندراپاد اور بیات میں مل جاتا ہے۔ اسی کو مقامی لوگ ویت کہتے ہیں۔

دریائے گاج جو بھاتل کے پہاڑوں میں نگر کوٹ سے نکلتا ہے دریائے ارواد میں مل جاتا ہے۔ اس کے بعد یہاں کا پانچوں دریا شملدر (ستج) ہے جب یہ پانچوں دریا ملتان کے نیچے ایک مقام پنج ند (یعنی پانچوں دریاؤں کا سنگم) پر مل جاتے ہیں تو ان کا پاٹ بہت بڑا ہو جاتا ہے۔ سیلاب کے زمانے میں اس کا پاٹ دس فرسخ تک پھیل جاتا ہے اور پانی کی سطح اتنی بلند ہو جاتی ہے کہ درخت اس میں ڈوب جاتے ہیں اور بعد میں جب پانی اترتا ہے تو سیلاب کے پانی کے ساتھ بہہ کر آنے والا کوڑا کرکٹ ان کی شاخوں پر اس طرح رکھا ہوا ملتا ہے جیسے کسی چڑیا کا گھونسلہ۔

جب دریائے سندھ اپنے معاون دریاؤں کے ساتھ مل کر سندھ کے شہر اور سے آگے بڑھتا ہے تو مسلمان اسے دریائے مہران کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہ دریا سیدھا بہتا رہتا ہے اس کا پاٹ چوڑا ہوتا رہتا ہے اور پانی بھی صاف سے صاف تر ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ منصورہ تک پہنچ جاتا ہے جو اس کی شاخوں کے درمیان واقع ہے اور دو جگہوں پر سمندر میں گر جاتا ہے۔ ایک شہر لوہارانی کے قریب اور دوسرے سندھ ساگر (یعنی بحر سندھ) کے مقام پر جو کسی قدر مشرق میں کچھ کے صوبے میں واقع ہے۔ دریائے سرستی سومات سے ایک تیر کے فاصلے پر سمندر میں گرتا ہے۔

### ہندوستان کے مختلف دریا

دریائے جون قنوج کے نیچے دریائے لنگا سے مل جاتا ہے۔ قنوج لنگا کے مغربی جانب واقع ہے۔



پھر یہ دونوں ملے ہوئے دریا گنگا ساگر کے قریب بڑے سمندر میں گر جاتے ہیں۔ دریائے سرستی اور دریائے گنگا کے دہانوں کے درمیان دریائے نرما کا دہانہ ہے۔ نرما اپورب کے پہاڑوں سے نکلتا ہے اور جنوب مغرب میں بہتا ہوا بھڑوچ کے مقام پر (جو سوماتھ سے ساٹھ یو جن کے فاصلے پر ہے) سمندر میں گر جاتا ہے۔ دریائے گنگا کے پیچھے دریائے رہب اور کاوئی بہتے ہیں جو باڑی شہر کے قریب دریائے سرو میں مل جاتے ہیں۔

دریائے گنگا جو وسطی اور اصل ہے گندھڑ، گویوں، کنار، یکشوں، راکشس و دھیا دھر، ارگ (یعنی اپنے سینوں میں ریگنے والے سانپ) کلپا گرام (نیک لوگوں کا گاؤں) کم پر دوش، کھاسا پہاڑی لوگ کرت، پلندا، میدان کے شکاری، ڈاکو کرو، بھرت، اپنجال، کوشک (؟) ستیا، ماگدھ، برہموترا اور ثمالپت میں ہوتی ہوئی بہتی ہے۔ یہ اچھے اور برے لوگ ہیں جن کے علاقوں سے گنگا گزرتی ہے۔ اس کے بعد یہ دندھیا پہاڑ کی گھاٹیوں میں (جہاں ہاتھی رہتے ہیں) داخل ہوتی ہے اور بعد میں جنوبی سمندر میں گر جاتی ہیں۔ گنگا کی مشرقی شاخوں میں سے دریائے ہارونی ان ملکوں میں ہو کر بہتی ہے نشب، اپکان، دھی وڑ، پرشک، نیلاکھ، کیکر، اشترا کرن (وہ لوگ، جن کے ہونٹ کانوں کی طرح گھومے ہوئے ہوتے ہیں) کرت، کلی، وڑ، یورن (وہ لوگ جو بے انتہا کالے ہیں اور اس وجہ سے بے رنگ کہلاتے ہیں) کوشی کن اور سورگ بھوم (جنت کا نمونہ) کے علاقوں سے گزرنے کے بعد یہ مشرقی سمندر میں گر جاتی ہے۔

## باب ۲۶

## ہندو منجموں کے خیال کے مطابق زمین اور آسمان کی شکل قرآن تمام تحقیق کی واضح اور صحیح بنیاد ہے

ان مسائل کے بارے میں جس طرح ہندوؤں نے سوچا اور سمجھا ہے وہ ہم مسلمانوں کے مسلک کے برعکس ہے۔ ان مسائل کے بارے میں اور ایسے دوسرے مسائل کے بارے میں جن کا جاننا انسان کے لئے ضروری ہے۔ قرآن کی جو آیات ہیں وہ ایسی نہیں ہیں جن سے ان حقائق کا استنباط کرنے کے لئے ان کی دور از کار تاویل کرنا پڑے یہی حالت ان صحیفوں کی بھی ہے جو قرآن سے پہلے نازل ہوئے۔ ان امور کے بارے میں جنہیں جاننا انسان کے لئے ضروری ہے قرآن کی آیات نہ صرف واضح اور ابہام سے پاک ہیں بلکہ دوسرے مذہبی صحیفوں سے مکمل طور پر ہم آہنگ بھی ہیں۔

### ہندو اپنے نجومیوں کا بہت احترام کرتے ہیں

ہندوؤں کی مذہبی کتابوں اور روایات کے مجموعوں یعنی پرانوں میں دنیا کی شکل و صورت کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اسے ہندو منجمین حقیقت کے برعکس جانتے ہیں لیکن ہندو اپنی مذہبی رسوم ان کتابوں کے مطابق انجام دیتے ہیں اور ان کتابوں کے اثر سے ہندو عوام میں ستاروں کی چال اور ان کا نسائی تقدیر پر اثر معلوم کرنے اور مستقبل کے بارے میں فال لینے کا رجحان پیدا ہو گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ انہیں نجومیوں سے بڑی عقیدت ہے اور وہ نجومیوں کو نہایت نیک اور ان سے ملنے کو اپنے لئے بابرکت جانتے ہیں۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ نجومی سب کے سب جنتی ہیں اور ان میں سے کوئی بھی دوزخ میں نہیں جائے گا۔

### نجومی عوامی عقیدوں کی رعایت رکھتے ہیں

نجومی عوام کے خیالات سے اتفاق ظاہر کرتے ہیں اور ان کی تصدیق کرتے ہیں۔ اگرچہ ان میں بیشتر حقیقت کے منافی ہیں نیز یہ کہ عوام کے ان خیالات کو مذہبی رنگ میں پیش کرتے اور اس طرح عوام کی رو بہ زحمت پوری کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عام نظریات اور علمی

نظریات خلط ملط ہو گئے ہیں اور منجمین کے نظریات میں الجھاؤ اور ابہام پیدا ہو گیا، خصوصاً ان لوگوں کے نظریات میں جو تحقیق کے بغیر اصول کو روایات سے اخذ کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔

زمین کے گول ہونے، میر و پہاڑ اور وادو کھ کے متعلق نجومیوں کے خیالات

اب ہم موضوع زیر بحث، یعنی آسمان اور زمین کی شکل و صورت کے بارے میں ہندو نجومیوں کے نظریات بیان کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں آسمان اور کل دنیا گول ہے زمین کی شکل کرؤی..... ہے۔ اس کا شمالی نصف حصہ خشکی ہے اور جنوبی نصف پانی میں ڈوبا ہوا ہے۔ زمین کا محیط ہندوؤں کے خیال میں اس سے زیادہ جتنا یونانیوں کے نزدیک ہے یا جو حالیہ مشاہدات سے معلوم ہوا ہے۔ ان کے بعد لوگوں نے البتہ زمین کے حدود کا حساب لگانے میں روایتی سمندروں اور درو پیوں کے فرضی حدود، جو ہزاروں یوجن کے تھے کو شمار نہیں کیا ہے لیکن ان باتوں میں جن سے ان کے فن میں خلل نہیں پڑتا دینی عالموں کی پیروی کرتے ہیں مثلاً میر و پہاڑ کا قطب شمالی کے نیچے ہونا یا وادو کھ جزیرے کا قطب جنوبی کے نیچے ہونا۔ میر و پہاڑ وہاں ہو یا نہ ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کے باوجود کوآسیائی گردش کی تاویل کے لئے اسے بطور محور فرض کر لیا گیا ہے۔ اس کی ضرورت اس نظریہ کی تاویل کے لئے بھی پڑی کہ زمین کے ہر نقطے کے بالمقابل آسمان پر بھی ایک نقطہ موجود ہے۔ اسی طرح جنوبی جزیرے وادو کھ کا وجود بھی فن ہیئت کے لئے بے ضرر ہے۔ یہ ممکن بلکہ ضروری ہے کہ زمین کے چاروں حصوں میں سے دو حصے مسلسل خشکی کے ہیں اور دو حصے پانی یا سمندر کے نیچے ڈوبے ہوئے ہیں (اور حقیقت میں قطب جنوبی کے نیچے اس قسم کا کوئی جزیرہ موجود نہیں ہے)۔ زمین کی اس ہیئت کو ایسے فرض کرنا زمین کی کشش کے اصول کے پیش نظر ضروری ہے کیونکہ ان کے نظریے کے مطابق زمین کائنات کے وسط میں ہے اور تمام چیزیں زمین کی طرف کھینچتی ہیں۔ غالباً کشش کے اسی قانون کے پیش نظر انہوں نے آسمان کو بھی کرؤی شکل کا سمجھ لیا ہے۔

(اس کے بعد پلس کے سدھانت اور برہم گیتا کے برہما سدھانت کے اقتباسات پیش کئے ہیں آریہ بھٹ و سستھا اور لاٹ کے بھی حوالے دیئے ہیں)۔

زمین کے گول ہونے، شمالی اور جنوبی نصف کروں میں کشش کا توازن اور کشش

کے اثرات کی توجیہات

آسمان زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے ان کا کرؤی ہونا زمین کا وسط کائنات میں ہونے

نیز دکھائی دینے والے آسمانی حصے کے مقابلے میں زمین کا بہت چھوٹا ہونا ان امور کے بارے میں ہندو علمائے نجوم کے اقوال بیان ہوئے ہیں۔ یہ خیالات علم ہیئت کے ابتدائی اصول کے طور پر احمطی اور دوسری کتابوں کے پہلے باب میں بیان کئے گئے ہیں۔ پھر ہندوؤں کے ان اقوال میں وہ قطعیت اور علمی انداز نہیں ہے جس طرح ہم لوگوں کے یہاں پایا جاتا ہے۔

۱) آگے کی عبارت غائب ہے)

زمین پانی سے بھاری ہے اور پانی ہوا کی طرح سیال ہے۔ زمین کا کروہی ہونا ایک طبعی ضرورت ہے اور جب تک خدا اس کی شکل کو نہ بدلنا چاہے اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ زمین کا شمال کی طرف اور پانی کا جنوب کی طرف اس طرح ہٹ جانا کہ پورا ایک نصف خشکی اور دوسری نصف پانی یا سمندر ہو جائے ممکن نہیں ہے یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب ہم زمین کے خشک حصے کو کھوکھلا فرض کر لیں۔

ہم کو استقرا سے جو کچھ معلوم ہوا ہے اس کے مطابق شمالی دور یعوں میں سے ایک ربع خشکی ہے اور یہی حال جنوبی حصے کا بھی ہے۔ جزیرہ دادو دکھ کے وجود کا امکان ہے لیکن اس کے ثبوت میں ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس جزیرے اور میر و پہاڑ کے بارے میں ہم جو کچھ جانتے ہیں وہ روایات پر مبنی ہے۔ زمین کے جس ربع کا حال ہمیں معلوم ہے اس کے اور سمندر کے درمیان خط استوا کو حد فاصل نہیں سمجھا جاسکتا کیونکہ بعض جگہوں پر خشکی سمندر میں داخل ہو کر دور تک چلی گئی ہے اور خط استوا سے آگے نکل گئی ہے جیسے مغرب میں حبشیوں کے میدان جو جنوب میں جبال قمر اور دریائے نیل کے سرچشموں سے آگے تک سمندر میں چلے گئے ہیں۔ یہاں کا حال ہمیں ٹھیک سے نہیں معلوم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حصہ ناقابل گزر ریگستان ہے اور سفلہ زرخ سے آگے کا سمندر بھی کشتی رانی کے قابل نہیں ہے۔ اگر کسی نے اپنی کشتی کو آگے بڑھایا تو وہ وہاں سے واپس نہیں آیا کہ یہ خبر دیتا کہ اس نے کیا دیکھا تھا۔ اسی طرح صوبہ سندھ کے اوپر ہندوستان کا ایک بڑا حصہ اتنا آگے تک سمندر میں چلا گیا ہے کہ شاید خط استوا سے بھی آگے بڑھ گیا ہے۔ ان دونوں کے درمیان عرب اور یمن ہیں لیکن یہ اس حد تک سمندر میں داخل نہیں ہیں کہ خط استوا سے آگے نکل گئے ہوں۔

پھر جس طرح خشکی سمندر میں داخل ہے اسی طرح سمندر بھی خشکی میں در آیا ہے جس سے کھاڑیاں اور خلیجیں بن گئی ہیں۔ مثلاً سمندر کی ایک شاخ عرب کے مغرب میں تقریباً وسط شام تک چلی گئی ہے اور قلزم کے قریب بہت تنگ ہے اور اسی لئے اس کو بحیرہ قلزم کہتے ہیں۔ عرب کے مشرقی جانب کی اس سے بھی بڑی شاخ خشکی میں در آئی ہے اور خلیج فارس کے نام سے مشہور ہندوستان اور چین کے درمیان سمندر شمال کی طرف ایک بڑے موڑ کی صورت میں گھوما ہوا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان ملکوں کا

سائل نہ تو ہر جگہ خط استوا کے متوازی اور نہ ہر جگہ اس سے مساوی فاصلے پر ہے۔  
(آگے کی عبارت مٹ گئی ہے)

چاروں شہروں کا بیان اپنی اپنی جگہ پر آگے چل کر کیا جائے گا۔ مختلف مقامات پر وقت کا اختلاف جس کا ذکر کیا گیا، زمین کے گول ہونے اور کائنات کے وسط میں ہونے کی وجہ سے ہے۔ ان لوگوں نے زمین کے ساتھ اس پر رہنے والوں کا بھی ذکر کیا ہے اور ظاہر ہے کہ شہروں کا تصور اس کے مکیوں کے بغیر نہیں کیا جاسکتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام بھاری چیزیں اپنے مرکز یعنی کائنات کے وسط کی طرف کھینچتی ہیں اور یہی وسط زمین ہے۔

اس سے ملتا جلتا دایو پران کا یہ بیان ہے کہ جب امراوتی میں دو پہر ہوتی ہے اس وقت دے وسوت میں سورج نکلنے کا وقت ہوتا ہے، لکھا میں آدھی رات اور دھما میں سورج ڈوبنے کا وقت ہوتا ہے۔

### زمین کی کشش کے متعلق برہم گیتا اور ورہ میر کے بیانات

ہندوؤں نے نقیب کی تعریف وہی کی ہے جو ہمارے یہاں ہے یعنی یہ عالم کا وسط ہے لیکن ان کے بیانات کا انداز ہم سے مختلف ہے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اس پر ان کے بڑے علماء ہیئت نے اظہار خیال کیا ہے۔

برہم گیتا کا بیان ہے کہ ”علماء نے یہ فیصلہ صادر کیا ہے کہ کرہ زمین آسمان کے وسط میں ہے اور میرد پہاڑ دیووں (فرشتوں) کا مسکن ہے جب کہ اس کے نیچے وادو کھ میں ان کے مخالفین دیتیہ اور دانور رہتے ہیں لیکن یہ نیچائی ان کے خیال میں محض اضافی ہے۔ اگر اس سے صرف نظر کر لیا جائے تو زمین ہر طرف سے ایک سی ہے۔ زمین پر سب لوگ سیدھے کھڑے ہوتے ہیں اور بھاری چیز، قانون قدرت کے مطابق زمین پر گرتی ہے۔ زمین کی فطرت میں یہ رکھا گیا ہے کہ وہ چیزوں کو کھینچے اور تھامے رہے جس طرح پانی کی فطرت میں یہ ہے کہ وہ بہتا رہے یا جس طرح آگ کی فطرت جلتا اور ہوا کی فطرت حرکت دیتا ہے۔ اگر کوئی چیز زمین سے بھی نیچے جانا چاہے تو جانے دو۔ زمین ہی واحد نیچی چیز ہے اور بیج چاہے کسی طرف پھینکا جائے زمین پر ہی گرتا ہے اور زمین سے اوپر نہیں اٹھتا۔“

ورہ میر کہتا ہے ”پہاڑ سمندر، دریا، پتھر، شہر، انسان اور فرشتے سب کرہ زمین کے گرد ہیں اور اگر ہم کوئی اور روم ایک دوسرے کے بالقابل ہیں تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ایک دوسرے کے مقابلے میں نیچا ہے کیونکہ نیچے کا کوئی وجود نہیں ہے۔ پھر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ فلاں جگہ نیچے ہے جبکہ اس جگہ کی حالت بالکل ویسی ہی ہے جیسی زمین کی دوسری جگہوں کی اور اگر ایک جگہ نیچے گرتی ہے تو دوسری جگہ کے گرنے کا بھی اسی

قدرا مکان ہے کیونکہ زمین ہر اس چیز کو کھینچتی ہے جو اس پر ہے اور زمین ہر طرف سے نیچی اور آسمان ہر طرف سے اونچا ہے۔

(اس کے بعد انسانی نگاہ کی حد کے بارے میں بل بھدر کے بیان پر تنقید کی ہے۔ زمین کے محور کے بارے میں پولس کے نظریات پر بھی تنقیدی نگاہ ڈالی ہے)۔

## باب ۲۷

### ہندو منجمین اور پران کے مصنفین کے مطابق کائنات کی دو

#### اولین حرکتیں

(ان میں سے ایک حرکت قدیم منجموں کے خیال میں مشرق سے مغرب کی طرف تھی) اس مسئلہ میں ہندو منجمین کی رائے تقریباً وہی ہے جو ہم لوگوں کی۔ ہم ان کے اقتباسات یہاں پیش کریں گے لیکن ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ ہمیں ان لوگوں کے جوا قوال ملے ہیں وہ بہت تھوڑے ہیں۔ (اس کے بعد پولس، برہم گپتا اور بل بھدر کے اقوال پیش کئے ہیں)۔

اس ضوع پر ہندوستان کی کتابوں میں مجھے اتنا ہی ملا ہے۔

#### اس نظریہ پر کہ ہوا فلک کو حرکت دیتی ہے، مصنف کی تنقید

ہوا کو ان لوگوں نے حرکت کا سبب (سُپر) غالباً اس لئے کہا ہے کہ اس سے لوگوں کو اس موضوع کے سمجھنے میں آسانی ہو اور اس کا مطالعہ آسان ہو جائے۔ کیونکہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ جب ہنگھ والے آلات اور کھلونوں کو ہوا لگتی ہے تو ان میں حرکت پیدا کر دیتی ہے۔ لیکن جب یہ لوگ محرک اول (خدا) کا ذکر چھیڑتے ہیں تو اس کا موازنہ طبعی ہوا سے نہیں کرتے۔ اس لئے کہ طبعی ہوا میں مختلف اسباب سے فرق ہوتا رہتا ہے اور اگرچہ ہوائے طبعی چیزوں میں حرکت پیدا کرتی ہے لیکن حرکت پیدا کرنا اس کا جوہر نہیں ہے۔ پھر یہ (ہوا) اس وقت تک کسی چیز میں حرکت نہیں پیدا کر سکتی جب تک کہ اس چیز سے مس نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہوا خود ایک جسم ہے اور بیرونی اثرات و ذرائع سے اثر پذیر ہوتی ہے اور اس کی اپنی حرکت ان اثرات و ذرائع کی قوت کے مطابق ہوتی ہے۔

ان کا یہ کہنا کہ ہوا کبھی ٹھہرتی نہیں، یہ بتاتا ہے کہ ہوا مسلسل حرکت میں رہتی ہے۔ اس سے وہ سکون اور حرکت مراد نہیں جو جسموں کے لئے مخصوص ہیں۔ اسی طرح جب وہ یہ کہتے ہیں کہ اس کے چلنے میں سستی یا ڈھیل نہیں آتی تو اس سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ ہر قسم کے حوادث سے مامون ہے کیونکہ ڈھیل اور کمزوری صرف ان اجسام میں ہوتی ہے جو متضاد حواس رکھنے والے عناصر سے بنے ہیں۔

### قطب فلک کی حفاظت کرتے ہیں

ان کا یہ کہنا کہ قطبین فلک ثوابت کو تھامے ہوئے ہیں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ اس کی گزرو کو قائم رکھتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اسے گرنے سے محفوظ رکھتے ہیں۔ (الہیرونی نے بل بھدر اور برہم گپتا کے نظریات پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل امور پر پرانوں کے اقوال کا بھی جائزہ لیا ہے۔

(۱) ثوابت (۲) زمانے کی اضافی نوعیت (۳) زمین کے مختلف مقامات سے نظر آنے والی فلکی گردش کی سمت۔)

## باب ۲۸

## دس سمتیں

فضا میں اجسام کا پھیلاؤ تین اطراف میں ہوتا ہے یعنی لمبائی میں، چوڑائی اور گہرائی اونچائی میں۔ ان سمتوں کا جو حقیقت میں موجود ہیں اور محض خیالی نہیں پھیلاؤ ایک حد پر ختم ہو جاتا ہے اس لئے ان تینوں سمتوں کے خطوط کی بھی حدیں ہیں اور ان خطوط کے کنارے ہی جو تعداد میں چھ ہیں، سمتیں ہیں۔ اگر یہ فرض کر لیں کہ ان خطوط کے وسط یعنی وہ نقطہ جہاں سے خطوط آپس میں ملتے ہیں کوئی جانور کھڑا ہے جس کا منہ کسی ایک سمت میں ہے تو سمتیں یہ ہوں گی: آگے، پیچھے، دائیں، بائیں اور پراور نیچے۔

جب ان اطراف کو دنیا کے سیاق میں استعمال کرتے ہیں تو ان کے نام دوسرے ہو جاتے ہیں۔ چونکہ اجسام فلکی کا طلوع و غروب افق میں ہوتا ہے اور پہلی حرکت افق سے ہی ظاہر ہوتی ہے اس لئے سمتوں کا تعین کرنے کے لئے افق ہی مناسب نقطہ ہے۔ چار سمتیں یعنی پورب، پچھم، اتر اور دکھن (یعنی آگے، پیچھے، بائیں اور دائیں) مشہور ہیں لیکن ہر دو سمتوں کے درمیان کی سمتیں مشہور نہیں ہیں۔ یہ سب مل کر آٹھ سمتیں ہوتی ہیں اور اگر ان میں اوپر اور نیچے کو بھی شامل کریں تو سمتوں کی تعداد دس ہو جاتی ہے جس کی مزید تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں۔

ہندوؤں نے جہتوں کے تعین میں ہوا کے چلنے کا لحاظ نہیں رکھا ہے۔ ان کے ہاں چار اصل سمتیں اور ان کے درمیان کی چار ثانوی سمتیں کل آٹھ سمتیں معین ہیں جو ذیل کے نقشے میں درج کی جاتی ہیں۔

جنوب مشرق	جنوب	جنوب مغرب
اکھنہ	دکھن	نیرت
مشرق	مدھیہ دیس (یعنی وسطی ملک)	مغرب
ایسن	اتر	واپو
شمال مشرق	شمال	شمال مغرب

ان کے علاوہ دو قطبوں کی سمتیں ہیں اور پراور نیچے، اول الذکر کو اوپر اور آخر الذکر کو ادھس یا تال کہتے ہیں۔ ہندو جب بھی کسی چیز کا ذکر کرتے ہیں چاہے وہ عقلی ہو یا خیالی تو اسے متخص شکل میں پیش کرتے ہیں



اور فوراً اس کی شادی کر دیتے ہیں اور اس کے لئے مجامعت اور قیام حمل کا انتظام کر دیتے اور اولاد پیدا کر دیتے ہیں چنانچہ دشنودھرم میں ہے کہ ”اتری نے“ جو بنات العرش پر راج کرتا ہے، سمتوں سے جو آٹھ ہونے کے باوجود ایک ہی ہستی ہیں، شادی کر لی اور اس سے چاند پیدا ہوا۔“

اپنے دستور کے مطابق ہندوؤں نے آٹھوں سمتوں کے حاکم بھی مقرر کر دیئے ہیں جنہیں ہم ذیل کے نقشے میں درج کرتے ہیں۔

سمتیں	ان کے حاکم	سمتیں	ان کے حاکم
مغرب	وزن	مشرق	اندر
شمال مغرب	واپو	جنوب مشرق	اگنی
شمال	کرو	جنوب مشرق	یم
شمال مشرق	مہادیو	جنوب مغرب	پرتھو

## باب ۲۹

## ہندوؤں کے مطابق آباد زمین کی تعریف

آبادی کے بارے میں رشی بھوونا کوٹش کا قول

ہ نے رشی بھوونا کوٹش کی کتاب میں پڑھنا ہے کہ آباد دنیا ہماونت سے جنوب کی طرف پھیلی ہوئی ہے اور اس کا نام بھارت ورش ہے۔ یہ نام بھارت نامی شخص کے نام پر پڑا ہے جو ان پر حکومت کرتا اور ان کی کفالت کرتا تھا۔ اسی آباد حصے کے رہنے والوں کو آخرت میں عذاب اور ثواب ملے گا۔ یہ آبادی نوحصوں میں منقسم ہے جنہیں ابتدائی نوحصے یا نوکھنڈ پر تقیم کہتے ہیں۔ ہر دو کھنڈوں کے درمیان سمندر ہے جسے پار کر کے ایک کھنڈ سے دوسرے کھنڈ کو جاتے ہیں۔ آباد دنیا کی شمال سے جنوب کی طرف چوڑائی ایک ہزار یو جن ہے۔

ہماونت کے مصنف کی مراد شمالی پہاڑ ہیں جہاں سردی کی وجہ سے آبادی نہیں ہے۔ چنانچہ تمام آبادی ان پہاڑوں کے جنوب میں ہی ہے۔

یہاں کے باشندوں کے متعلق اس کا یہ کہنا کہ آخرت میں سزا اور جزا صرف انہیں کے لئے ہے یہ ظاہر کرتا ہے کہ دوسرے لوگ حساب کتاب سے محروم ہیں۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ لوگ انسانیت کے مرتبے سے بلند ہو کر فرشتے بن چکے ہیں اور پاک عناصر سے بنے ہوئے اور خدا کی نافرمانی نہ کرنے کے سبب مواخذہ سے بری ہو گئے ہیں یا پھر انسانیت کے درجے سے گر کر بے عقل جانوروں کے زمرے میں آ گئے ہیں۔ مصنف کے خیال میں اس آباد حصے یعنی بھارت ورش سے باہر انسان موجود نہیں ہیں۔

بھارت ورش صرف ہندوستان کی سر زمین نہیں ہے جیسا کہ ہندو سمجھتے ہیں کہ دنیا فقط ہندوستان ہے اور فقط ہندو ہی انسان ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان کے درمیان میں کوئی سمندر نہیں ہے جس سے کہ اس کا ایک کھنڈ دوسرے سے الگ ہوتا پھر ان کھنڈوں سے دوپ بھی مراد نہیں لئے جاسکتے کیونکہ ایک کھنڈ کے ساحل سے دوسرے کھنڈ کے ساحل تک سمندر کو پار کر کے ہی پہنچا جاسکتا ہے۔ مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہندو اور دنیا کے دوسرے باشندے سب آخرت میں سزا اور جزا پائیں گے۔ نیز یہ کہ یہ سب ایک ہی عظیم مذہبی فرقے میں شامل ہیں۔ آبادی کے نو کھنڈوں کو پر تقیم اس لئے کہا جاتا ہے کہ

ہندوستان کو بھی نو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اس حساب سے دنیا کی تقسیم پہلی اور ہندوستان کی تقسیم ثانوی قرار پاتی ہے۔ ان کے نجومیوں نے ایک تیسری تقسیم بھی کی ہے یعنی ہر ملک کو اس کی مبارک اور منحوس جگہوں کے اعتبار سے نو نو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پھر واپوڈ ان میں ایسے شہر اور ملکوں کے نام ہیں جو ہر سمت میں واقع ہیں۔ ہم ان کو نقشے میں درج کرتے ہیں۔ کیونکہ نقشے سے اس بات کو زیادہ آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔

جنوب			
تامرون		ناگ دوہپ	
لہبستمت			
مشرق	کثیر و مٹ	اندر دوہپ یا مدھیدیش	سومیہ مغرب
یعنی وسطی ملک			
ناگر سمورت		گندھرو	
شمال			

### کرماچکر کی شکل

اس سے پہلے ہم یہ کہہ چکے ہیں کہ زمین کا آبا و حصہ کچھوے کی شکل کا ہے کیونکہ اس کے کنارے گول ہیں اور پانی سے باہر ہیں۔ یہ پانی سے گھرا ہوا ہے اور اس کی سطح کروی Globular اور محدب Sumanas ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہندو منجموں نے ستوں کا تعین چاند کی منزلوں کے مطابق کیا ہوا اور اس کے نتیجے میں ملک کی تقسیم بھی چاند کی منزلوں کے مطابق ہو۔ ان کی جو شکل بنتی ہے وہ کچھوے سے مشابہت رکھتی ہے اور اسی لئے اسے کرماچکر کہا جاتا ہے۔ یعنی کچھوے کا دائرہ یا کچھوے کی شکل۔

### ورہ میر کے مطابق بھارت ورش کی تقسیم

ورہ میر نے نو کھنڈوں میں سے ہر ایک کو ورگ کہا ہے۔ وہ کہتا ہے ”ورگوں کے حساب سے بھارت ورش یعنی آدھی دنیا“ کے نو حصے ہیں۔ پہلا حصہ وسطی، دوسرا مشرقی وغیرہ وغیرہ چاروں طرف چلتا ہوا پورا فاق کا دورہ کر لیتا ہے۔ بھارت ورش سے اس کی مراد صرف ہندوستان ہے۔ اس کا پتہ اس کے یہ کہنے سے چلتا ہے کہ ہر ورگ میں ایک علاقہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب وہاں کوئی نحوست آتی ہے تو وہاں

کے بادشاہ کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ ہندوستان کے نو درگ یہ ہیں۔

پہلے درگ میں	پنجال کا علاقہ ہے
دوسرے درگ میں	گدھ کا علاقہ ہے
تیسرے درگ میں	کلج کا علاقہ ہے
چوتھے درگ میں	اونتی یعنی اجین
پانچویں درگ میں	انت ہے
چھٹے درگ میں	سندھ اور سو دیر ہیں
ساتویں درگ میں	ہراہور ہے
آٹھویں درگ میں	مدورا
نویں درگ میں	کولندا
یہ سب علاقے ہندوستان میں ہیں۔	

### جعفر افیائی ناموں میں رد و بدل

شہروں کے ناموں کا معاملہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثر شہر اپنے اصل ناموں سے نہیں جانے جاتے اپنا کشمیر نے اپنی کتاب ”سمت“ میں اس صورت حال پر یوں تبصرہ کیا ہے۔ ”شہروں کے نام بدلتے رہتے ہیں خاص طور پر یگوں میں۔ مثلاً ملتان کا پورا نام کشپ پور تھا پھر ہنس پور ہوا پھر باگ پور پھر سمبھا پور پھر مول استھان یعنی اصل جگہ کیوں کہ مول کے معنی اصل یا جڑ ہیں اور استھان جگہ کو کہتے ہیں۔ یگ تو ایک طرف مدت ہے لیکن نام اس وقت بھی بدل جاتے ہیں جب کوئی دوسری زبان بولنے والی بیرونی قوم ان شہروں پر قبضہ کر لیتی ہے۔ ان بدیسیوں کو ان ناموں کا صحیح تلفظ ادا کرنے میں سخت دشواری ہوتی ہے اس لئے وہ ان ناموں کو اپنی زبان میں بدل لیتے ہیں جیسا کہ یونانیوں کا دستور ہے۔ کبھی ان ناموں کے مفہوم کو اپنی زبان میں ترجمہ کر لیتے ہیں اس سے بھی نام بدل جاتے ہیں جیسے تاش قد سے شاش، تاش قد ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی پتھر کا گاؤں ہیں۔ جغرافیہ کی کتاب میں اس شہر کا نام برج الحجارہ درج ہے جو ”پتھر کا گاؤں“ کا عربی ترجمہ ہے۔ نام اسی طرح تبدیل ہوتے ہیں یعنی یا تو اصل نام کا دوسری زبان میں ترجمہ ہونے کی وجہ سے یا ان کا تلفظ بدل دینے سے جیسے عرب بیرونی ناموں کو معرب کر لیتے ہیں کیونکہ وہ اس کے اصل تلفظ کو ادا نہیں کر سکتے۔ لفظ ”بوشنگ“ ان کی کتابوں میں ”فورسانی اور سل کند“ فارغ ہو گیا ہے لیکن سب سے حیرت کی بات یہ ہے کہ بعض دفعہ اسی زبان کو

بولنے والے اور اسی قوم سے تعلق رکھنے والے بعض الفاظ کو مروڑ کر ایسا نامانوس بنا دیتے ہیں کہ اس سے عجیب عجیب الفاظ پیدا ہو جاتے ہیں اور ایسا کرنے میں کسی ضابطہ یا قاعدے کی پابندی بھی نہیں کرتے اور اس قسم کی تبدیلیاں ہر تھوڑے عرصے کے بعد بغیر کسی جائز سبب کے ہوتی رہتی ہیں۔ ہندوؤں میں ان تبدیلیوں اور اضافوں کی وجہ زبان کی وسعت کی طرف ان کا میلان ہے۔ وہ ناموں کی کثرت کو پسند کرتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔

شہروں کے درج ذیل نام جو ہم نے واپوڑ ان سے لئے ہیں صرف چار سبتوں کے اعتبار سے مذکور ہیں لیکن سہلت میں ان کو آٹھ سبتوں کے اعتبار سے لکھا گیا ہے۔ یہ نام اب رائج نہیں ہیں جیسا کہ ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں۔

(اس کے بعد ان شہروں اور علاقوں کے ناموں کی فہرست درج کی ہے)۔

روم یم کوئی اور سدھ پور: ہندو منجمین نے آبادی کی حدود کا تعین لٹکا کو مرکز مان کر کیا ہے جو خط استوا پر وسط میں واقع ہے۔ یم کوئی اس کے مشرق میں روک مغرب میں اور سدھ پور لٹکا کے عین مقابل خط استوا پر واقع ہے۔ اجسام فلکی کے طلوع و غروب کے متعلق ان لوگوں نے جو کچھ کہا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یم کوئی اور روم کے درمیان کا فاصلہ نصف دائرہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مغربی علاقے (شمالی افریقہ) کو روم (سلطنت روم) کا علاقہ سمجھ لیا ہے جس کی وجہ شاید یہ ہے کہ دونوں (روم اور بازنطینیوں کا ملک) کے ساحل آمنے سامنے ہیں ورنہ رومی مملکت شمال میں دور تک چلی گئی ہے۔ اس کا کوئی حصہ جنوب کی طرف واقع نہیں۔ نہ کوئی علاقہ خط استوا سے ملا ہوا ہے جیسا کہ ہندوؤں نے سمجھ لیا ہے۔ یہاں ہم لٹکا کے بارے میں مزید کچھ نہ کہیں گے کیونکہ اس کا بیان ہم نے ایک علیحدہ باب میں کیا ہے۔ یعقوب اور فزاری کے مطابق یم کوئی اس ملک میں ہے جس میں تارانامی شہر ہے اور جو سمندر میں ہے۔ ہندوؤں کی کتابوں میں یہ نام کہیں بھی نظر نہیں آیا۔ کوٹ کے معنی ہیں قلعہ اور یم ملک الموت کو کہتے ہیں۔ اس نام کو سن کر کانگ دیز کی یاد آتی ہے جسے ایرانیوں کے مطابق کیکاؤس یا جم نے مشرق بعید میں سمندر سے دور تعمیر کیا تھا، خسر و افراسیاب ترکی کے تعاقب میں سمندر کو عبور کر کے وہاں گیا تھا، پھر جب اس نے دنیا کو ترک کیا تو دوبارہ کانگ دیز چلا گیا۔ فارسی زبان میں دیز قلعہ کو کہتے ہیں اور ہندی لفظ کوئی کے بھی یہی معنی ہے۔ ابو حشر بلخی نے اپنی زچ میں کانگ دیز کو ہی طول البلد کا صفر مانا ہے۔

اجین کا دائرہ ہی اول دائرہ نصف النہار ہے

مجھے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ ہندوؤں نے سدھ پور کے وجود کو کیوں فرض کر لیا ہے۔ ان کے منجموں کا عام طور پر یہ نظریہ ہے کہ آبادی کا طول البلد نصف دائرہ ہے۔ اس امر میں مغربی منجمین سے ان کا

اختلاف صرف نقطہ آغاز کے بارے میں ہے۔ جہاں تک ہم نے سمجھا ہے، ہندو طول البلد کا نقطہ آغاز اجین کو مانتے ہیں۔ اجین کو آباد دنیا کے ایک چوتھائی کا مشرقی سرا، کہتے ہیں۔ اس چوتھائی حصے کا دوسرا کنارہ ہندوؤں کے مطابق، مہذب دنیا کی سرحد سے کچھ فاصلے پر مغرب میں ہے۔ اس مسئلہ کو ہم زیادہ وضاحت سے اس باب میں بیان کریں گے جس میں ہم نے دو مقامات کے طول البلد کے اختلاف کو بیان کیا ہے۔ مغربی علمائے ہیئت نے اس معاملے میں دو ہر طریق کار اپنلا کھا ہے۔ ان میں سے بعض طول البلد کا نقطہ آغاز بحر اوقیانوس کے ساحل کو قرار دیتے ہیں لیکن اس طریق کار میں خرابی یہ ہے کہ بعض ایسی اشیاء کو باہم خلط ملط کر دیا گیا ہے جن کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔ اسی طریق کار کے زیر اثر شاہ پور کنارہ اجین کو ایک ہی دائرہ نصف النہار پر دکھایا گیا ہے۔ دوسرے لوگ جزیرہ سرت کو طول البلد کا نقطہ آغاز مانتے ہیں لیکن یہ دونوں طریق کار ہندوؤں کے نظریات سے مختلف ہیں۔۔۔۔۔

اگر اللہ نے عمر میں برکت دی تو میں نیشاپور کے طول البلد کے بارے میں ایک رسالہ تالیف کروں گا جس میں اس ضوع پر پوری تحقیق کے بعد سیر حاصل بحث کی جائے گی۔

### باب ۳۰

## لنکا یعنی زمین کا گنبد

”زمین کا گنبد“ سے کیا مراد ہے

آباد دنیا کا وسطی مقام جو خط استوا پر واقع ہے اور جہاں سے آبادی طول میں شرقاً و غرباً دو حصوں میں بٹ جاتی ہے، مسلمان منجموں میں زمین کا گنبد مشہور ہے اور دائرہ عظمیٰ جو قطب سے گزرتا ہوا خط استوا کے اس نقطے سے بھی گزرتا ہے قبة کا نصف النہار کہلاتا ہے۔ یہاں پر ہم یہ بتادینا ضروری سمجھتے ہیں کہ زمین کی طبعی حالت جیسی بھی ہو زمین کی دوسری جگہوں کے مقابلے میں اس کو قبة ارض کہلانے کا استحقاق صرف اتنا ہے کہ اس لفظ سے جو بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے صرف یہ بتادینا مقصود ہے کہ اس جگہ سے آباد دنیا کے مشرقی کنارے اور مغربی کنارے کا فاصلہ مساوی ہے جس طرح کسی گنبد کی چوٹی سے اس کے نیچے کی تمام چیزوں کا طول یکساں ہوتا ہے۔ ہندو اس جگہ کے لئے کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں کرتے جس کے معنی ہماری زبان میں گنبد یا قبة کے ہوں۔ وہ صرف یہ کہتے ہیں کہ لنکا آباد دنیا کے دونوں کناروں کے وسط میں واقع ہے اور اس میں کوئی عرض نہیں ہے۔

## رام کی کہانی

دسرتھ کے بیٹے رام کی بیوی کو بھگالانے کے بعد شیطان راوَن اس جگہ قلعہ بند ہو گیا تھا، اس کے بیچ دار قلعے کا نام شکنت مرد (؟) ہے۔ مسلمانوں میں اس کا نام یاون کوئی مشہور ہے اور اسے عام طور پر روم کہا جاتا رہا ہے۔ رام نے سو یوجن لمبے بند پر سے جس کا نام ستیو بندھ ہے اور جسے ایک پہاڑ سے سمندر کو پاٹ کر بنایا تھا، سمندر پار کر کے راوَن پر حملہ کیا۔ یہ بند جسے سمندر کا پل کہا جاتا ہے لنکا کے مشرق میں ہے۔ راوَن سے جنگ کر کے رام نے اسے مار ڈالا۔ رام کے بھائی نے راوَن کے بھائی کو مار دیا جس کی تفصیل رام اور رامائن کے حصے میں بیان کی گئی ہے۔ اس کے بعد رام نے تیر مار کر بند کو دس جگہ سے کاٹ دیا۔

## جزیرہ لنکا

ہندوؤں کے خیال میں لنکا شیاطین کا قلعہ ہے۔ یہ زمین سے ۳۰ یوجن یا ۸۰ فرسخ اونچا ہے۔ مشرق سے مغرب کی طرف اس کی لمبائی ۱۰۰ یوجن ہے، شمال سے جنوب تک اس کی چوڑائی اس کی بلندی کے برابر یعنی ۳۰ یوجن ہے۔

لنکا اور وادو کھ جزیرے کی وجہ سے ہندو جنوب کی سمت کو منحوس سمجھتے ہیں۔ وہ کسی نیک کام کو کرتے وقت جنوب کی طرف منہ نہیں کرتے اور نہ ادھر قدم اٹھاتے ہیں۔ انہوں نے جنوب کو برے کاموں سے وابستہ کر دیا ہے۔

## لنکا اور لنکا بالوس کے متعلق مصنف کی رائے

جن لوگوں نے لنکا کے گرد سمندر کا سفر کیا ہے اور اس مقام کا سفر کیا ہے جو لنکا کے قلعے کی جگہ ہے انہوں نے اس کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں بتائی جو ہندوؤں کی روایات کے مطابق یا اس سے ملتی جلتی ہو۔ ایسی کوئی روایت موجود نہیں ہے جس سے اس کے (قلعے) کے وجود کا امکان ہو۔ لنکا کے لفظ سے ہمیں ایک دوسری چیز کا خیال آتا ہے اور وہ یہ کہ لونگ کا یہ نام اس لئے پڑا کہ یہ ”لنگ“ نامی ملک سے درآمد کی جاتی ہے۔ تمام جہاز رانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ سامان سے بھرے ہوئے جہاز یہاں آتے ہیں اور اپنا سامان مثلاً مغربی دینار اور دوسرا تجارتی سامان یعنی دھاری دار ہندوستانی کپڑا، نمک وغیرہ چھوٹی کشتیوں پر رکھ کر سامان سے بھرے چڑے کے تھیلوں پر جن پر ان کے مالکوں کا نام لکھا ہوتا ہے ساحل پر اتار دیتے ہیں اور جہاز پرواپس آ جاتے ہیں۔ دوسرے دن تھیلوں میں قیمت کے بدلے انہیں لوگنیں بھری ملتی ہیں، کبھی زیادہ اور کبھی کم جس کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ اس وقت مالک کے پاس

لوگوں کی گنتی تعداد موجود ہے بعض کے خیال میں جن لوگوں کے ساتھ یہ تجارتی لین دین ہوتا ہے وہ مشیاطین یا جنات ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ وہ وحشی انسان ہیں۔ وہ ہندو جو (لنکا) کے ان علاقوں کے قرب و جوار میں رہتے ہیں یہ مانتے ہیں کہ چچک ایک ہوا ہے جو لنکا سے روحوں کو لے جانے کے لئے چلتی ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق کچھ لوگ اس ہوا کے چلنے سے پہلے لوگوں کو خطرے سے آگاہ کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ ملک کے مختلف علاقوں میں اس ہوا کے پہنچنے کا اصلی وقت بھی بتا دیتے ہیں۔ چچک کی دبا پھیلنے کے بعد یہ لوگ مختلف علامات سے یہ پتہ چلا لیتے ہیں کہ یہ مہلک ہے یا نہیں۔ مہلک چچک کے لئے ان کے ہاں جو علاج کیا جاتا ہے وہ جسم کے کسی ایک عضو کو کاٹ کر الگ کر دینا ہے مریض کو مارا نہیں۔ دوا کے طور پر وہ لوگ استعمال کرتے ہیں جو مریض کو سونے کے برادے کے ساتھ ملا کر پلائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ مرد مریضوں کے گلے میں لوگوں کا ہار بنا کر ڈال دیا جاتا ہے۔ اگر اس قسم کی احتیاط ٹھیک سے کر لی جائے تو اس سے دس میں سے نو لوگوں کو دبا سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔

ان تمام باتوں سے میرے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ جیسے ہندو لنکا کہتے ہیں وہ حقیقت میں لونگ کا ملک ”لنگا“ ہے اگرچہ ان کا بیان اس سے میل نہیں کھاتا۔ بہر حال ان لوگوں سے رابطہ نہیں رکھا جاتا اور نہ کوئی وہاں جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے اگر کوئی اس جزیرے میں اتفاق سے ساتھیوں سے بچھڑ کر رہ جاتا ہے تو پھر اس کا کوئی پتہ نشان نہیں ملتا۔ میرے اس خیال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ”رام اور رامائن“ کے مطابق مشہور ملک سندھ کے آگے ”مردم خور“ لوگ رہتے ہیں اور سمندری سیاحوں کو یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ جزیرہ لنگا بالو کے باشندوں کے خونخوار اور وحشی ہونے کا سبب ان کی مردم خوری ہے۔



## باب ۳۱

## ملکوں کے درمیان کا فاصلہ جس کے ہم دو طول البلد کا درمیانی فاصلہ کہتے ہیں

طول بلد قرار دینے کا ہندوؤں کا طریقہ

جو شخص اس معاملے میں صحت کو مقدم رکھتا ہے اس کو دو مقامات کے نصف النہار کے دائروں کے فاصلے کو معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ مسلمان بنجمن استوائی زمانوں کی بنیاد پر فاصلوں کا حساب لگاتے ہیں کیونکہ استوائی زمانے یا اوقات دو نصف النہار کے فاصلوں کے برابر ہوتے ہیں اور اپنی گنتی کو مغرب کی سمت واقع مقام سے شروع کرتے ہیں۔ استوائی دقیقوں (Minutes) کے حاصل جمع کو وہ دو طول بلد کے درمیان کا فاصلہ قرار دیتے ہیں۔ وہ ہر جگہ کا طول بلد دائرہ عظمیٰ سے اس کے نصف النہار کے فاصلے کو قرار دیتے ہیں۔ یہ دائرہ عظمیٰ استوا کے قطب سے گزرتا ہے اور اسی مقام کو آبادی کی انتہا قرار دیا گیا ہے اور پہلے نصف النہار کے تعین کے لئے انہوں نے آبادی کے مغربی کنارے کو بنیاد بنایا ہے۔ مشرقی کنارے کو نہیں۔ ان استوائی اوقات کو دائرہ کا تین سو ساٹھواں یا ساٹھواں درجہ شمار کیا جاتا ہے تاکہ وہی دن کا دقیقہ یعنی منٹ (Minute) بھی بن جائے اور پھر انہیں مقررہ پیمانے کے مطابق فرخوں یا یونوں میں تبدیل کر لیا جاتا ہے۔

اس معاملے میں ہندوؤں کا طریقہ ہمارے طریقوں سے مختلف ہے لیکن اس کے باوجود وہ صحت سے دور ہیں۔ جس طرح ہم مسلمان ہر شہر کے لئے اس کو طول البلد حساب میں لیتے ہیں اسی طرح یہ لوگ شہر اجین کے دائرہ نصف النہار سے ہر شہر کے فاصلے کا شمار یونوں میں کرتے ہیں اور جو جگہ اجین سے جتنی زیادہ مغرب میں ہوگی اس کے یونوں کی تعداد کم ہوتی جائے گی۔ اس کو یہ لوگ ”دیشانتر“ یعنی ملکوں کے درمیان کا فاصلہ کہتے ہیں۔ پھر وہ اس دیشانتر کو آفتاب کی یومیہ حرکت کے اوسط سے ضرب دے کر حاصل ضرب کو ۳۸۰۰ سے تقسیم کرتے ہیں۔ اس کا خارج سمت آفتاب کی حرکت کی وہ مقدار ہوتی ہے جو متعلقہ یونوں کے برابر ہوتی ہے یعنی اگر اس میں اجین کے نصف النہار یا نصف اللیل کا اوسط جوڑ

دیا جائے تو مطلوبہ شہر کا طول البلد نکل آتا ہے۔

### زمین کا محیط

۲۸۰۰ کا یہ عدد جس سے حاصل ضرب کو تقسیم کرتے ہیں، زمین کے محیط کے یونٹوں کا عدد بھی ہے اس لئے کہ دو شہروں کے نصف النہار کے دائروں کے درمیان جو فاصلہ ہوتا ہے اسی کا تناسب زمین کے پورے محیط کے ساتھ وہی ہوتا ہے جو دو شہروں کے درمیان سورج کی اوسط حرکت کا اس کی مکمل یومیہ حرکت کے ساتھ ہے۔

(اس کے بعد المیرونی نے زمین کے محیط کے بارے میں پلس اور برہم گپتا کے اقوال اور دیبھاسٹر نکالنے کے طریقے پر ناقدانہ نگاہ ڈالی ہے۔ اجین کے دائرہ نصف النہار کے متعلق آریہ بھٹ کے نظریہ پر بھی تنقید کی ہے)۔

### اجین کا عرض البلد

یعقوب بن تارک نے اپنی کتاب ”ترکیب کروی“ میں اجین کا عرض البلد ۴۳/۵ درجے بتایا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ یہ شمال میں ہے یا جنوب میں۔

اس کے برخلاف ہندوؤں کے تمام اصول اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ اجین کا عرض البلد ۲۴ درجے ہے اور یہ کہ سورج اعتدال فریقی کے دوران اس کی انتہائی بلندی پر ہوتا ہے۔

میں نے لاہور کے قلعے کا عرض البلد ۳۴°۱۰ ڈگری پایا ہے۔ اس کے علاوہ جن دوسرے شہروں کا عرض البلد مجھے معلوم ہے، وہ یہ ہیں:-

غزنو ۳۵/۳۳۰، کابل ۴/۳۳۰، کندی ۵۵/۳۳۰، دون پور ۲۰/۳۴۰، لمغان ۴۳/۳۴۰، پرشاور ۴۰/۳۴۰، وے ہند ۳۰/۳۴۰، جیلیم ۲۰/۳۳۰، قلعہ نندنا ۰/۳۲۰، سیالکوٹ ۵۸/۳۲۰، منڈکور ۵۰/۳۱۰، ملتان ۴۰/۲۹۰، ان کے ملکوں میں اپنے سفر کے دوران ہم مندرجہ بالا مقامات سے آگے نہ جاسکے۔ نہ ہی دوسرے مقامات (ہندوستان کے طول البلد اور عرض البلد کے متعلق ان کی کتابوں سے کچھ معلومات ہو سکیں۔

## باب ۳۲

## مدت اور زمانے، نیز دنیا کے پیدا اور فنا ہونے کی بابت

## ہندوؤں کے نظریات

زمانے کے متعلق رازی اور دوسرے حکماء کے خیالات

محمد ابن زکریا الرازی کے بیان کے مطابق پرانے یونانی حکما، پانچ چیزوں کو ازلی مانتے تھے (۱) خالق (۲) نفس کلی (۳) ہیولائے اول (۴) مکان مطلق اور (۵) زمان مطلق۔ رازی نے اپنے مسلک کی بنیاد اسی قول پر رکھی ہے اور یہی ان کے سارے فلسفے کی تہہ میں کارفرما ہے۔ اس نے زمانے اور مدت میں یہ امتیاز قائم کیا ہے کہ اول الذکر پر عدد کا اطلاق ہوتا ہے آخر الذکر پر نہیں۔ کیونکہ جس چیز کو شمار کیا جاسکتا ہے وہ محدود ہوتی ہے جبکہ مدت لا متناہی ہے۔ اسی طرح حکماء نے زمانے کو ایسی مدت قرار دیا ہے جس کی ابتداء اور انتہا ہے اور ابد کو ایسی مدت مانتا ہے جس کا اول اور آخر نہیں ہے۔

الرازی کے مطابق موجود دنیا میں پانچ چیزوں کا وجود مقدمات ضروریہ میں سے ہے (۱) وہ اشیاء جو حواس کے ذریعے محسوس ہوتی ہیں حقیقت میں ہیولی ہیں جس نے ترکیب پاکر مختلف صورتیں اختیار کر لی ہیں۔ (۲) ہیولی جگہ کو گھیرتا ہے اس لئے مکان (Space) کا وجود لازمی قرار پاتا ہے۔ ان میں سے کچھ تبدیلیاں مقدم اور کچھ مؤخر ہیں اور کچھ وقت کے وقت ہوتی ہیں۔ ان میں امتیاز زمانے کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے۔ (۳) موجود اشیاء میں جاندار بھی شامل ہیں۔ اس سے نفس یا روح کا وجود لازم آتا ہے۔ ان جانداروں میں ایسے ذی عقل ہیں جو فنون کو معراج کمال تک لے جانے کی اہلیت رکھتے ہیں اور یہ بات ہمیں ایسے خالق کا وجود فرض کرنے پر مجبور کرتی ہے جو حکیم اور عالم ہے جس نے ہر چیز کو نہایت اعلیٰ طور پر منظم کیا ہے اور انسانوں کو نجات حاصل کرنے کے لئے عقل عطا کی ہے۔ اس کے برعکس بعض فلاسفہ نے زبان اور ابد کو ایک ہی چیز سمجھا ہے اور حرکت کو جس سے ان کی پیدائش ہوتی ہے، متناہی قرار دیا ہے۔ بعض مفکرین نے ابد کو دوری حرکت قرار دیا ہے۔ بلاشبہ اس حرکت سے وہ متحرک بھی جزا ہوا ہے جس میں یہ حرکت ہوتی ہے اس لئے وہ بھی ابدی ہو جاتا ہے۔ پھر یہ متحرک ترقی کرتے کرتے متحرک کے

مرتبے تک اور متحرک سے محرک اول تک پہنچ جاتا ہے جو خود متحرک نہیں ہے۔ اس قسم کی تحقیق نہایت دقیق اور موہوم ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اختلاف رائے اس حد تک نہ ہوتا کہ بعض لوگ وقت کے وجود سے ہی انکار کرنے لگے اور بعض یہ کہنے لگے کہ وہ قائم بالذات ہے۔ اسکندر افرودیسی کہتا ہے ”ارسطو نے اپنی کتاب میں یہ ثابت کیا ہے کہ ہر حرکت کرنے والی چیز کو کوئی محرک حرکت دیتا ہے۔“ اور جالینوس کہتا ہے ”جب وقت کا نظریہ میری سمجھ ہی میں نہیں آتا ہے تو میں اسے ثابت کیسے کر سکتا ہوں۔“

### وقت کے متعلق ہندو مفکرین کے نظریات

ہندوؤں نے اس موضوع پر بہت کم کہا ہے اور جو کچھ کہا ہے وہ بھی ناقص ہے۔ ورہ میر نے اپنی کتاب ”سمہت“ کے آغاز میں اس چیز کا ذکر کرتے ہوئے جواز لے کر موجود ہے کہا ہے: پرانی کتابوں میں کہا گیا ہے کہ سب سے پہلی ازلی چیز تاریکی ہے لیکن یہ تاریکی سیاہ رنگ کا اندھیرا نہیں بلکہ ایک قسم کا عدم ہے جیسا سونے والے پر طاری ہوتا ہے۔ پھر خدا نے برہما کے واسطے کائنات کو پیدا کیا اور اسے گنبد جیسا بنایا۔ خدا نے کائنات کے دو حصے بنائے ایک اوپر کا اور ایک نیچے کا اور اس میں سورج اور چاند کو رکھ دیا۔ ”کل نے کہا ہے“ خدا ہمیشہ سے موجود ہے اور اس کے ساتھ کائنات بھی اپنی اشیاء اور اجسام کے ساتھ موجود تھی۔ خدا دنیا کی علت ہے اور لطیف ہونے کی وجہ سے دنیا کے کثیف سے بالا ہے۔ کسمہک کہتا ہے ”مہا بھوت“ یعنی پانچوں عناصر کا مجموعہ ہی ازلی ہے۔ بعض مفکرین زمانے کو ازلی مانتے ہیں اور بعض کے نزدیک طبیعت ازلی ہے۔ اس کے برخلاف بعض مفکرین کرم یعنی عمل کو نظم قائم رکھنے والا سمجھتے ہیں۔

کتاب ”دشنودھرم“ میں ہے وجر نے مارکنڈیہ سے کہا ”مجھے وقت کے بارے میں سمجھائیے“ اس پر اس نے جواب میں کہا ”مدت آتم پرش ہے۔ آتم کے معنی ہیں سانس اور پرش کے معنی ہیں کائنات کا مالک اس کے بعد اس نے وجر کو زمانے کی تقسیم اور ہر حصے کے حاکم کے بارے میں بتایا جیسا کہ ہم نے ان میں سے ہر ایک کا بیان مناسب ابواب (باب ۳۳) میں کیا ہے۔

ہندوؤں نے مدت کو دو عرصوں میں بانٹا ہے۔ ایک حرکت کا عرصہ ہے جسے زمانہ قرار دیا گیا ہے اور دوسرا سکون کا عرصہ ہے جس کو اول الذکر کی نظیر پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ ہندوؤں کے مطابق خدا کی ابدیت کا حساب لگایا جاسکتا ہے لیکن اسے ناپا نہیں جاسکتا کیونکہ یہ لامتناہی ہے۔ ہم یہاں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ کسی چیز کا تعین کیا جاسکتا ہے لیکن ناقابل پیمائش ہونا فہم سے بالاتر اور بعید از قیاس ہے۔ اس کے متعلق ہم کو ان کے جتنے انکار و اقوال معلوم ہوئے ہیں ان کو بیان کرتے ہیں۔

## تخلیق کا عرصہ برہما کا دن اور عرصہ جس میں تخلیق نہیں ہوتی برہما کی رات

تخلیق کے بارے میں جیسا کہ ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں ہندوؤں کا معروف نظریہ یہ ہے کہ مادہ ازلی ہے اس لئے ان کے یہاں لفظ تخلیق کا مطلب عدم سے وجود میں لانا نہیں ہے بلکہ ایسا ہے جیسے مٹی سے مورتیں گھڑنا اور اسے اس طرح ترتیب دینا جس سے وہ مقاصد پورے ہو سکیں جن کی صلاحیت اس میں موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ تخلیق کو فرشتوں اور شیاطین بلکہ انسانوں تک سے منسوب کرتے ہیں۔ یہ فرشتے، شیاطین اور انسان اس لئے تخلیق کرتے ہیں کہ اس سے ان پر عائد کسی فرض کی ادائیگی ہو جائے اور مخلوقات کو بھی فائدہ پہنچے یا پھر حسد وغیرہ کا جس میں وہ مبتلا تھے کفارہ ادا کیا جاسکے۔ مثال کے طور پر جیسے دشوا متر نے بھینسوں کو اس لئے پیدا کیا کہ انسان ان سے حاصل ہونے والی اچھی اور مفید چیزوں سے لطف اندوز ہوں۔

اس سیاق و سباق میں ہندوؤں کے ہاں زمانے کی ایک اور مدت کا تصور بھی ملتا ہے جسے مسلمان مصنفین نے ہندوؤں کی پیروی میں سنین عالم یا دنیا کے سال کہا ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ ان سنین کے آغاز کے وقت تخلیق اور اختتام کے وقت فنا واقع ہوتی ہے جوئی تخلیق و ترکیب کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ لیکن اکثریت کا یہ مسلک نہیں ہے۔ ان کے نزدیک یہ عرصہ برہما کا ایک دن اور ایک رات ہے برہما کے سپرد تخلیق کا کام ہے۔ مزید یہ کہ وجود میں آنا ایک حرکت ہے جو وجود میں آنے والی کسی دوسری چیز سے آتی ہے اور اس حرکت کا سب سے نمایاں سبب ستارے ہیں۔ ان کی حرکت کا اثر نیچے کی دنیا پر اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ وہ ہر سمت کی طرف حرکت نہیں کرتے اور اپنی شکلیں نہیں بدل لیتے۔ اس لئے تخلیق کا کام برہما کے دن تک محدود ہے کیونکہ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق اسی دن کے دوران میں ستارے اور آسمان اپنے مقررہ نظام کے مطابق گردش کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں سطح زمین پر تخلیق کا سلسلہ بغیر کسی خلل کے جاری رہتا ہے۔

اس کے برخلاف برہما کی رات میں آسمانوں کی حرکت رک جاتی ہے اور تمام ستارے بے حس و حرکت ایک جگہ ٹھہر جاتے ہیں۔ اس وجہ سے زمین کے حالات و کوائف بھی ایک ہی حالت پر قائم رہتے ہیں اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اور تخلیق کا کام بھی رک جاتا ہے کیونکہ وہ جو تخلیق کا کام انجام دیتا ہے آرام کر رہا ہوتا ہے۔ پس تمام عمل، خواہ فاعلی ہو یا مفعولی، معطل ہو جاتا ہے اور عناصر کی مابینیت میں تبدیلی اور ترکیب پانے کا عمل بھی رک جاتا ہے اور وہ بھی رات میں آرام کرتے ہیں۔ تاکہ برہما کے آنے والے دن میں وجود پانے والی چیزوں کے لئے خود کو تیار رکھیں۔

برہما کی زندگی میں وجود اسی طرح گردش کرتا رہتا ہے۔ اس مضمون کو ہم تفصیل سے اس کے مناسب موقع پر بیان کریں گے۔

### مصنف کی تنقید

ہندوؤں کے ان افکار کے مطابق تخلیق اور فنا کا یہ عمل سطح زمین تک محدود ہے۔ اس طرح کے تخلیقی عمل سے مٹی کا ایک ڈھیلا بھی جو پہلے سے موجود نہیں تھا وجود میں نہیں آتا اور نہ فنا سے وہ ڈھیلا جو پہلے سے موجود تھا معدوم ہوتا ہے جب تک ہندو مادے کو ایلی تصور کرتے رہیں گے وہ تخلیق کے صحیح مفہوم یعنی عدم سے وجود میں لانا کو نہیں سمجھ سکتے۔

ہندوؤں نے اپنے عوام کو مذکورہ بالا مدتوں کے بارے میں یہی بتایا ہے کہ ان میں سے ایک برہما کا دن اور دوسری برہما کی رات ہے۔ بالفاظ دیگر ایک برہما کی بیداری اور دوسری برہما کا خواب ہے۔ ہمیں ان کے ان الفاظ پر اعتراض نہیں کیونکہ اس سے ایسی چیز مراد ہے جس کی ابتداء اور انتہا ہے۔ مزید یہ کہ برہما کی پوری زندگی ایک سلسلہ ہے یکے بعد دیگرے حرکت اور سکون کے وقفوں کا جو دنیا میں تسلسل کے ساتھ واقع ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ پوری مدت وجود کی مدت ہے عدم کی نہیں کیونکہ ان کے دوران مٹی کا ڈھیلا بھی موجود رہتا ہے اور اس کی شکل و صورت بھی۔ برہما کی پوری عمر پرش (باب ۳۵) کے ایک دن کے برابر ہے کیونکہ پرش برہما سے اونچا ہے جب وہ مرتا ہے تو تمام مرکبات اس کی رات میں گھل کر ختم ہو جاتے ہیں اور ان کے مرکبات کے متھے ہی وہ چیز بھی معطل ہو جاتی ہے جس کا کام برہما کو نظام طبیعت پر قائم رکھنا تھا اور یہ پرش اور ہر وہ چیز جو اس کی تابع ہے حالت سکون میں آ جاتی ہے۔

### برہما کے خواب کے متعلق علماء اور عوام کے نظریات

جب ہندو عوام اس موضوع پر کلام کرتے ہیں تو وہ برہما کی رات کی وہی حالت بیان کرتے ہیں جیسی پرش کی رات کی ہے اور چونکہ پرش مرد کو بھی کہتے ہیں اس لئے وہی بیداری اور خواب کو اس سے منسوب کر دیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جسم کو جو متضا و اخلاط سے بنا ہے آرام اور کھوٹی ہوئی قوت کی بحالی کے لئے نیند کی ضرورت ہے۔ اسی طرح بدن کو اپنے وہ اجزاء جو مل ہو کر ختم ہوتے رہتے ہیں از سر نو پیدا کرنے کے لئے کھانے کی اور اپنی نسل کی لہاء کے لئے جماع کی ضرورت ہے۔ جسم کو ان کے علاوہ بعض بری چیزوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے لیکن وہ جو انسان سے مافوق ہے اور جس کا کوئی مثل نہیں ان چیزوں سے بے نیاز ہے۔

## دنیا کے خاتمے کے متعلق ہندوؤں کے خیالات

ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ دنیا بارہ سورجوں کے جو ایک ایک کر کے ہر مہینے طلوع ہوتے ہیں، ایک ساتھ طلوع ہو جانے کی وجہ سے جل کر خاکستر ہو جائے گی اور اس کی تمام رطوبت خشک ہو جائے گی اور یہ فنا ہو جائے گی۔ پھر چاروں بارشیں جو ایک ایک کر کے سال کے مختلف حصوں میں ہوتی ہیں۔ ایک ساتھ برس کر دنیا کو فنا کر دیں گی اور چونے اور راکھ کو بہا دیں گی۔ پھر روشنی ختم ہو جائے گی اور اندھیرے اور عدم چھا جائیں گے۔ ان سب سے دنیا ریزہ ریزہ ہو کر منتشر ہو جائے گی۔

ان عبارتوں کے سیاق سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دنیا ”کلیپ“ کے آخر میں فنا ہوتی ہے۔ اسی سے ابو معشر نے یہ نظریہ اخذ کیا ہے کہ ستاروں کے اجتماع کے وقت طوفان آتا ہے اور ستاروں کا یہ اجتماع ہر چترنگ کے آخر اور کلنگ کے آغاز میں ہوتا ہے۔ اگر یہ اجتماع مکمل نہیں ہوتا تو اس سے بربادی بھی پوری طرح نہیں ہوتی۔ ان امور کی تحقیق اور مطالعے میں ہم جیسے جیسے آگے بڑھتے جائیں گے ان کو سمجھنا آسان ہوتا جائے گا اور قاری اس سیاق و سباق میں آنے والی تمام اصطلاحات کے معنی اچھی طرح سمجھنے لگے گا۔

اس مسئلہ میں بدھوں کے خیالات جو ہم تک ایران شہری کے ذریعے پہنچے ہیں

ایران شہری نے اس مسئلہ میں بدھوں سے جو روایت نقل کی ہے وہ بھی اسی طرح کی خرافات ہے جیسی کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ بدھوں کے مطابق کہ میر و پہاڑ کے چاروں اطراف پر چار دنیاں ہیں جو باری باری آباد اور ویران ہوتی رہتی ہیں۔ یہ اس طرح ویران ہوتی ہے کہ سات سورجوں کے یکے بعد دیگرے نکل آنے سے آگ لگ جاتی ہے چشموں کا پانی خشک ہو جاتا ہے اور آگ ہر طرف پھیل جاتی ہے اور ہر چیز کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔ یہ آباد اس طرح ہوتی ہے کہ جب آگ اس میں سے نکل کر دوسری دنیا میں چلی جاتی ہے تو ہاں آندھی آتی ہے اور اس کے ساتھ آنے والے بادل اتنا پانی برساتے ہیں کہ زمین سمندر بن جاتی ہے پھر ان پانی کی جھاگوں سے سپیاں بنتی ہیں ان سپیوں میں روح پڑ جاتی ہے اور جب پانی خشک ہو جاتا ہے تو انہیں سپیوں سے انسان پیدا ہو جاتے ہیں۔ بعض بدھوں کا خیال ہے کہ انسان مٹنے والی دنیا سے آباد ہونے والی دنیا میں اتفاق سے آ جاتا ہے اور تنہائی سے گھبراتا ہے۔ تب اس کے خیال سے اس کے لئے ایک عورت (ہوی) پیدا ہو جاتی ہے اور اس جوڑے سے نسل شروع ہو جاتی ہے۔

## باب ۳۳

## یوم کی قسمیں اور دن رات

## دن اور رات کی تعریف

مسلمان ہندو اور دوسری قوموں سب کے نزدیک یوم سے مراد وہ مدت ہے جس میں سورج کائنات کے گرد ایک چکر پورا کر لیتا ہے یعنی دائرہ عظمیٰ کے نصف سے چل پھر کر وہیں واپس آ جاتا ہے۔ یوم کے دو حصے ہیں دن یعنی وہ مدت جس میں دنیا کے کسی حصے کے لوگوں کو سورج دکھائی دیتا رہتا ہے اور رات (جب سورج ان کی نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے) لیکن سورج کا ظاہر ہونا اور چھپنا اضافی حالت ہے جو افقوں کے اختلاف سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ معلوم ہے کہ خط استوا کا افق (جسے ہندو بغیر عرض کا ملک کہتے ہیں) نصف النہار کے متوازی دائروں کو دو برابر حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ اس وجہ سے ان جگہوں پر دن اور رات ہمیشہ برابر ہوتے ہیں۔ لیکن وہ افق جو متوازی دائروں کو کاٹتے ہیں لیکن ان کے قطب سے نہیں گزرتے وہ ان دائروں کو نا برابر حصوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ اس وجہ سے ان جگہوں کے دن رات برابر نہیں ہوتے سوائے سال میں دو دن کے جب میر داوڑ وادو کھ کے علاوہ ہر جگہ دن اور رات برابر ہوتے ہیں۔ اس وقت دنیا کے تمام مقامات پر چاہے وہ استوا کے شمال ہوں یا جنوب میں وہی حالت ہوتی ہے جو استوا پر واقع مقامات پر یعنی ان دو موقعوں پر دنیا میں ہر جگہ دن اور رات برابر ہوتے ہیں لیکن ان دو موقعوں کے علاوہ دن اور رات کا فرق قائم رہتا ہے۔

## منشیہ ہو راتر

ان کی ابتدا سورج کے افق سے بلند ہونے سے اور رات کی ابتدا سورج کے افق کے پیچھے چھپ جانے سے ہوتی ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک دن پہلے ہے اور رات بعد میں۔ اسی لئے انہوں نے اس کا نام ”ساون“ رکھا ہے۔ یعنی دن جس کا انحصار سورج نکلنے پر ہے۔ نیز وہ اسے منشیہ ہو راتر یعنی انسانی دن بھی کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندو عوام اس ”یوم“ کے علاوہ کسی اور ”یوم“ سے واقف نہیں ہیں۔ چونکہ قاری ”ساون“ سے اچھے طرح واقف ہے اس لئے دوسرے ایام کو سمجھانے اور ان کی پیمائش کے لئے ہم ”ساون“ کو بطور پیمانہ اور معیار استعمال کریں گے۔



(الہیرونی نے ”یوم“ کی مختلف قسمیں بیان کی ہیں۔ ان بیانات کے منتخب اجزاء کو ذیل میں پیش کیا جاتا ہے)۔

### باپوں کے دن

انسانی ایام کے بعد پترتا مہورات یعنی باپوں (آباؤ اجداد) کا دن ہے جن کی روہیں ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق چاند کے آسمان پر رہتی ہیں۔ اس یوم کے دن اور رات چاند کی روشنی اور تاریکی سے بنتے ہیں افق پر اس کے نکلنے اور ڈوبنے سے نہیں۔ جب چاند آسمان کے بلند ترین حصے میں ہوتا ہے اور اس کی روشنی اسلاف کی روجوں کی طرف ہوتی ہے تو ان کا دن ہوتا ہے اور جب چاند آسمان کے نچلے حصوں میں ہوتا ہے تو ان کی رات ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کو چاند کی روشنی اس وقت دکھائی دیتی ہوگی جب چاند پورا ہوتا ہے اور ان کی رات اس وقت ہوتی ہے جب نیا چاند نکلتا ہے۔ اس طرح آبا کے یوم کی مدت چاند کے پورے مہینے کے برابر ہوتی ہے۔ دن اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب چاند آدھا ہوتا ہے اور اس کی روشنی بڑھنا شروع ہو جاتی ہے اور پھر جب چاند گھٹتے گھٹتے آدھا ہو جاتا ہے تو ان کی رات شروع ہو جاتی ہے کیونکہ اس وقت چاند کی روشنی کم ہونے لگتی ہے۔

### دیوتاؤں یا فرشتوں کا یوم

اس کے بعد دو یہ ہورات یعنی فرشتوں کا یوم ہے۔ یہ معلوم ہے کہ سب سے چوڑا افق جو قطب پر ۹۰° کا زاویہ بناتا ہے خط استوا یا اس کے قریب دکھائی دینے والے افق کے نیچے اس جگہ پر ہے جہاں میرد پہاڑ واقع ہے کیونکہ افق اور خط استوا کچھ جنوب میں (تھوڑے سے نیچے) ہونے کے باوجود اس کی چوٹی اور پہلو کی سیدھ میں ہیں۔ اس کے علاوہ استوا منطقہ بروج کو دو برابر حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ ان میں سے ایک حصہ استوا کے اوپر شمالی جانب ہے اور دوسرا اس کے نیچے جنوب کی طرف۔ سورج جب تک شمال کی طرف رہتا ہے آسیائی گردش کرتا ہے اور افق کے متوازی یومیہ دائرے بناتا ہوا چلتا ہے اور جب یہ افق پر ظاہر ہوتا ہے تو قطب شمالی کے لوگوں کا دن طلوع ہوتا ہے۔ اس وقت یہ جنوبی قطب والوں سے پوشیدہ رہتا ہے اس لئے ان کی رات ہوتی ہے اور جب سورج جنوب کی طرف گردش کرتا ہے تو شمالی قطب والوں کی رات اور جنوبی قطب والوں کا دن شروع ہو جاتا ہے۔

دیوک یعنی روحانی ہستیوں کی آبادیاں قطبوں کے نیچے ہیں اس لئے ان کے نام پر اس یوم کو دیووں کا یوم کہا جاتا ہے۔ آریہ بھٹ کم پورا کہتا ہے کہ دیوشکی سال کے ایک نصف کو دیکھتے ہیں اور دانوں دوسرے نصف کو اور قمری سال کے ایک نصف کو پترتا اس اور دوسرے نصف کو انسان دیکھتے ہیں۔ اس

طرح فلک بروج میں سورج کی ایک گردش سے دیو اور دانوں دونوں کے لئے دن اور رات بنتے ہیں اور ان دونوں (دن اور رات) کا مجموعہ یوم ہے۔

اس اعتبار سے ہمارا ایک سال دیوا کا ایک یوم ہے لیکن فرشتوں کے اس یوم کے دن اور رات برابر نہیں ہوتے (جیسے کہ بزرگوں کے یوم کے ہیں) اس کی وجہ یہ ہے کہ سورج نصف شمال میں اپنے اوج کے گرد زیادہ دیر تک رہتا ہے جس کے نتیجہ میں دن بڑا ہو جاتا ہے لیکن یہ فرق دکھائی دینے والے افق اور حقیقی افق کے فرق کے برابر نہیں ہوتا اس لئے کہ آفتاب پر نہیں دیکھا جاسکتا پھر ہندوؤں کے خیال میں ان جگہوں کے رہنے والے سطح زمین سے بہت بلند ہیں کیونکہ وہ میر و پہاڑ پر رہتے ہیں۔ اس خیال کے ماننے والوں کے نزدیک میر و پہاڑ کی بلندی وہی ہے جو ہم اس کتاب کے باب ۲۳ میں بتا چکے ہیں۔ پہاڑ کی اتنی بلندی کی وجہ سے اس کا افق اتنا ہی نیچا (خط استوا سے آگے جنوب کی طرف) ہے اور اس لئے رات کے مقابلے میں دن کے طول کی شرح کم ہو جاتی ہے (یہاں سورج اپنے شمالی اوج کے قریب نہیں پہنچ پاتا اور اس واسطے دن اتنا طویل نہیں ہوتا) اگر یہ عقیدہ ہندوؤں کی مذہبی روایات پر مبنی نہ ہوتا اور اس کی بابت ان کے درمیان بھی اتنا اختلاف نہ ہوتا تو ہم میر و پہاڑ کے افق کی نیچائی کی پیمائش نجوم کے حساب سے کر لیتے لیکن چونکہ میر و پہاڑ صرف ایک ذہنی اختراع ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں اس لئے اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

برہما کا دن

اس کے بعد برہما ہوا تر ہے یعنی برہما کا یوم۔ یہ روشنی اور تاریکی سے نہیں بنتا جیسا کہ بزرگوں کا یوم ہے نہ کسی ستارے کے طلوع و غروب سے جیسا کہ دیووں کا یوم ہے بلکہ مخلوقات کے اسی طبعی اقتضا سے بنتا ہے کہ دن کا وقت حرکت کے لئے اور رات کا وقت آرام کے لئے ہے۔ برہما کا یوم ہمارے ۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ سال (۸۰۲۲۰۰ آٹھ ارب چونسٹھ کروڑ) سال کے برابر ہے۔ اس یوم کے اس آدھے حصے میں جو دن ہے ایٹر (Ether) تمام چیزوں کے ساتھ جو اس میں ہیں حرکت کرتا رہتا ہے زمین پیدا کرتی رہتی اور اس کے سطح پر وجود اور فنا کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ دوسرے حصے یعنی رات میں حالت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ زمین میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی کیونکہ وہ اشیاء جو اس تبدیلی کا موجب ہیں ساکن ہو جاتی ہیں اور تمام حرکت رک جاتی ہے اور فطرت جس طرح رات کے وقت اور جاڑوں میں آرام کر کے صبح کے وقت اور گرمیوں کے موسم کے لئے تیار اور اپنی قوتوں کو جمع کرتی ہے اسی طرح تمام موجودات طبعی اس رات میں آسندہ دن کی تخلیقی سرگرمیوں کے واسطے تیار ہونے کے لئے آرام کرتے اور اپنی قوتوں کو مجتمع کرتے ہیں۔ برہما کا دن بھی ایک کلب ہے اور رات بھی ایک کلب اور یہی وہ مدت ہے جس کو مسلمان علماء سندھد کہتے ہیں۔

## پریش کا یوم

آخری پریش ہو رات یعنی نفس کل کا یوم ہے جس کو مہا کلپ کہتے ہیں یعنی سب سے بڑا کلپ۔ ہندو اسے زمانہ جدید کے اظہار کے لئے استعمال کرتے ہیں لیکن اس میں دن اور رات کی تخصیص نہیں ہوتی۔ میرے خیال میں مہا کلپ کا دن وہ مدت ہے جس میں نفس ہیولی سے ملا رہتا ہے اور اس کی رات وہ مدت ہے جب نفس ہیولی سے جدا ہوتا ہے۔ اس مدت میں روحیں آرام کرتی ہیں اور اس تھکن کو دور کرتی ہیں جو ہیولی سے متصل ہونے کے سبب ان پر طاری ہو جاتی ہے اور روح کے ہیولی سے اتصال اور جدائی کی مدت دونوں کے مجموعے سے مہا کلپ بنتا ہے۔ دشنودھرم میں ہے ”برہما کی عمر پریش کا ایک دن ہے اور پریش کی رات بھی اتنی ہی لمبی ہوتی ہے۔“

باب ۳۴

## یوم کی تقسیم وقت کے چھوٹے چھوٹے اجزائیں

گھٹی

ہندوؤں نے اگرچہ کسی معقول کے بنیاد کے بغیر وقت کو بہت چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بانٹ رکھا ہے لیکن اس کے باوجود ان کے ہاں اس کا کوئی متفق علیہ نظام رائج نہیں ہے۔ ہر دوسرا آدمی اور ہر دوسری کتاب ایک نیا نام استعمال کرتے نظر آتے ہیں۔

چٹک

یوم کی پہلی تقسیم یہ ہے کہ اسے ساٹھ دقیقوں میں بانٹا گیا ہے اور ہر دقیقہ ایک گھڑی کہلاتا ہے پھر ہر دقیقہ کو ساٹھ ثانیوں میں تقسیم کیا گیا ہے جسے چٹک یا چٹک اور گھٹک کہتے ہیں۔

پڑان

پھر ٹائیے کے چھ حصے کئے گئے ہیں جو پڑان یعنی ”سائنس“ کہلاتے ہیں۔ چاہے پڑان کا پیمانہ اختیار کریں (یعنی ایک یوم ۲۱،۶۰۰ پڑان) یا گھٹی کو ۳۶۰ حصوں میں تقسیم کریں۔  $۳۶۰ \times ۶۰ = ۲۱۶۰۰$  یا آسمان کے ہر درجے کو ۶۰ حصوں میں بانٹیں۔  $۳۶۰ = ۲۱۶۰۰$  سب برابر ہیں۔

شن

اصطلاحات کے اختلافات کے باوجود وقت کے ان اجزاء پر تمام ہندوؤں میں اتفاق ہے۔ لیکن بعض ہندو دقیقے اور ٹائیے کے بیچ میں ایک تیسرا درجہ بڑھا دیتے ہیں اور وہ ہے شن یا ۱۲/۱ دقیقے کے برابر یعنی ۱۵ ٹائیے کا ہوتا ہے پھر ہر شن کو ۱۵ حصوں میں بانٹا گیا ہے جو کل کہلاتے ہیں ان میں سے ہر ایک دقیقہ کا ساٹھواں حصہ ۶۰/۱ ہے اسی کو چٹک کہتے ہیں لیکن اس کا نام دوسرا ہے یعنی کل۔

یمش، لو اور ترتی

وقت کی اس تقسیم کے نچلے مرتبے میں تین نام آتے ہیں جن کو ہمیشہ ایک ہی ترتیب میں پیش کیا جاتا

ہے۔ ان میں سب سے بڑا نمیش ہے یعنی دو پلک جھپکنے کی درمیانی مدت پھر درمیان میں ”لو“ ہے اور آخر میں ”ترتی“ جو وقت کی سب سے چھوٹی مقدار ہے۔ ترتی کا مطلب ہے چٹکی بجانا جو خوش ہونے کے اظہار کے طور پر بجائی جاتی ہے۔ ان تینوں کے باہمی تناسب کے بارے میں بہت اختلاف ہے لیکن اکثر لوگ کہتے ہیں کہ:

۸ ترتی	=	۱ لو
۸ نمیش	=	۸ لو
۸ چٹک	=	۸ نمیش

مندرجہ ذیل جدول میں ان کی تفصیل دی جاتی ہے۔

ان مقداروں کی وہ تعداد جن چھوٹی مقداروں کی وہ تعداد جن وقت کے مقداروں کے نام

سے یوم بنتا ہے	سے بڑی مقدار بنتی ہے	نام
۶۰	۶۰	گھٹی (گھڑی)
۲۴۰	۴	شن
۳۶۰۰	۱۵	چٹک و نادہ کل
۲۱۶۰۰	۶	پران
۱۷۲۸۰۰	۸	نمیش
۱۳۸۲۴۰۰	۸	لو
۱۰۵۹۰۲۰۰	۸	ترتی
۸۸۰۴۷۳۰۰	۸	انو

پر

ہندوؤں نے یوم کو آٹھ پر پر (یعنی چہر) میں تقسیم کر دیا ہے جو گھڑیاں کی آٹھ نوبتیں ہیں۔ بعض مقامات پر پانی کی گھڑیاں بھی اسی حساب پر درست رکھی جاتی ہیں۔ جب ایک نوبت جو ساڑھے سات گھڑی کی ہوتی ہے گزرتی ہے تو ڈھول پیٹتے اور سکھ بجاتے ہیں۔ جسے فارسی میں سفید مہرہ کہتے ہیں۔ میں نے پرشر میں ایسا ہوتے دیکھا ہے۔ ان گھڑیوں کے انتظام کے اخراجات کے لئے نیکوکار لوگوں نے جائیدادیں اور برتومات وقف کر دی ہیں۔

## مہورت

اس کے علاوہ دن کو تیس مہورتوں میں تقسیم کیا گیا ہے لیکن یہ تقسیم کچھ مبہم سی ہے کبھی یہ خیال ہوتا ہے کہ مہورتوں کا طول ہمیشہ ایک ہی رہتا ہے۔ خصوصاً جب یہ کہا جاتا ہے کہ ایک مہورت دو گھڑی یا ۴۰/۳۰/۳۰ نو بتیں ایک مہورت کے برابر ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ مہورت کی ایسی ساعتیں جن کی ایک مقررہ مقدار سے یوم بنتا ہے مگر ایسا نہیں ہے۔ ہر عرض البلد پر ان کی مقدار میں فرق ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے دن کی مہورتوں کی مقدمات کی مہورتوں کی مقدار سے مختلف ہوتی ہے۔ پولس کا نظریہ کہ مہورت میں تبدیلی ہوتی ہے یا نہیں بیان کر کے المیرونی نے اس پر تنقید کی ہے۔

## ہندو نجوم میں ساعت یا گھنٹے کا استعمال

ہندو ساعت کو ہور کہتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے یہاں ساعت معوجہ کا استعمال ہوتا ہے۔ (یعنی برج کے مراکز) کیونکہ ہندو انہیں بھی ہور کہتے ہیں اور ہم مسلمان ان کو ”نیم پھر“ کہتے ہیں (باب ۸۰) اس کی وجہ یہ ہے کہ دن اور رات ہر ایک میں ہمیشہ چھ برج افق سے نمودار ہوتے ہیں اس لئے اگر ساعت برج کے مرکز کا نام ہے تو دن اور رات میں بارہ بارہ ساعتیں ہوتیں اور ان کے نتیجے میں حاکموں کی ساعتیں بھی معوجہ ہوں گی جیسے کہ ہمارے یہاں استعمال ہوتی ہیں اور اصطلاح پر نقش کی جاتی ہیں۔

## چوبیس ساعتوں کے نام

ہندوؤں نے معوجہ ساعتوں کے نام بھی رکھ لیے ہیں۔ ان ناموں کو ہم نے ذیل کے نقشے میں جمع کر دیا ہے میرے خیال میں یہ نام ”سردھو“ سے لئے گئے ہیں۔

مبارک ہے یا منحوس	رات کے ہور کا نام	مبارک ہے یا منحوس	دن کے ہور کا نام
منحوس	کال راتری	منحوس	رودر
مبارک	روڈنی	مبارک	سومیہ
مبارک	دیرا ہم (؟)	منحوس	کراں
منحوس	تراسینہ	مبارک	سٹرا
مبارک	گوہنیہ (؟)	مبارک	دیگ
منحوس	مایا	مبارک	دشال
مبارک	دمرتیہ (؟)	منحوس	مرتیسار

۸	شبھ	مبارک	جیو ہرنی	منخوس
۹	کرودھ	مبارک	شوشنی	منخوس
۱۰	چنڈال	مبارک	ورشی	مبارک
۱۱	کرتک	مبارک	داہریہ	سب سے زیادہ منخوس
۱۲	امرت	مبارک	چنتما	مبارک

مندرجہ ذیل جدول میں مہورت کے حاکموں کے نام درج کئے جاتے ہیں۔

مہورت کا عدد	دن کے مہورت کے حاکم	رات کے مہورت کے حاکم
۱	شیو یعنی مہادیو	رودر یعنی مہادیو
۲	بھوج یعنی سانپ	لجہ یعنی کھروالے جانوروں کا حاکم
۳	متر	اہر بدھنیہ یعنی اتر بھدر پد کا حاکم
۴	پتری	پوشن یعنی ریوتی کا حاکم
۵	واسو	اتک یعنی ملک الموت
۶	اپس یعنی پانی	اگنی یعنی آگ
۷	وشوا	دھاتر یعنی حفاظت کرنے والا برہما
۸	ورنخہ یعنی برہما	سوم یعنی مرگ سرش کا حاکم
۹	کیشور (?) یعنی مہادیو	گرو یعنی مشتری
۱۰	اندرگنی	ہری یعنی نارائن
۱۱	راجا اندر	راوی یعنی سورج
۱۲	نشا کر یعنی چاند	یم یعنی ملک الموت
۱۳	ورن یعنی بادلوں کا حاکم	تواشتری یعنی چتر اکا کا حاکم
۱۴	آریہ من	اٹل یعنی ہوا
۱۵	بھاگیہ	

ان ساعتوں کو پنجموں کے علاوہ اور کوئی استعمال نہیں کرتا۔ صرف یہی لوگ ان ساعتوں کے حاکموں کا ذکر کرتے ہیں اور یہی حاکم یوم کے بھی ہیں اور یوم کے یہ حاکم رات اور دن دونوں کے حاکم ہیں کیوں کہ لوگ دن اور رات کے حاکموں کا الگ الگ ذکر نہیں کرتے اور رات کا بالکل ذکر نہیں کرتے اور ان حاکموں کی ترتیب مستوی ساعتوں کی بنیاد پر کرتے ہیں۔

## باب ۳۵

## مہینوں اور سالوں کی قسمیں

## قمری مہینے کی تعریف

قمری مہینہ چاند کے ایک اجتماع سے دوسرے اجتماع تک کی گردش کی مدت ہے۔ ہم اسے طبعی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اسی طرح نشوونما پاتا ہے جس طرح دنیا کی تمام دوسری چیزیں ان چیزوں کی ایک ابتدا ضرور ہوتی ہے (یعنی عدم سے وجود میں آتا) اور پیدا ہونے کے بعد یہ بڑھنا شروع کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ بالیدگی اور ترقی کی انتہا کو پہنچ کر ٹھہر جاتی ہیں۔ اس کے بعد ان میں کمزوری اور انحطاط پیدا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ یہ رفتہ رفتہ اسی جگہ (عدم) واپس چلی جاتی ہیں جہاں سے ان کا ظہور ہوا تھا۔ یہی حال چاند کی روشنی کا ہے، پہلے وہ اندھیری راتوں کے بعد ہلال کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ پھر تیسری رات کے بعد وہ قمر اور بعد میں بدر کامل (پورا چاند) بن جاتا ہے اور پھر انہیں منزلوں سے ہوتا ہوا پہلی حالت کی طرف پلٹ جاتا ہے اور آخری رات تک پہنچ جاتا ہے۔ (جو بمنزلہ عدم کے ہے) اور ہماری آنکھوں سے چھپ جاتا ہے۔ پھر وہ چند راتوں میں اسی طرح غائب رہتا ہے جیسا کہ سب کو معلوم ہے لیکن شاید یہ بات کم ہی لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ چند راتوں تک اپنی پوری حالت میں قائم کیوں نہیں رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چاند کا جسم سورج کے جسم سے بہت چھوٹا ہے۔ اس لئے اس کا روشن حصہ تاریک حصہ سے بڑا ہے یہی سبب ہے کہ پورا ہو کر چاند چند راتوں تک اسی حالت پر قائم رہتا ہے۔

## چاندنی کے اثرات

چاند مرطوب چیزوں پر اثر کرتا ہے اور یہ چیزیں واضح طور پر اس سے متاثر ہوتی ہیں اور جو ابھالے میں کمی یا زیادتی کی حالتوں کے مطابق ہوتی ہے۔ ساحلوں پر رہنے والے اور سمندر میں سفر کرنے والے اس کیفیت کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اسی طرح اطباء یہ بات جانتے ہیں کہ چاند کا اثر مریضوں کے اخلاط پر بھی ہوتا ہے اور بخار کی تیزی چاند کے دورے کے ساتھ ساتھ آتی جاتی ہے۔ ماہرین طبوعات اس بات سے واقف ہیں کہ جانوروں اور پودوں کی زندگی کا انحصار چاند پر ہے۔ مغز اور دماغ اور اندوں پر اور



منکوں میں رکھی شراب کے درد پر اس کا جو اثر ہوتا ہے اور چاندنی میں سونے والوں کے دماغ میں جو ہیجان اس کے اثرات سے پیدا ہوتا ہے اور کتان پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ تجربہ کار لوگ اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔ کاشکار اچھی طرح جانتے ہیں کہ لکڑی، خربوزے اور کپاس وغیرہ کے کھیتوں پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے بیج بونے، پودے لگانے، پیوند کاری کرنے اور جانوروں سے بچہ لینے کے لئے انہیں جفت کرانے کے لئے چاند کی مختلف حالتوں کے مطابق اوقات مقرر کر رکھے ہیں اور علمائے نجوم اچھی طرح جانتے ہیں کہ چاند کی شکلوں کی تبدیلی (یعنی اس کے گھٹنے اور بڑھنے سے) موسمی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر یہ سلسلہ طبعی ہے اور بارہ قمری مہینوں کا سال اصطلاحاً قمری سال کہلاتا ہے۔

### شمسی مہینہ

طبعی سال وہ مدت ہے جس کے دوران سورج فلک بردج کا ایک دورہ پورا کرتا ہے۔ ہم اسے طبعی اس لئے مانتے ہیں کہ یہ سال کے چاروں موسموں میں ہونے والے پیداواری عمل کے ہر مرحلے پر محیط ہے۔ اس دورے کے دوران میں آفتاب کی جو شعاعیں کھڑکی کے شیشوں سے اندر آتی ہیں اور مقیاس کے سائے پھر اسی مقدار حالت اور سمت کی طرف لوٹ جاتے ہیں جہاں سے ان کا آغاز ہوا تھا، اسی دورے کی مدت کا نام سال اور قمری سال کے مقابلے میں شمسی سال کہلاتا ہے جس طرح قمری مہینہ قمری سال کا بارہواں حصہ ہے اسی طرح شمسی سال کا بارہواں حصہ شمسی سال کا ایک مہینہ ہوا۔ یہ وہ مدت بھی ہے جو آفتاب کسی ایک برج میں گزرتا ہے۔

### شمسی قمری حسابات

ہندو اجتماع کو اماوس کہتے ہیں جو پورنیا کی ضد ہے اور مہینے کے پہلے اور آخری ربع کو اتھو (?) کہتے ہیں۔ ان میں سے بعض قمری سال، قمری مہینے اور قمری دنوں سے حساب لگاتے ہیں اور بعض قمری سال لیکن شمسی مہینوں کی بنیاد پر حساب کرتے ہیں اور ہر برج کو ۳۰ فرض کر کے چلتے ہیں۔ سورج کے برج میں داخل ہونے کا سکراٹ کہتے ہیں۔ یہ ملاحظہ کیجئے قمری حساب اندازے کی طرح قیاسی ہے حقیقی نہیں اگر وہ اسے مستقل طریقے پر استعمال کریں تو جلد اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ شمسی سال اور مہینوں کا حساب صحیح تر ہے۔ مخلوط حساب میں انہیں مہینوں میں لوندا لگانا پڑتا ہے۔

### قمری مہینے کی ابتداء

قمری مہینے کو استعمال کرنے والے اس کی ابتدا اجتماعی (اماوس) سے کرتے ہیں اور یہی طریقہ عام

طور پر رائج ہے لیکن بعض لوگ پورنماشى سے ابتدا کرتے ہیں۔

## مہینے کا شمار دو نصف میں

قمری مہینے کے دنوں کا شمار نئے چاند سے شروع کیا جاتا ہے اور قمری مہینے کے پہلے دن کو ”برب“ کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد چاند پورا ہونے پر یعنی پورن ماشی سے پھر گنا شروع کرتے ہیں یعنی پندرہ پندرہ دن گتے ہیں، پہلے پندرہ نئے چاند سے اور دوسرے پندرہ پورے چاند سے وہ دو دن جو نئے چاند یا پورے چاند سے برابر فاصلے پر ہیں ایک ہی نام سے پکارے جاتے ہیں۔ ان دونوں دنوں میں چاند کے جسم میں روشنی اور تاریکی برابر ہوتی ہیں اور ایک میں نکلنے اور دوسرے میں ڈوبنے کا وقت ایک ہی ہوتا ہے۔

## مہینوں کی قسمیں

چونکہ مہینے دنوں سے بنتے ہیں اس لئے مہینوں کی بھی اتنی ہی قسمیں ہیں جتنی دنوں کی ہر مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے یہاں دن سے مراد ساون ہے۔ (دیکھئے باب ۳۳) ایک مہینے میں تیس قمری دن ہوتے ہیں کیونکہ مہینے کے لئے یہی تعداد مقرر ہے جس طرح سال کے لئے ۳۶۰ کی تعداد مقرر ہے۔ شمسی مہینے میں ۳۰ شمسی دن ہوتے ہیں اور ۳۰۰، ۱۱۰، ۳/۸۷، ۹۸، ۳۶۲، اطلوعی ایام ہوتے ہیں۔ شمسی سال میں ۳۶۵/۸۷۳۲۰۰ طوعی ایام ہوتے ہیں۔

## باب ۳۶

## وقت کے چاند ناپ جنہیں مان کہتے ہیں

مان اور پرمان مقدار کو کہتے ہیں۔ ان چار مقداروں یا ناپوں کا ذکر یعقوب ابن طارق نے اپنی کتاب ”ترکیب افلاک“ میں کیا ہے لیکن وہ ان سے اچھی طرح واقف نہیں تھا۔ اس کے علاوہ اس نے ان کے نام بھی غلط لکھے ہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہو۔ یہ مقداریں حسب ذیل ہیں۔

سورمان	یعنی شمسی مقدار
ساون مان	وہ مقدار جس کا مدار طلوع پر ہے یعنی سوری مقدار
چندرمان	یعنی قمری مقدار
نکشر مان	یعنی چاند کی منزلوں کی مقدار

## سورمان چندرمان اور ساون مان کا مصرف

سورمان کے ذریعے کلپ اور چترنگ کے چاروں گیلوں کے سالوں کا حساب لگایا جاسکتا ہے۔ پھر اس کو پیدا انشوں کے سالوں کے لئے اور دن اور رات کے برابر ہونے کے دنوں اور سال کے چھٹے حصے یا موسموں اور یوم کے دن اور رات کا فرق نکالنے میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ ان تمام معاملات میں شمسی سال، مہینے اور دن میں حساب لگایا جاتا ہے۔

چندرمان کا استعمال گیارہ کرنوں (باب ۷۸) لوند کے مہینوں اُناتراتر (باب ۵۱) کے دنوں اور سورج اور چاند گرہنوں اور چاند کے نکلنے اور بدر کامل بننے وغیرہ کا حساب کرنے میں کیا جاتا ہے۔

ساون مان سے وار یعنی ہفتے کے دن کا حساب کیا جاتا ہے اور اہرگن یعنی کسی عہد کے سالوں کا حساب شادیوں اور روزہ رکھنے کے دنوں کا حساب ساون مان سے لگایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ساون مان کو سوتک (باب ۵۱) یعنی ایام نفاس مردے کے گھر کے برتنوں اور گھر کی ناپاکی کے دن (باب ۷۲) چکٹسا یعنی بعض دوائیں دینے اور علاج معالجے کے ایام وغیرہ کا حساب لگانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ پھر پراشچت یعنی کفارہ (جو گناہ گاروں کے لئے برہمنوں کی طرف سے ضروری قرار دیا گیا ہے) کے ایام (جن کے گناہ گار کو روزہ رکھنا اور جسم پر گو بر ملنا ہوتا ہے) وغیرہ کے حساب میں ساون مان ہی

استعمال ہوتا ہے۔

اس کے برخلاف ناکشتر مان سے کوئی کام نہیں لیا جاتا کیونکہ وہ چندرمان میں شامل ہیں۔ وقت کی ہر وہ مقدار جسے اتفاق رائے سے یوم کہا جاتا ہے مان کہلائی جاسکتی ہے۔ ایسے بعض ایام گزشتہ باب میں بیان کئے جا چکے ہیں (باب ۳۳) لیکن اصل چار مان وہی ہیں جو اس باب میں بیان کئے گئے ہیں۔

## باب ۳۷

### مہینے اور سال کے حصے

سال، فلک بروج میں آفتاب کی ایک گردش ہے۔ اسی لئے فلم بروج کی طرح سال کو بھی تقسیم کیا گیا ہے۔ فلک البروج کو وہ نقطہ دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے جہاں سے سورج سال میں ایک بار قطب شمالی کی طرف اور پھر ایک بار قطب جنوبی کی طرف مراجعت کرتا ہے اسی اعتبار سے سال کو دو برابر حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جن میں سے ہر ایک کو ”آسن“ کہتے ہیں۔

جب سورج جاڑوں میں اس نقطہ سے قطب شمالی کی طرف روانہ ہوتا ہے تو اس حصہ کو اس لحاظ سے سورج اتر کی طرف راجع ہے اتر سے منسوب کر کے ”آترائن“ کہتے ہیں۔ یہ حصہ اس مدت پر مشتمل ہے جس میں سورج قطب شمالی کے اپنے راستے پر چھ برجوں کو پار کرنے میں لیتا ہے۔ ان چھ بروج میں سے پہلا جدی ہے۔ اس لئے اس کو ”مکرا دی“ کہتے ہیں۔ اسی طرح جب سورج گرمیوں میں اس نقطہ سے ہٹ کر قطب جنوبی کی طرف روانہ ہوتا ہے تو اس حصے کو جنوب سے منسوب کر کے ”دکشی نائن“ کہتے ہیں یعنی وہ مدت جس میں آفتاب اپنے قطب شمالی کے سفر کے دوران سرطان سے شروع ہونے والے چھ برجوں کو پار کرتا ہے اس لئے اس کو ”کرکا دی“ یعنی سرطان سے شروع ہونے والا کہتے ہیں۔

عوام سال کے صرف انہیں دو حصوں کو جانتے ہیں اس لئے کہ وہ سورج کو شمال اور جنوب کی طرف رجوع ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

فلک بروج کی اس کے علاوہ بھی ایک تقسیم ہے اور یہ زیادہ مستند ہے کیونکہ یہ حساب لگانے کے بعد کی گئی ہے لیکن عوام اس سے واقف نہیں ہیں۔ اس تقسیم کی بنیاد خط استوا سے سورج کی دوری کی سمت پر ہے۔ اس تقسیم کے مطابق بھی فلک بروج کے دو حصے ہیں ان میں سے ہر ایک کو ”کل“ کہتے ہیں۔ جب سورج شمال کی جانب جھکا ہوتا ہے تو اسے اتر ”کل“ یا ”میشدی“ بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کی ابتداء

”حمل“ سے ہوتی ہے اور جب سورج کا جھکاؤ جنوب کی طرف ہوتا ہے تو اسے ”دکشا کل“ یا تلمادی کہتے ہیں کیونکہ اس کی ابتدا میزان سے ہوتی ہے۔

موسم

ان دونوں تقسیموں کے اعتبار سے فلک بروج کے چار حصے ہیں اور ہر ایک حصے کو پار کرنے میں سورج کو چھ مہینے درکار ہوتی ہے ان کو سال کے موسم کہا جاتا ہے یعنی بہار، گرمی، خزاں اور سردی اور جو بروج جن موسموں کے سامنے پڑتے ہیں وہ انہیں کی طرف منسوب ہیں لیکن ہندوؤں نے سال کو چار کے بجائے چھ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ان میں سے (ہر ایک کو ”رتو“ کہتے ہیں۔ ہر رتو دو ششی مہینوں پر مشتمل ہے یعنی وہ مدت جس میں سورج دو برجوں کو پار کرتا ہے۔

مجھے بتایا گیا ہے کہ سوماتھ کے علاقے میں سال کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر حصہ چار ششی ماہ پر مشتمل ہے۔ ان میں پہلا حصہ ورشا کال ہے جو ساڑھ سے شروع ہوتا ہے۔ دوسرا شیت کال یعنی جاڑا اور تیسرا Ushnakala اوشنا کال یعنی گرمی۔ مہینے کے دو حصے ہوتے ہیں نئے چاند سے پورے چاند تک اور پورے چاند سے نئے چاند تک۔

باب ۳۸

وقت کی وہ مقداریں جو ایام سے بنتی ہیں اور جن میں برہما کی عمر بھی شامل ہے

مفرد اوقات

دن کو دس کہتے ہیں لیکن لفظ دس زیادہ فصیح ہے۔ رات کو راتری اور تو کم کو اہوراتر کہتے ہیں۔ مہینے کو ”ماس“ اور آدھے مہینے کو ”پکش“ کہتے ہیں۔ مہینے کا پہلا نصف یا سفید نصف ”شکل پکش“ کہلاتا ہے اس لئے کہ اس کی ابتدائی راتوں میں لوگوں کے سونے کے وقت سے پہلے چاندنی ہو جاتی ہے اور چاند کی روشنی بڑھتی اور اس کی تاریکی کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ دوسرے نصف حصہ یا تاریک حصہ کو ”کرشن پکش“ کہتے ہیں کیونکہ اس کی راتوں کے ابتدائی حصے تاریک ہوتے ہیں اور چاندنی اس وقت پھیلتی ہے جب لوگ سوچکے ہوتے ہیں ان راتوں میں چاند گھٹنا شروع ہوتا ہے اس کا روشن حصہ کم اور تاریک حصہ بڑھتا رہتا ہے۔

دو مہینوں کے مجموعے کو ”رتو“ (رت) کہتے ہیں لیکن یہ مدت تقریباً دو مہینے کی ہوتی ہے کیونکہ دو پکیش والا مہینہ قمری ہوتا ہے اور جن دو مہینے کے مجموعے سے رتو بنتی ہے وہ شمشی مہینے میں یعنی رت دو شمشی مہینوں کا مجموعہ ہے۔

چھ رت مل کر انسانوں کا ایک شمشی سال بنتا ہے۔ اسے برہ برکھ اور برش کہتے ہیں۔ ہندوؤں کی زبان میں ”ک“ ”کھ“ ”اور“ ”ش“ کا تلفظ تقریباً ایک سا ہے (صحیح تلفظ ورش ہے)۔

انسانوں کے تین سوساٹھ سال فرشتوں کا ایک سال ہے اور اسے دب بڑہ (دو بیہ ورش) کہتے ہیں اور اس بات پر سب متفق ہیں کہ فرشتوں کے بارہ ہزار سال ایک چتر یگ شمار ہوتے ہیں۔ اختلاف چتر یگ کے چار حصوں اور وہ زواہد میں ہے جن سے مانو تر اور کلپ بنتا ہے۔ اس مضمون کو مناسب جگہ پر زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے (دیکھئے باب ۴۱ اور ۴۵)۔

### باب ۳۹

## ایسی مدتیں جو برہما کی عمر سے زیادہ ہیں

برے اوقات کا کوئی نظام اور معیار مقرر نہیں ہے

جب کسی چیز میں کوئی لطم نہیں ہوتا یا وہ گزشتہ ابواب میں بیان کئے گئے اصولوں کے منافی ہوتی ہے تو طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے اور وہ کانوں پر بھی گراں گزرتی ہے۔ ہندو نام تو بہت سے استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ نام ایک ہی ذات واحد کے ہیں جو اول ہے یا پھر اس کے بعد والے کے ہیں جس کی طرف اشارہ کیا جائے لیکن جب اس مضمون کی طرف آتے ہیں جو اس باب کا موضوع ہے تو ان ناموں سے بہت سی چیزیں مراد لیتے ہیں اور ان کی عمریں مقرر کرتے ہیں اور ان عمروں کو بڑے لمبے لمبے اعداد سے ظاہر کرتے ہیں۔ ان کا مقصد غالباً صرف لمبے چوڑے اعداد استعمال کرنا ہی ہوتا ہے پھر ان اعداد کی کوئی حد اور حساب نہیں۔ چونکہ ان اعداد میں بھی یہ لوگ کسی ایک بات پر متفق نہیں ہیں اس لئے ہمارے لئے یہ اعداد بے کار ہیں۔

ان خیالی اعداد کے بارے میں ان کے درمیان ایسا ہی اختلاف ہے جیسا کہ یوم کے ان اجزاء کے بارے میں جو پران (سائنس) سے کم ہیں۔

(اس کے بعد وقت کے بڑے اجزاء کے ماخذ کا حوالہ دیا ہے اور کلپ اور تر تس سے بننے والی مدتوں کا ذکر کیا ہے)۔

## باب ۴۰

## سمدھی، یعنی دو مدتوں کا وقفہ

## دو سمدھیاں

اصل سمدھی دن اور رات کے درمیان کا وقفہ ہے یعنی صبح کا تڑکا جسے سمدھی اودے کہتے ہیں اور شام کے دھند لکے کا وقت ہے جسے سمدھی اسھمن یا غروب کی سمدھی کہتے ہیں۔ ہندوؤں کو اس کی ضرورت مذہبی نقطہ نظر سے ہوتی ہے یعنی ان دو وقتوں میں برہمن غسل کرتے ہیں اور ان دونوں وقتوں کے درمیان دوپہر میں کھانا کھاتے ہیں جس کی وجہ سے کسی لاعلم کو یہ دھوکا ہو سکتا ہے کہ تیسری سمدھی بھی ہوتی ہے لیکن واقعہ کار صرف دو سمدھیاں ہی شمار کرتے ہیں۔

## دوسری سمدھیاں

دن کی ان دو سمدھیوں کے علاوہ نجومیوں نے کچھ اور سمدھیاں بھی فرض کر رکھی ہیں جو نہ طبعی ہیں اور نہ محسوس بلکہ محض قیاس پر مبنی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ہر آئین کی سمدھی بھی قائم کی ہے یعنی سال کے دونوں نصب کے لئے جس میں سورج چڑھتا اور اترتا ہے (چوتھیں واول باب) اور ہر نصف کے شروع ہونے سے پہلے کے سات دن کو سمدھی قرار دیا ہے۔ اس کی نسبت میرے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوتا ہے اور وہ قرین قیاس بھی ہے کہ سمدھی کا نظریہ پرانا نہیں بلکہ قریب زمانے کی ایجاد ہے اور ایک ہزار تین سو سکندری یا ۹۸۹ عیسوی کے قریب ایجاد ہوا ہے یعنی اس وقت سے جب ہندوؤں کو یہ معلوم ہوا کہ ”انقلاب شمسی“ ان کے مقرر کردہ وقت ”انقلاب“ سے پہلے واقع ہوتا ہے۔

## باب ۴۱

## کَلپ اور چتر یگ

## چتر یگ اور کَلپ کی مقدار

بارہ ہزار دیو سال کا جس کا طول بتایا جا چکا ہے (باب ۳۵) ایک یگ اور ایک ہزار چتر یگ کا ایک کَلپ ہوتا ہے۔ کَلپ وہ مدت ہے جس کی ابتدا اور اختتام پر ساتوں سیارے اپنے اوج و جزر ہر سمیت برج حمل کے نقطہ اول میں جمع ہو جاتے ہیں۔ کَلپ کے دنوں کو اہرگن کہتے ہیں کیونکہ آہ کے معنی دن اور اہرگن کے معنی مجموعہ ہیں۔ چونکہ یہ طوعی ایام ہیں اور سورج افق سے نکلتا ہے اس لئے انہیں ”زمینی ایام“ بھی کہتے ہیں کیونکہ افق زمین کا ضروری جزو ہے۔

کسی عہد کے ایام کے مجموعے کو بھی بعض لوگ کَلپ کہتے ہیں۔

مسلمان علما کَلپ کے ایمام کو ایام سندھ ہندیا ایام عالم کہتے ہیں اور ان کی تعداد ۴،۲۵۰،۰۰۰،۹۱۶،۵۷۷،۱۰۵ ایام (ساوَن یا طوعی ایام) شمار کرتے ہیں جو ۴،۳۲۰،۰۰۰،۰۰۰ شمسی سال اور ۴،۲۵۶،۷۷۷،۰۰۰ قمری سال ہیں۔

کَلپ کے ضمن میں ۷۱ چتر یگ ایک منو یعنی منوتر کے برابر ہیں۔ منوتر سے مراد منو کا دور ہے اور ۱۴ منو ایک کَلپ کے برابر ہوتے ہیں۔

## منوتر اور کَلپ کا تناسب

۷۱ سے ضرب دیں تو حاصل ضرب ۹۹۴ چتر یگ ہوگا اور کَلپ پورا ہونے میں ۶ چتر یگ کی کمی رہے گی۔

(ہم نے اس باب میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ برہم گپتا کے نظریات اور دلائل پر مبنی ہے)۔

## آریہ بھٹ کبیر پلس اور آریہ بھٹ صغیر کے نظریات

آریہ بھٹ کبیر اور پلس نے منوتر کو ۷۱ چتر یگ سے اور کَلپ کو ایسے چودہ (۱۴) سے جن کے درمیان سمجھی نہیں ہے مرکب قرار دیا ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک ایک کَلپ میں ۱۰۰۸ چتر یگ



باب ۴۴

وشنودھرم کے مطابق چترنگ کے اجزا

کتاب و شنودھرم کا مصنف کہتا ہے ۲۰۰۰ سال کا ایک ٹیک ہوتا ہے جس کا نام تشبہ ہے۔ اس کا دو گنا دو ابر ہے، تین گنا تر ت ہے اور چار گنا ”کرت“ ہے اور ان چاروں ٹیکوں کا مجموعہ ایک چتر ٹیک ہے یعنی چار ٹیک یا مم۔

۱۷ چتر گیگ ایک منوٹر اور ۱۳ منوٹر جس میں ہر دو منوٹر کے درمیان ایک کمرٹ گیگ کی مدت کے برابر ایک سہمی ہو، ایک کلپ ہے دو کلپ برہما کا ایک یوم اور ان کی عمر سو سال یا پرش کا ایک دن ہے۔ پرش وہ پہلا مرد جس کی ابتداء اور انتہا معلوم نہیں ہے۔

(اس کے بعد البیرونی نے آریہ بھٹ کے نظریات پر برہم گیتا کا ”اہانت آمیز“ تنقید کا بیان ہے)۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ برہم گیتا نے جو بات بیان کی اور جس سے اتفاق ظاہر کیا اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ آریہ بھٹ کی عداوت نے اس کو اندھا کر دیا ہے۔ اس نے آریہ بھٹ کی شان میں انتہائی نامناسبہ کلمات کہے ہیں ورنہ اس مسئلے پر آریہ بھٹ اور پنکس دونوں کی رائے ایک ہے۔ اس کے ثبوت

میں برہم گیتا کا وہ بیان پیش کیا جاسکتا ہے جس میں اس نے یہ کہہ کر کہ آریہ بھٹ نے راس اور اون قمر کے دوروں کو گھٹا کر چاند گرہن کا حساب خراب کر دیا ہے۔ آریہ بھٹ کو جہالت میں اس کیڑے سے تشبیہ دی جو لکڑی کو کھاتا ہے اور اتفاق سے اس لکڑی میں اس کے کاٹنے کی وجہ سے بعض حروف بن جاتے ہیں لیکن کیڑا نہ ان کو جانتا ہے اور نہ اس نے ارادتا یہ نشان بنائے تھے۔ آریہ بھٹ کے خلاف اس نے ہر جگہ ایسی ہرزہ سرائی کی ہے۔

### باب ۴۳

## چاروں یگوں اور چوتھے یگ کے آخر میں ظاہر ہونے والے

### حالات کا بیان

قدیم یونانی زمین کے بارے میں جو مختلف عقیدے رکھتے تھے ان میں سے ایک کو نمونے کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

### قدرتی آفات

زمین پر وقتاً فوقتاً اور پریا نیچے سے جو آفتیں نازل ہوتی ہیں وہ اپنی شدت اور کیفیت میں مختلف ہوتی ہیں اور اکثر اس پر ایسی آفات بھی آتی ہیں جو شدت اور کیفیت دونوں میں اتنی بڑھی ہوئی ہوتی ہیں کہ ان کے مقابلے میں کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی اور نہ اس سے بچنے اور بھاگنے کا کوئی راستہ ہے۔ اس قسم کی آفات میں سیلاب اور زلزلے ہیں۔ ان میں سے اول الذکر ڈبو کر ہلاک کرتا اور آخر الذکر زمین کی سطح کو تہس نہس کر کے برباد کرتا ہے۔ کبھی زلزلے اتنے شدید ہوتے ہیں کہ زمین کے اندر سے پانی بالا نکلتے لگتا ہے اور جلتی ہوئی چٹانیں اور سنگتی ہوئی بھوئل جو زمین سے نکلتی ہیں ہوا سے منتشر ہو کر بربادی پھیلا دیتی ہیں۔ پھر ان آفات میں برق و رعد کی آندھیاں، بیماریاں، وبائیں ہیں جو بڑی بڑی جگہوں سے ان کے رہنے والوں کا صفایا کر دیتی ہیں۔ لیکن جب یہ بلائیں گزر جاتی ہیں تو زمین پر زندگی کے آثار پھر سے ظاہر ہوتے ہیں اور جانوروں کی طرح پہاڑوں اور غاروں میں چھپے ہوئے لوگ پھر سے جمع ہونے لگتے ہیں۔ پھر وہ اپنے مشترکہ دشمنوں کے خلاف خواہ یہ دشمن درندے ہوں یا حملہ آور انسان، ایک

دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور امن و مسرت کی زندگی بسر کرنے میں باہم تعاون کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد بڑھ جاتی ہے اور رشک و رقابت اور غصہ و حسد اپنے پر پھیلا کر ان پر چھا جاتا ہے اور ان کے سکون و مسرت کو برباد اور ان کی زندگی کو تلخ کر دیتا ہے۔ کبھی کوئی قوم اپنے نسب میں اس شخص سے منسوب ہو جاتی ہے جو سب سے پہلے یہاں آکر بس گیا تھا اور جس نے کسی خاص میدان میں کوئی امتیاز حاصل کر لیا تھا اور زمانہ گزر جاتا ہے مگر لوگ اس کو نہیں بھولتے باقی سب کو بھول جاتے ہیں۔

### چار زمانوں یا یگیوں کے بارے میں ہندوؤں کے عقائد

چتر یگ کے بارے میں ہندوؤں کی روایات بھی اسی طرح کی ہیں۔ کیونکہ ان کا یہ عقیدہ ہے۔ اس کے آغاز میں یعنی کرت یگ کی ابتدا میں خوشی اور سلامتی، زرخیزی اور افراط، صحت اور توانائی اور علم کا دور دور تک برہمنوں کی کثرت تھی، نیکی اپنی تکمیل کو پہنچ چکی تھی اور اس کی مقدار کل کے چار ربعوں کے بمنزلہ تھی۔ عمر ہر ایک کی ”بلاتمیاز“ چار ہزار سال تھی۔

اس کے بعد ان چیزوں میں کمی ہونے لگی اور ان کے ساتھ ان کی مخالف چیزیں ملنا شروع ہو گئیں۔ یہاں تک کہ ترت یگ کے شروع میں بھلائی کم ہو کر برائی کا تین گنا رہ گئی اور مسرت و سعادت بھی گھٹ کر تین چوتھائی رہ گئی۔ چھتریوں کی تعداد برہمنوں سے بڑھ گئی لیکن عمر اب بھی وہی رہی جو اس سے پہلے والے دور میں تھی۔ وشنودھرم میں یہی لکھا ہے لیکن قیاس یہ کہتا ہے کہ عمر بھی اسی قدر گھٹ گئی ہوگی یعنی ایک چوتھائی کے بقدر۔ اس یگ میں آگ کو قربانی پیش کرنے کے لئے لوگ جانور کو مارنے اور پیڑ اکھاڑنے لگے تھے جو پہلے نہیں کرتے تھے۔

اس طرح برائی بڑھتی رہتی ہے یہاں تک کہ دوا پر کے آغاز میں بھلائی اور برائی کا تناسب برابر ہو جاتا ہے اور اسی طرح خوشی اور دکھا، آب و ہوا میں تبدیلی آ جاتی ہے، عمر گھٹ کر ۳۰ سال رہ جاتی ہے جیسا کہ وشنودھرم میں لکھا ہے اور تشیہ یعنی کل یگ کی ابتداء میں برائی بڑھ کر اچھائی کے تین گنا ہو جاتی ہے۔

ہندوؤں کے ترت اور دوا پر یگیوں میں مشہور تاریخی واقعات گزرے ہیں۔ مثلاً رام کا واقعہ جس نے راو کو مارا یا پر سورام برہمن کا واقعہ جو اپنے باپ کی موت کا بدلہ لینے کے لئے جس چھتری کو پاتا قتل کر دیتا تھا۔ ہندوؤں کے خیال میں پر سورام آسمان پر زندہ ہے اور اکتیس بار زمین پر آچکا ہے اور پھر آئے گا، یاپاٹو کی اولاد اور کورو کی اولاد کی لڑائی، کل جگ میں برائی بڑھ جاتی ہے یہاں تک کہ یہ بڑھ کر برائی کو مٹا دیتی ہے۔ اس وقت زمین کے باشندے ہلاک ہو جاتے ہیں اور جو لوگ خبیث اور شیطان انسانوں سے بھاگ کر پہاڑوں میں یا غاروں میں چھپ گئے تھے ان سے نسل انسانی پھر سے شروع

ہوتی ہے۔ اس لئے اس یگ کو غاریگ کہا جاتا ہے جس کا معنی ہے کاموں سے فارغ ہو کر جانے کے لئے تیار ہونا۔

### کل یگ کا بیان

سوناک کے قصے میں جو برہما کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ خدا نے اس سے ان الفاظ میں گفتگو کی:

”جب کل یگ آتا ہے تو میں مخلوق میں نیکی پھیلانے کیلئے سدودھن کے بیٹے بدھودن کو بھیجتا ہوں لیکن ”مہامر“ یعنی سرخ لباس والے جو خود کو اس کی نسل بتاتے ہیں اس کی لائی ہوئی تمام نیکیوں کو بدل دیں گے اور برہمنوں کا احترام اس درجے ختم ہو جائے گا کہ شودر تک ان سے گستاخی کریں گے ذاتیں ایک دوسرے کے خلاف شورش کریں گی، نسب نامے غلط ملط ہو جائیں گے اور ذاتوں کی تقسیم (چار ذاتیں) مٹ جائے گی۔ مذاہب اور فرقوں کی بہتات ہو جائے گی۔

(دشنودھرم اور بعض دوسرے مآخذ کے مطابق کل یگ کے حالات کا بیان اگلے ابواب میں دیا گیا ہے)۔

پھر جب یگ کے آخر میں برائی اپنی انتہا کو پہنچ جائے گی تو جسور برہمن کا بیٹا گرگ یعنی کل ظاہر ہوگا۔ اسی کے نام پر اس یگ کا نام کل یگ رکھا گیا ہے۔ طاقت میں کل کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا اور ہتھیاروں کے استعمال میں بھی اس جیسا کوئی اور ماہر نہیں ہے۔ پھر وہ برائی کو ختم کرنے کے لئے تلوار نکال لیتا ہے۔ وہ زمین کو ان کی گندگی سے پاک کرتا اور ان سے خالی کر لیتا ہے۔ پھر نیک اور پاک باز لوگوں کو نسل جاری رکھنے کے لئے جمع کرتا ہے۔ اب کرت یگ ان کے بہت پیچھے رہ جاتا ہے اور دنیا اور زمانہ پاکی، خیر کل اور مسرت کی طرف واپس آ جاتے ہیں۔

یہ ہیں ان یگوں کے حالات جو چتر یگ میں گردش کرتے رہتے ہیں۔

### چرک کتاب کے مطابق طب کا آغاز

علی ابن زین طبری نے کتاب چرک سے نقل کیا ہے کہ قدیم زمانے میں زمین، زرخیز اور تندرست تھی اور مہابھوت یا عناصر اعتدال کی حالت میں تھے۔ لوگ محبت کے ساتھ آپس میں مل جل کر رہتے تھے۔ ان میں حرص، جھگڑا اور بغض و حسد نہ تھا اور نہ کوئی ایسی چیز موجود تھی جس سے انسان کا بدن اور نفس بیمار ہو جاتا ہے۔ لیکن جب حسد آیا تو حرص بھی پیدا ہوئی۔ لوگ حرص میں مبتلا ہو کر جمع کرنے کی کوشش کرنے لگے جو بعض کے لئے آسان اور بعض کے لئے مشکل تھا۔ چنانچہ لوگ فکر پریشانی اور رنج میں مبتلا ہو گئے اور اس کا نتیجہ جنگ، مکر و فریب اور جھوٹ نکلا۔ انسانوں کے دل سخت ہو گئے، طبیعتیں بدل گئیں اور بیماریاں پیدا ہو گئیں۔ بیماریوں نے انسان کو خدا کی عبادت اور علم کے فروغ سے غافل کر دیا۔ اس سے

جہالت میں اضافہ ہوا اور نفاق بڑھ گیا۔ اس وقت نیک لوگ اطری کے بیٹے کرس (۲) درویش کی خدمت میں حاضر ہوئے اور غور و فکر کرنے لگے۔ پھر درویش پہاڑ پر چڑھ گیا اور خود کوزمین پر گر آیا اور دعا کی جس پر خدا نے علم طب کو اس پر القا کیا۔  
(اسی طرح کی یونانی روایات بھی المیردنی نے نقل کی ہیں)۔

## باب ۴۴

### منونتر

منونتر، ان کے اندر اور اندر کی اولاد

جس طرح ۲۰۰۰۰ کلپ برہما کی عمر کی مدت ہے اسی طرح منونتر یعنی منو کی مدت اندر کی عمر کی مدت ہے۔ اندر کی حکومت منونتر کی مدت ختم ہونے پر ختم ہو جاتی ہے اور ان کا عہدہ دوسرا اندر سنبھال لیتا ہے جو نئے منونتر کے دوران دنیا پر حکومت کرتا ہے۔

(اس کے بعد ایک جدول میں (۱۳) کا عدد اور وشنو پر ان کے مطابق منونتروں کے نام اندر اور منو کی اولاد کے نام جو ہر نئی مدت کے شروع ہونے پر دنیا پر حکومت کرتے تھے درج کئے ہیں۔ نقطہ لعل منونتروں کے متعدد نام ہیں۔ ان کی وجہ المیرونی نے یہ بتائی ہے کہ ہندوؤں کو ناموں کی کثرت پسند ہے وہ ترتیب کا مطلق لحاظ نہیں کرتے)۔

## باب ۴۵

## بنات النعش

## وششٹ کی بیوی

ہندوستانی زبان میں بنات النعش کو سپت رشی یعنی سات رشی کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ نیا ہی تھے جو صرف حلال رزق پر گزارہ کرتے تھے اور ان کے ساتھ ایک پاک باز عورت سہا بھی تھی۔ (Ursa Major Star 80 by Z) وہ کھانے کے لئے تالاب سے کنول کے ڈٹھل چن رہے تھے کہ دھرم نے آکر اس عورت کو ان سے چھپا دیا۔ ان سب نے بہت ندامت کا اظہار کیا اور بے گناہی کی قسمیں کھائیں جن کو دھرم نے پسند کیا اور ان کی عزت افزائی کے لئے انہیں اٹھا کر اس جگہ پہنچا دیا جہاں پر وہ دکھائی دیتے ہیں۔

(پھر وہ میر کی سمیت سے بنات النعش کے حالات نقل کئے ہیں۔ بنات النعش کے مطلع کے بارے میں ہندوستانی علماء میں جو اختلاف ہے اس پر تبصرہ کیا ہے۔ اس سلسلے میں الہیرونی نے ایک بڑی معرکہ الآراء بات کہی ہے اور وہ یہ کہ ”ہمارا زمانہ“ یعنی اس کتاب کے لکھنے کا زمانہ ۱۰۳۰ء ہے ۹۵۲ء سا کال کے مطابق ہے۔ الہیرونی کے اس خیال کی تائید ساکا کال کی جنتریوں سے ہوتی ہے)۔

ہیت کے مسائل کو مذہبی روایات کے ساتھ خلط ملط کر دیا گیا ہے

یہ تمام اختلاف جن کی ہم نے نشاندہی کی ہے اس وجہ سے ہیں کہ اول تو ہندوؤں کو ہیئت تحقیق کی سمجھ نہیں اور دوسرے یہ کہ ان مسائل کو مذہبی روایات کے ساتھ مخلوط کر دیا گیا ہے۔ علماء مذہب بنات النعش کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ ”سات رشی“ ثوابت سے بلند ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہر منوٹر میں ایک نیا منظر ظاہر ہوتا ہے جس کی اولاد کو زمین فنا کرویتی ہے لیکن اندر کی حکومت کی اور فرشتوں کی مختلف جماعتوں اور سات رشیوں (بنات النعش) کا احیاء نو یعنی ان کی از سر پیدائش ہوتی ہے۔ فرشتوں کی ضرورت اس لئے ہے کہ انسان ان کے لئے قربانی کرے اور ان کا حصہ آگ تک پہنچائے اور سات رشیوں (بنات النعش) کی اس لئے ضرورت ہے کہ وید کی تجدید کریں کیونکہ ہر منوٹر کے ختم پر وید فنا ہو جاتا ہے۔

ہم نے یہ مضمون دیکھا ان سے لیا ہے اور وہیں سے ہم نے ہر منوٹر کے ساتھ رشیوں کے نام بھی لیے ہیں جو ایک جدول میں درج کئے گئے ہیں۔

(اس جدول میں ۱۴ منوٹروں کے ساتھ رشیوں (بنات العیش) کے ساتھ ستاروں کے نام بھی درج ہیں)۔

## باب ۴۶

### نارائن، اس کے نام اور مختلف زمانوں میں اس کا ظہور

#### نارائن کے نام

ہندوؤں کے نزدیک نارائن ایک مافوق فطرت قوت ہے جس کا مقصد نہ دنیا کی حالت کو اچھائی کے ذریعے اچھا بنانا ہے اور نہ برائی کے ذریعے بُرا بنانا، وہ صرف برائی اور اتری کو تمام ممکن ذرائع سے دفع کرتا ہے۔ اس کے نزدیک اچھائی برائی سے پہلے سے موجود ہے لیکن اگر اچھائی کا سلسلہ جاری نہیں رہتا یا اچھائی موجود نہیں ہوتی تو برائی سے کام لینا ضروری ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال اس سوار جیسی ہے جو اناج کے کھیت کے درمیان میں پہنچ گیا ہے۔ جب اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے اور وہ وہاں سے نکلنا چاہتا ہے جہاں غلطی سے پہنچ گیا تھا تو اس کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ پھر اسی راستے سے واپس آئے جس سے گیا تھا اور اس کے واپس آنے سے اناج کی پھر وہی خرابی ہو جیسی پہلے ہوئی تھی لیکن اس کے علاوہ تلافی کی کوئی اور صورت نہیں ہے۔

ہندو اس قوت اور علت اولیٰ کے درمیان امتیاز نہیں کرتے۔ اس کا دنیا میں رہنا بالکل ویسا ہی ہے لیکن ایسا اس لئے ہے کہ ان کے خیال میں دنیا میں ظہور کی اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں ہے۔

دوسرے اوقات کے علاوہ اور ایک مرتبہ پہلے منوٹر کے تمام ہونے پر دال کھلیہ (؟) سے جو دنیا کی حکومت پر قبضہ کرنا چاہتا تھا نارائن حکومت چھیننے کے لئے ظاہر ہوا۔ نارائن نے وال کھلیہ سے حکومت چھین کر ”ست کرت“ کے حوالے کر دی جو پوری سقر بانیاں ادا کرتا تھا اور نارائن نے ست کرت کو اندر بنا دیا۔

(اس کے بعد چھ منوٹر کے خاتمے پر نارائن کے ظہور کا واقعہ بیان کیا ہے۔ اس وقت نارائن نے

دروچن کے لڑکے راجاہل کو قتل کیا تھا)۔

اسی کتاب وشنو پران میں دوسری جگہ لکھا ہے ”و شنو نارائن کا دوسرا نام ہے جو ہر دوا پر کے ختم پروید کو چار حصوں میں تقسیم کرنے آتا ہے کیونکہ انسان کمزور ہے اور پورے وید پر عمل کرنے سے قاصر ہے۔ اس کی شکل ویاس سے ملتی ہے۔“

پھر ساتویں منوتر کے ویاس کے ناموں کی فہرست پیش کی ہے)۔

## باب ۴۷

### واسود یو اور بھارت کی لڑائیاں

فطرت کے حالات بھی انسانی تاریخ جیسے ہیں

دنیا کی آبادی کا انحصار کھیتی اور اولاد کی پیدائش پر ہے۔ دونوں میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا ہے۔ ان کی زیادتی کی کوئی حد نہیں جبکہ دنیا محدود ہے۔ جب پودوں یا جانوروں کی کوئی نوع جسامت کے اعتبار سے نہیں بلکہ تعداد کے حساب سے بڑھتی رہتی ہے اور ایک بار پیدا ہو کر اور مر کر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ بار بار اپنی نوع کو پیدا کرتی رہتی ہے اور ایک نہیں بلکہ ایک ایک بار میں کئی کئی کو پیدا کرتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ صرف ایک ہی نوع کے درخت یا ایک ہی نوع کے حیوان زمین پر اس قدر پھیل جائیں گے کہ ہر طرف وہی وہ دکھائی دیں گے۔

کسان اپنے کھیت کو صاف کرتا ہے اور جس چیز کی اسے ضرورت ہے وہی اگاتا ہے اور باقی کو اکھاڑ پھینکتا ہے۔ مالی پودوں کی ان شاخوں کو رکھتا ہے جنہیں وہ اچھا سمجھتا ہے اور باقی شاخوں کو چھانٹ دیتا ہے۔ شہد کی مکھیاں اپنی ان ہم جنسوں کو جو صرف کھاتی ہیں اور کام نہیں کرتیں مار کر ختم کر دیتی ہیں۔ فطرت کا یہی انتظام ہے لیکن وہ فرق نہیں کرتی۔ اس کے عمل سے ہر ایک متاثر ہوتا ہے وہ پتے پھل اور شاخیں سب کو مٹا دیتی ہے اور درخت کو وہ کام کرنے سے روک دیتی ہے جس کے لئے وہ بنا تھا لیکن وہ ایسا اس لئے کرتی ہے کہ پرانے درختوں کو ہٹا کر نئے پودوں کے لئے گنجائش اور جگہ نکالے۔

اس طرح جب دنیا میں لوگوں کی کثرت سے خرابی پیدا ہو جاتی ہے یا پیدا ہونے کے قریب ہوتی ہے تو اس کا حاکم جس کا تدبیر اور حکمت اس کے ڈرے ڈرے سے ظاہر ہے اپنے کسی قاصد کو بھیجتا ہے تاکہ



وہ اس زیادتی کو کم کرے اور برائی کو قطع کرے۔

### واسود یو کی پیدائش کا واقعہ

ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ ایسے قاصدوں میں سے ایک واسود یو ہے جس کو آخری بار انسان کی شکل میں واسود یو کے نام سے اس وقت بھیجا گیا تھا جب دنیا میں عفریتوں کی کثرت ہو گئی تھی اور انہوں نے ساری دنیا کو اپنے ظلم سے دہشت زدہ کر دیا تھا۔ زمین ان کے بوجھ کی زیادتی کی وجہ سے لڑکھڑانے لگی تھی۔ اس وقت متھرا شہر میں واسود یو کا راجا کنس کی بہن کے لپٹن سے جنم ہوا۔ یہ لوگ جاٹ خاندان کے تھے اور مویشی پالتے تھے اور اصل میں یہ لوگ پنچ ذات کے شودر تھے۔ کنس کو ایک ندائے غیبی کے ذریعے جو اسے اپنی بہن کی شادی کے وقت سنائی دی تھی یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اس کی موت اس کے بھانجے کے ہاتھوں ہوگی۔ اس لئے اس نے چند لوگ مقرر کر دیئے تھے کہ وہ اس کے (بہن کے) جو بھی بچہ پیدا ہو لے آئیں۔ آخر میں اس کے (بہن کے) ہاں بھل بدر پیدا ہوا۔ اس بچے کو گلے بان کی بیوی یثودا نے لے لیا۔ اس کے بعد وہ آٹھویں بار حاملہ ہوئی اور بھادر پدم ماہ کی ایک اندھیری برساتی رات میں واسود یو کو جنم دیا۔ جب قید خانے کے محافظ گہری نیند سو رہے تھے تو باپ اس بچے کو چھپا کر متھرا کے قریب نندکلا لے گیا۔ وہاں واسود یو کی پرورش یثودا کے ہاتھوں ہوئی۔ یثودا کو یہ پتہ نہیں تھا کہ واسود یو اس کا حقیقی بیٹا نہیں ہے..... لیکن پھر بھی کنس کو اس معاملے کی بھک پڑ گئی تھی۔

کاراوار پانڈو کی لڑائی کے واقعات درج ذیل ہیں:

کوروی اولاد (یعنی دھرت راشٹر) اپنے چچا زاد بھائیوں (پانڈو کی اولاد) کے درپے آزار رہتی تھی۔ دھرت راشٹر نے انہیں مہمان بنایا اور ان کے ساتھ جو اکیلے اور ان کی تمام املاک کو جیت لیا۔ پانڈو ہر چیز ہا ہستے گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ دھرت راشٹر نے ان سے یہ شرط لی کہ وہ دس برس سے زیادہ جلاوطن رہیں اور اس مدت کے بعد ملک کے کسی ایسے دور دراز گوشے میں جہاں انہیں کوئی نہ جانتا ہو روپوش ہو جائیں۔ اگر وہ یہ شرط پوری نہ کریں تو انہیں اتنے ہی سال اور جلاوطن رہنا ہوگا۔ یہ شرط پوری کی گئی اور آخر کار لڑائی کے لئے ان کے سامنے آنے کا وقت آ گیا۔ ہر فریق اپنی پوری جماعت اور مددگاروں کے ساتھ ”تھامیر“ کے میدان میں پہنچ گیا اور میدان میں اتنے لوگ جمع ہو گئے جن کا شمار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ یہ لوگ اٹھارہ اکٹوئی تھے۔ ہر فریق نے واسود یو کو اپنے ساتھ شامل کرنے کی کوشش کی۔ اس پر واسود یو نے یہ پیش کش کی کہ یہ لوگ یا تو تنہا اس کی ذات کو لے لیں یا اس کے بھائی بل بھدر اور اس کی فوج کو۔ لیکن پانڈوؤں نے تنہا واسود یو کو ساتھ لینے کو ترجیح دی۔ پانڈو پانچ بھائی تھے یہ ستران کا سردار

تھا، ارجن جو سب سے بہادر تھا اور ان دونوں کے علاوہ سہدیو، بھیم سین اور نکل تھے۔ ان کے ساتھ اکشمینی تھے جبکہ ان کے دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اگر واسودیو کی تیاریاں اور تدبیریں ان کے ساتھ نہ ہوتیں تو ان کو فتح حاصل نہ ہوتی۔ واسودیو کی وجہ سے ان کو فتح حاصل ہوئی مگر تمام کی تمام فوج موت کے گھاٹ اتر گئی اور صرف یہ پانچ بھائی زندہ بچے۔ لڑائی کے بعد واسودیو اپنے گھر واپس آ کر اپنے خاندان والوں سمیت دجو یادو کہلاتے تھے چل بے اور پانچوں بھائی بھی لڑائی ختم ہونے کے ایک سال کے اندر وفات پا گئے۔

المیرونی نے واسودیو اور پانچ پاٹھو بھائیوں کے خاتمے کے بارے میں کچھ مزید تفصیل بھی بیان کی ہے، واسودیو کا ایک بھائی اور عزیز ایک کڑھائی کو کرتے میں چھپا کر رشی درداسا کے پاس گئے اور پوچھا کہ ہمارے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی؟ رشی کو اس مذاق پر سخت غصہ آیا اور اس نے کہا کہ تمہارے عزیز کے پیٹ میں جو کچھ ہے اسی سے تمہاری اور تمہارے عزیز کی موت ہوگی۔ واسودیو نے یہ سوچ کر کہ یہ بددعا صحیح ثابت ہوگی کڑھائی کو دریا میں پھینکوا دیا۔ کڑھائی کا ایک چھوٹا سا کٹڑا ایک مچھلی نے کھا لیا۔ جب مچھیرے نے اس مچھلی کو پکڑا اس نے اس کے پیٹ سے نکلے لوہے کے ٹکڑے سے تر بنوا لیا۔ اسی تیر سے واسودیو جو ایک پیڑ کے نیچے پالتی مار کے بیٹھے تھے ہلاک ہوئے، مچھیرے نے انہیں ہرن سمجھ کر ان پر تیر چلایا تھا۔ کڑھائی کے دوسرے ٹکڑوں سے بردی کی ایک جھاڑی پیدا ہوگئی، جب یادو اس کے قریب پہنچے اور بیٹھ کر شراب پینے لگے تو ان میں تکرار ہوگئی اور انہوں نے ایک دوسرے کو اس کے گٹھوں سے مار ڈالا ارجن جس کو واسودیو نے اپنی لاش پھونکنے اور خواتین کو واپس لے جانے کا حکم دیا تھا راستے میں ڈاکوؤں کے ہاتھوں مارا گیا۔ گرچہ ارجن نے ڈاکوؤں کو پسپا کر دیا تھا لیکن اسے محسوس ہوا کہ اس کی طاقت جواب دے رہی تھی۔ وہ اور اس کے بھائی شمال کی طرف چلے گئے اور پہاڑوں میں داخل ہو گئے لیکن وہاں سردی کی شدت سے وہ سب یکے بعد دیگرے ہلاک ہو گئے۔

## باب ۴۸

## اکشوہنی سے کیا مراد ہے؟

ایک اکشوہنی میں	۱۰ (دس)	انت کئی ہوتے ہیں
ہر انت کئی میں	۳	چم ہوتے ہیں
ہر چم میں	۳	پری تن ہوتے ہیں
ہر پری تن میں	۳	واہنی ہوتی ہیں
ہر واہنی میں	۳	گن ہوتے ہیں
ہر گن میں	۳	گلم ہوتے ہیں
ہر گلم میں	۳	سینا مکھ ہوتے ہیں
ہر سینا مکھ میں	۳	پتی ہوتی ہیں
ہر پتی میں	۳	رتھ ہوتے ہیں

شطرنج میں رتھ کا نام رخ ہے۔ یونانی اس کو لڑائی کا رتھ کہتے ہیں، اس کو منقلاوس نے ایجاد کیا تھا۔ ایتھنز والوں کا دعویٰ ہے کہ سب سے پہلے وہ جنگ کے رتھوں پر سوار ہوتے تھے۔ اس سے پہلے افروڈیسیس ہندو جب وہ مصر کا بادشاہ تھا، طوفان سے تقریباً ۹۰۰ سال قبل اس کو ایجاد کر چکا تھا۔ اس مصری رتھ کو دو گھوڑے کھینچتے تھے۔

ہر رتھ سے متعلق ایک ہاتھی تین سوار اور پانچ پیادے ہوتے ہیں۔ یہ ترتیب لڑائی کی تیاری خیموں کی تنصیب اور کوچ کرنے کی غرض سے قائم کی گئی ہے۔ ایک اکشوہنی میں ۲۱،۸۷۰ رتھ ۲۱۷۰ ہاتھی ۱۰،۳۵۱،۰۰۹ پیادے ہوتے ہیں۔

ہر رتھ میں چار گھوڑے اور چار کوچوانوں کے علاوہ گاڑی کا سردار ہوتا ہے جو تیر کمان سے لیس ہوتا ہے پھر ہر ہاتھی پر اس کا مہات اور ایک نائب مہات جو ہودج کے پیچھے سے جس پر سردار تیر انداز اپنے دو معاون نیزہ بازوں کے ساتھ بیٹھا ہوتا ہے ہاتھی کو انکس مارتا رہتا ہے۔ ہاتھی پر اس فوجی عملے کے علاوہ ایک مسخرہ (ہاؤ ہاؤ) بھی ہوتا ہے۔ عام حالات میں یہ مسخرہ ہاتھی کے آگے آگے چلتا ہے۔

اس حساب سے رتھوں اور ہاتھیوں پر ۲۸۲،۳۲۳ سوار ہوتے ہیں۔ گھوڑا سواروں کی تعداد ۸۷،۴۸۰ ہوتی ہے۔ ایک اکشوبنی میں ۲۱،۸۷۰ ہاتھی ۲۱،۷۰ رتھ ۵۳،۹۰ گھوڑے اور ۲۰،۵۹۰ افراد ہوتے ہیں۔

ایک اکشوبنی میں جان داروں (ہاتھی گھوڑے اور افراد) کی مجموعی تعداد ۶۳۲،۲۲۳ ہوتی ہے اس حساب سے ۱۸ اکشوبنی میں ان کی تعداد ۳۱۶،۳۷۲ ہوتی ہے جس میں ۳،۹۳،۶۶۰ ہاتھی ۲۷۵،۶۲۰ گھوڑے اور ۸،۲۶۷،۰۰۹ افراد ہوتے ہیں۔  
یہ ہے تفصیل ایک اکشوبنی اور اس کے اجزاء کی۔

## باب ۴۹

## تاریخی ادوار کا مختصر بیان

ادوار سے تاریخ اور نجوم کی مدتوں کو متعین کیا جاتا ہے۔

## ہندوؤں کے چند ادوار

ہندو بڑے بڑے اعداد کے استعمال سے اکتاتے نہیں بلکہ اسے پسند کرتے ہیں لیکن اکثر اوقات بعض عملی دشواریوں کی وجہ سے چھوٹے اعداد استعمال کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

ان کی تاریخ کے ادوار میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) برہما کے وجود کی ابتدا

(۲) برہما کے موجودہ یوم کی ابتدا یعنی کلپ کی ابتدا

(۳) ساتویں منوتر کی ابتدا جو ہمارا زمانہ ہے

(۴) اٹھائیسویں چتر یگ کی ابتدا جس میں ہم لوگ اس وقت ہیں

(۵) موجودہ چتر یگ کے چوتھے یگ یعنی ”کالی کال“ (کالی کا زمانہ) کی ابتدا۔ کیونکہ یگ اسی کی

طرف منسوب ہے اگرچہ اس کا صحیح زمانہ اس یگ کا آخری حصہ ہے۔ ہندو ”کالی کال“ سے کل یگ کی ابتدا امراد لیتے ہیں۔

(۶) پانڈوکال یعنی پانڈوؤں اور بھارت کی لڑائیوں کا زمانہ۔ یہ سب زمانے یا ادوار بہت قدیم ہیں

جن کو گزرے ہوئے سینکڑوں بلکہ ہزاروں سال سے بھی زیادہ ہو گئے ہیں۔ اس لئے ان سے کام لینا منجموں اور دوسرے لوگوں کے لئے دشوار ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔

## مصنف ۴۰۰ یزدجرد کو معیار بناتا ہے

ہندوؤں کے ان زمانوں یا ادوار کو سمجھانے کے لئے ہم ہندوؤں کا وہ سن لیتے ہیں جس کا بڑا حصہ

۴۰۰ یزدجرد میں پڑتا ہے۔ یہ عدد صرف سیکڑے کا ہے اس میں اکائی اور دہائی نہیں ہیں۔ اس خصوصیت

کی وجہ سے یہ سال دوسرے سالوں سے ممتاز ہے۔ پھر یہ سال اس لیے بھی یادگار ہے کہ اس سے تقریباً

ایک سال قبل دین کا مضبوط ترین ستون گر پڑا یعنی سلطان محمود علیہ الرحمۃ جیسے شیر عالم اور یگانہ روزگار

شخص کا انتقال ہوا۔ ہندوؤں کا یہ سال یزدجری سال کے نوروز (یعنی پہلے دن) کے صرف بارہ دن پہلے اور سلطان کی وفات کے ٹھیک دس ایرانی ماہ بعد شروع ہوتا ہے۔

اس یزدجری سنہ کی بنیاد پر ہم ان سالوں کا حساب لگالیں گے جو اس ہندو سال کے آغاز پر ختم ہوتے ہیں جس کا ہم نے ذکر کیا اور جو نوروز سے صرف بارہ دن پہلے شروع ہوتا ہے۔

ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کے اقتباسات اور بعض دوسری علمی کتابوں کی مدد سے المیرونی نے مندرجہ ذیل باتوں کا حساب لگایا ہے (۱) برہما کی کتنی عمر گزر چکی ہے (۲) رام کا زمانہ اور (۳) موجودہ کل یگ کی کتنی مدت گزر چکی ہے۔

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل نسبتاً زیادہ اہم ادوار کے آغاز کی تاریخیں بھی متعین کی ہیں (۱) شری ہرش کا زمانہ (۲) وکر مادیہ کا زمانہ (۳) شک کا زمانہ (۴) دلہہ کا زمانہ (۵) گپت کال

### شری ہرش کا دور

شری ہرش کے متعلق ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ وہ مٹی کو دیکھ کر زمین کے ساتوں طبقے کی گہرائی تک جو خزانے دفن ہیں ان کا پتہ چلا لیتے تھے اور انہیں نکال لیتے تھے جس کی وجہ سے انہیں اپنی رعایا پر سختی کرنے کی ضرورت نہیں تھی (یعنی محصول، لگان وغیرہ کے معاملے میں) ان کا سنہ متھر اور قنوج کے نواح میں مشتمل ہے۔ شری ہرش اور وکر مادیہ کے درمیان ۴۰۰ سال کی مدت ہے جیسا کہ مجھے اس علاقے کے بعض باشندوں نے بتایا ہے لیکن کشمیری جنتری میں میں نے یہ پڑھا ہے کہ ہرش وکر مادیہ کے ۶۶۴ سال بعد ہوا ہے۔ اس اختلاف نے مجھے شبہ میں ڈال دیا ہے اور مجھے اب تک اس معاملے میں کوئی مستند معلومات حاصل نہیں ہو سکی ہیں۔

### وکر مادیہ کا عہد

وکر مادیہ کا سنہ استعمال کرنے والے ہندوستان کے جنوبی اور مغربی حصوں میں رہتے ہیں۔ یہ سنہ مندرجہ ذیل طریقہ پر کام میں لایا جاتا ہے۔

۳۴۲ کو ۳ سے ضرب دیتے ہیں اور حاصل ضرب ۱۰۲۶ میں موجودہ ”ششٹ یا بد“ یعنی ساٹھ سالہ ”سموتر“ کے گزرے ہوئے سال جوڑ دیتے ہیں۔ یہی وکر مادیہ کا سن ہے۔

### شک سال

شک کا زمانہ یا شک کال وکر مادیہ کے زمانے کے ۱۳۵ سال بعد ہے۔ مذکورہ شک نے ان کے ملک کے اس حصہ پر جو دریائے سندھ اور سمندر کے بیچ میں ہے قبضہ کر کے اس کے وسط میں آریہ ورت کو اپنا

صدر مقام بنایا۔ اس نے ہندوؤں کو اس بات سے منع کر دیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو ”شک“ کے علاوہ کسی اور ذات سے منسوب کریں۔ بعض ہندوؤں کا خیال ہے کہ وہ شہر منصورہ کا شوردر تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ ہندوستان کا رہنے والا نہیں تھا بلکہ چھتم سے آیا تھا۔ ہندو اس کے ہاتھوں سخت مصیبت میں مبتلا رہے یہاں تک کہ پورب سے وکر ماتئیہ نے پیش قدمی کر کے اس پر حملہ کیا اور شکست دی اور کرور کے اطراف میں جو ملتان اور لونئی قلعہ کے درمیان واقع ہے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ تاریخ مشہور ہو گئی اور اس کو اس زمانے کا سن بنالیا گیا۔ منجموں نے خاص طور پر اس سن کو استعمال کیا۔ انہوں نے اس فاتح کی تعظیم کے لئے اس کے نام میں شری کا لفظ بڑھا دیا۔ چونکہ وکر ماتئیہ کی طرف یہ سن منسوب ہے وہ وکر ماتئیہ نام کا کوئی دوسرا شخص تھا، وہ وکر ماتئیہ نہیں تھا جس نے شک کو مارا تھا۔

### دلہہ کا سال

یہ سن دلہہ کے نام پر ہے جو شہر ۵ دلہہ کا حاکم تھا۔ یہ شہر انہلوڑا سے تقریباً ۳۰ یوجن جنوب میں واقع ہے یہ سن شک (شاکا) سن کے ۲۳۱ سال بعد کا ہے۔ لوگ اسے اس طرح کام میں لاتے ہیں وہ شک کال کا سن سے ۶ کے مکعب اور ۵ کے مربع کو گھٹاتے ہیں یعنی (۲۳۱ = ۲۵ × ۲۱۶) ۲۳۱ کم کرتے ہیں جو بچتا ہے وہی دلہہ کا سن ہے۔ دلہہ کی تاریخ مناسب مقام پر بیان ہوئی ہے۔ (دیکھئے باب ۱۷)

### گپت کال

اب آئیے گپت کال کی طرف گپت لوگوں کے متعلق یہ خیال کہ وہ شریر اور طاقتور قوم تھی اور جب یہ قوم فنا ہو گئی تو اسی کو ان کا سن بنالیا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید دلہہ ہی اس قوم کا آخری شخص تھا کیونکہ گپت من اور دلہہ من معاصر ہیں اور دونوں شک کے سن سے ۲۳۱ سال پیچھے ہیں۔

### منجموں کا سن

منجموں کا سن شک کال کے ۵۸۷ سال بعد شروع ہوتا ہے۔ برہم گپت کی زینج ”کھنڈ کھڈ ایک“ جو مسلمانوں میں ارکند کے نام سے مشہور ہے کی بنیاد اسی سن پر ہے۔

سموت سرس کے حساب سے مستعمل تاریخوں کو نکالنے کا طریقہ

عام لوگ سالوں کو ایک ایک کر کے صدی شمار کرتے ہیں اور اس کو ”سموت سرس“ کہتے ہیں۔

جب ایک صدی پوری ہو جاتی ہے تو اسے چھوڑ دیتے ہیں اور نئی صدی کا شمار کرنے لگتے ہیں۔ اس کو ”کال لوک“ یعنی پوری قوم کا سن کہتے ہیں لیکن اس صدی کے متعلق لوگوں کے بیانات اس قدر مختلف

ہیں کہ میرے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ان میں سے صحیح کون سا ہے۔ ایسا ہی اختلاف سال کے آغاز کے متعلق بھی ہے۔ میں نے اس کے بارے میں جو کچھ سنا ہے وہ بیان کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ایک نہ ایک دن یہ ابہام رفع ہو جائے گا اور میں اس کی حقیقت کو دریافت کر لوں گا (اس کے بعد ملک کے مختلف حصوں میں سال کی جوابدہ تسلیم کی گئی ہے اس کا بیان کیا ہے)۔

ہم پہلے ہی یہ عذر کر چکے ہیں کہ اس باب میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی تحقیق نہیں ہو سکی ہے۔

### ہندوؤں کے یہاں تاریخ شماری کے مشہور طریقے

اس باب میں جن سنوں کا ذکر ہوا ہے اس کی عملی توجیہ نہیں کی جاسکتی کیونکہ ان میں جو مدتیں استعمال ہوتی ہیں وہ صدی سے زیادہ ہیں اور سو سال سے قبل کے واقعات کے بارے میں روایات میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔

### کابل کے راجاؤں کے خاندان کی ابتدا

ہندوؤں کے راجا کابل میں بھی تھے۔ یہ وہ ترک تھے جن کا خاندان تبت کا تھا۔ ان کا پہلا شخص ”برہا تارکن“ کابل آیا اور ایک غار میں داخل ہو گیا۔ اس غار میں صرف لیٹ کر یا کھسک کر داخل ہوا جاسکتا تھا۔ غار میں پانی موجود تھا۔ کھانے کا کئی دن کا سامان بھی اس نے وہاں رکھ لیا تھا۔ یہ غار ہمارے زمانے تک ”در“ کے نام سے مشہور ہے جو لوگ ”برہا تارکن“ کے نام کو مبارک سمجھتے ہیں وہ تکلیف اٹھا کر اس غار میں جاتے اور وہاں کا پانی لے کر واپس آتے ہیں۔ اس غار کے وہاؤں میں کسانوں کی کئی ٹولیاں کام کرتی تھیں۔ اس قسم کے کام بغیر کسی کو شریک کیے انجام نہیں پاسکتے اور اس وقت تک راز میں نہیں رکھے جاسکتے جب تک کہ رازداروں سے قول و قرار نہ لے لیے جائیں۔ جس شخص کو اس نے ملایا اور اپنا رازدار بنایا تھا اس نے لوگوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ باری باری دن رات وہاں کام کرتے رہیں تاکہ وہ جگہ کسی وقت لوگوں سے خالی نہ رہے۔

غار میں داخل ہونے کے چند دن بعد اس نے لوگوں کی موجودگی میں غار سے اس طرح باہر کی طرف کھسکا شروع کیا جیسے ماں کے پیٹ سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ ترک لباس، سانے سے کھلی ہوئی قبا، اونچی ٹوپی اور جوتے پہنے ہوئے تھا اور ہتھیاروں سے لیس تھا۔ لوگ اس کے اس طرح نمودار ہونے کو ایک معجزہ سمجھے اور انہوں نے یہ خیال کر کے کہ اسے بادشاہ بنا کر پیدا کیا ہے اس کی تعظیم کرنے لگے اور وہ واقعی ان مقامات پر قابض ہو کر حکمرانی کرنے لگا اور اپنے لئے شاہ کابل کا لقب اختیار کیا۔ اس کے بعد اس کے خاندان کے دوسرے لوگ وہاں کئی نسلوں تک حکومت کرتے رہے۔ ان راجاؤں کی تعداد



تقریباً ۶۰ ہے۔

بدقسمتی سے ہندو واقعات کی تاریخی ترتیب کا بالکل خیال نہیں کرتے اور نہ بادشاہوں کی تخت نشینی کو تاریخی ترتیب سے بیان کرتے ہیں اور جب انہیں کوئی الجھن یا دقت پیش آتی ہے تو من گھڑت کہانیاں بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم وہ تمام روایات بیان کر دیتے جو ہمیں بعض لوگوں نے سنائی ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ اس شاہی خاندان کا شجرہ نسب ریشم کے پارچے پر لکھا ہوا انگر کوٹ کے قلعے میں موجود ہے۔ میں اسے دیکھنا چاہتا تھا لیکن بعض وجہ سے ایسا نہ کر سکا۔

(اس کے بعد ان کے ایک بادشاہ ”کنک کا“ جس نے پرشار دروہار بنوایا تھا اپنے وزیر کے ہاتھوں معزول اور قید کر دیئے جانے کا واقعہ بیان کیا ہے۔ اس کے معزول ہونے کے بعد حکومت برہمن بادشاہوں کے ہاتھوں میں آگئی)

### تبتی خاندان کا خاتمہ اور برہمن خاندان کی ابتدا

اس خاندان کا آخری بادشاہ ”لگ تورمان“ تھا۔ اس کا وزیر کلرایک برہمن تھا۔ کلر کے مقدر نے یادری کی اور اسے چھپا ہوا خزانہ مل گیا جس سے اس کا اثر اور طاقت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تبتی خاندان کا آخری بادشاہ اپنے خاندان کی طویل حکومت کو گنوا بیٹھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ لکٹورمان کے اخلاق و عادات اتنے بگڑ گئے تھے کہ لوگوں نے وزیر سے اس کی شکایت کی۔ وزیر نے اس کو گرفتار کر لیا اور اصلاح کے لئے قید کر دیا۔ مگر اب اقتدار کا مزہ وزیر کے منہ لگ چکا تھا چنانچہ اس نے اپنی دولت اور اس سے حاصل ہونے والے اثر و سوخ کے بل بوتے پر تخت سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد دوسرے برہمن بادشاہوں نے حکومت کی اور سمندر (سامنت) کلو، بھیم جے پال، آنند پال اور تروجن پال یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ آخر الذکر یعنی (تروجن پال ۴۱۲ ہجری (۱۰۴۱ عیسوی) میں قتل کیا گیا اور اس کا بیٹا پانچ سال بعد یعنی ۱۰۲۶ عیسوی میں قتل ہوا۔

ہندو بادشاہوں کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے اور اب اس کے خاندان کا ایک بھی فرد باقی نہیں ہے۔ ہم یہ کہہ بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس خاندان کے سلاطین اپنے جاہ و حشم کے باوجود لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے اور اچھے کام کرنے میں پیش پیش تھے اور نہایت شریف النفس تھے۔ مجھے آنند پال کے اس خط کا جو اس نے سلطان محمود کو اس وقت لکھا تھا جب دونوں کے تعلقات نہایت کشیدہ تھے۔ مندرجہ ذیل ٹکڑا بہت پسند آیا:

”میں نے سنا ہے کہ ترکوں نے آپ کے خلاف بغاوت کر دی ہے اور خراسان میں پھیل گئے ہیں۔

اگر آپ منظور کریں تو پانچ ہزار سوار دس ہزار پیادے اور سو ہاتھی کے ساتھ ہم خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور اگر آپ فرمائیں تو اپنے بیٹے کو اس سے دو چند ملک کے ساتھ بھیج دیں۔ ہماری اس پیش کش کا آپ پر کیا اثر ہوگا۔ مجھے اس کا مطلق کوئی خیال نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ آپ مجھے شکست دے چکے ہیں اور میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ کسی سے شکست کھائیں۔

یہ راجا اس وقت سے مسلمانوں سے سخت نفرت کرتا تھا جب سے اس کے بیٹے کو قید کیا گیا تھا لیکن اس کا بیٹا ترلوچن پال اس معاملے میں اپنے باپ کی ضد تھا۔

## باب ۵۰

### ایک کلپ اور ایک چتر گیک میں ستاروں کی گردش

الفزاری اور یعقوب ابن طارق کے اقوال

کلپ کی ایک شرط یہ ہے کہ اس میں سیارے اپنے اپنے اوج اور جہز ہر کے ساتھ حمل کے ۵۰ میں اعتدال ربیع کے نقطہ پر جمع ہو جائیں۔ اس کے نتیجے میں ایک کلپ کے دوران ہر سیارہ اپنی چند گردشیں مکمل کرتا ہے۔

الفزاری اور یعقوب ابن طارق نے اپنی زچوں میں ان گردشوں کو ایک پنڈت سے معلوم کر کے بیان کیا ہے۔ یہ پنڈت ۱۵۴ ہجری (۷۷۱ عیسوی) میں سندھ کے وفد کے ساتھ خلیفہ منصور کے دربار میں بغداد آیا تھا۔ جب ہم اس پنڈت کے بیان کا مقابلہ ہندوؤں کے اصل بیانات سے کرتے ہیں تو ان دونوں میں بہت فرق نظر آتا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ یہ اختلاف الفزاری اور یعقوب کے ترجمے سے پیدا ہوا یا ہندو پنڈت نے ایسا ہی لکھوایا یا بعد میں برہم گیت یا کسی اور شخص کی تصحیح سے پیدا ہوا ہے۔ کیونکہ جب کوئی عالم ستاروں کے حساب میں کوئی غلطی پائے گا تو اسے صحیح کرنے کی کوشش ضرور کرے گا جیسا کہ مثال کے طور پر محمد ابن اسحاق سرخ نے کہا ہے۔

برہم گیت کے یہاں آریہ بھٹ کا حوالہ

برہم گیت نے آریہ بھٹ کے حوالے سے چاند کے اوج اور جہز ہر کے دوروں کے متعلق دوسرا نظریہ پیش کیا ہے جس کو ہم نقل کرتے ہیں۔ ہم نے خود آریہ بھٹ کی کتاب میں اسے نہیں پڑھا ہے بلکہ برہم

گپت نے آریہ بھٹ کا جواقتباس دیا ہے ہم نے صرف اسے پڑھا ہے۔

(اس کے بعد سیاروں کے نام ایک کلب میں ان کی گردشوں کی تعداد اور ان کے اوجوں اور جزیروں کے دوروں کی تعداد ایک جدول میں درج کی ہے)۔

عرب مصنفین کے ہاں لفظ آریہ بھٹ کی تحریف

الفزاری اور یعقوب نے کبھی کبھی اپنے ہندو پنڈت کو یہ کہتے سنا کہ اس کے دوروں کا حساب سدھانت کبیر سے بیان کیا ہے اور آریہ بھٹ کا حساب اس کے ہزارویں حصے کی بنیاد پر ہے۔ یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آریہ بھٹ (عرب ارجہد) کے معنی ہزارواں حصہ ہیں۔ ہندو اس لفظ کے دال کو اس طرح بولتے ہیں کہ اس کی آواز ”دال“ اور ”ز“ کے درمیان ہوتی ہے اس طرح ”دال“ ”ز“ میں تبدیل ہو گیا اور ارجہد بدل کر ارجہر ہو گیا اس کے بعد اس میں ایک بار پھر تبدیلی ہوئی اور ”ز“ ”مبدل“ ”ز“ ہو گئی اور یہ لفظ ارجہر سے لاجہر ہو گیا۔ اب اگر یہ لفظ ہندوؤں کو سنایا جائے یا ان کے سامنے لایا جائے تو اسے پہچان نہ سکیں گے۔

## باب ۵۱

### ادھی ماسہ، اُنراتر اور اہرگن وغیرہ اصطلاحوں کی توضیح

لوند کا مہینہ

ہندوؤں کے مہینے قمری ہیں لیکن ان کے سال شمسی ہیں۔ اس لئے ان کے سال کی ابتدا شمسی سال سے اتنے دن پہلے ہوتی ہے جتنے دن قمری سال شمسی سال سے چھوٹا ہوتا ہے اور جو تخمیناً گیارہ دن ہیں اور جب اس طرح کرتے کرتے یہ فرق ایک مہینے کے برابر ہو جاتا ہے تو ہندو بھی وہی کرتے ہیں جو یہودی لوند کے سال میں کرتے ہیں یعنی اذار کے مہینے کو دوبارہ شمار کر کے سال کو تیرہ مہینے کا بنادیتے ہیں یا جیسا کفار عرب کیا کرتے تھے اور جسے ”انس“ کہتے ہیں۔ وہ نئے سال کی ابتداء کو اتنا پیچھے کر دیتے تھے جس سے پہلے والا سال تیرہ مہینے کا ہو جاتا تھا۔

ہندو ایسے سال کو جس میں کوئی مہینہ مکرر ہوتا ہے عام زبان میں ”مل ماس“ کہتے ہیں، مل ہاتھ کے میل کو کہتے ہیں اور جیسے میل کو پھینک دیا جاتا ہے اسی طرح اس مہینے کو بھی حساب سے نکال کر پھینک دیا جاتا ہے اور سال کے بارہ مہینے ہی شمار ہوتے ہیں۔ کتابوں میں لوند کے مہینے کو ”ادھی ماس“ کہا گیا ہے

جس مہینے میں ششی سال اور قمری مہینے کے حساب سے ہونے والا فرق ایک مہینے کے برابر ہو جاتا ہے وہی مہینہ دہرایا جاتا ہے۔

جب مہینے کو دہرایا جاتا ہے تو پہلے (یعنی اصل) مہینے کا نام وہی رہتا ہے جو تھا لیکن دوسرے کے (دہرائے ہوئے) نام کے آگے ”ذرا“ بڑھا دیتے ہیں تاکہ اس کے اور پہلے کے درمیان امتیاز ہو سکے۔ مثال کے طور پر اگر اسڑھ کا مہینہ مکر ہو تو پہلے کا نام اسڑھ اور دوسرے کا نام ”درا اسڑھ“ ہوگا۔ حساب کرنے میں، پہلا مہینہ شمار نہ کیا جائے گا، ہندو اسے منٹوس سمجھتے ہیں اور اس میں تقریبات منعقد نہیں کرتے۔ مہینے کی سب سے منٹوس ساعت وہ ہے جس دن مہینہ ختم ہوتا ہے۔ آدھی ماس سے مراد پہلا مہینہ ہے کیونکہ آدھی کے معنی ابتدا کے ہیں۔ یعقوب ابن طارق اور الفزاری نے اس لفظ کو پید ماس لکھا ہے۔ پد کے معنی اختتام کے ہیں۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ ہندو اسے دونوں ناموں سے پکارتے ہوں لیکن قاری کو یہ بھی جان لینا چاہئے کہ یہ دونوں مصنف اکثر ہندی الفاظ کے سچے غلط لکھتے ہیں یا انہیں بگاڑ دیتے ہیں اس لئے ان کی روایت پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ ہم نے اس کا ذکر اس لئے کر دیا ہے کہ پلس نے دونوں ہم نام مہینوں میں سے بعد والے کو حساب سے خارج قرار دیا ہے۔

### پورا اور جزوی مہینہ اور دن

مہینہ سورج اور چاند کے ایک برج میں جمع ہونے سے دوسرے ایسے ہی اجتماع تک کے وقت کا نام ہے اور یہ چاند کی ایک گردش ہے جس کے دوران وہ برجوں میں سورج سے ہٹ کر گردش کرتا ہے اور دونوں میں اجرام فلکی یعنی سورج اور چاند کی گردش کا فرق ہے کیونکہ دنوں کی گردش کی سمت ایک ہی ہے۔ اگر ہم کسی کلپ کی ششی گردشوں کو اسی کلپ کی قمری گردشوں سے گھٹائیں تو جو باقی بچے گا وہ ان قمری مہینوں کی تعداد ہوگی جو ایک کلپ میں ششی مہینوں سے زیادہ ہوں گے۔ پورے کلپ کے مہینے اور دن پورے مہینے اور دن کہلاتے ہیں اور جو کلپ کے کسی حصے مثلاً چتریک کے ہیں انہیں آسانی کے لئے جزوی مہینے اور دن کہیں گے۔

### پورے آدھی ماس مہینے

سال میں بارہ ششی اور بارہ قمری مہینے ہوتے ہیں۔ قمری سال بارہ مہینے میں مکمل ہو جاتا ہے لیکن ششی سال اس فرق کی وجہ سے جو دونوں سالوں میں ہے آدھی ماس سمیت تیرہ مہینے کا ہوتا ہے۔ کل ششی اور قمری مہینوں کا فرق یہی زائد مہینے ہیں جن سے سال تیرہ مہینے کا ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہی مہینے پورے آدھی ماس مہینے ہیں۔

## انزراتر کی حقیقت

انزراتر کی ضرورت کی وجہ اس لئے پیش آتی ہے کہ:

جب ایک یا چند سالوں میں ہر ایک سال بارہ مہینے کا قرار دیا جاتا ہے تو یہ اس کے شمسی مہینے ہوئے اور مہینوں کی اس تعداد (یعنی ۱۲) کو ۳۰ سے ضرب دینے سے سال کے شمسی دنوں کی تعداد نکل آتی ہے۔ اس مدت میں کتنے قمری مہینے اور دن ہوں گے ان کا حساب قمری ایام میں ادھی ماس کے زائد مہینوں کو جمع کر دینے سے معلوم ہوگا اور اگر اس اضافے کو ادھی ماس مہینوں میں تبدیل کر لیں اور اس میں کل شمسی مہینوں اور کل ادھی ماس مہینوں کے تناسب کا خیال رکھا جائے اور پھر ان تبدیل شدہ مہینوں میں سال کے مہینوں یا دنوں کی تعداد جمع کر دیں تو حاصل جمع جزوی قمری ایام ہوں گے۔ لیکن ہمارا مقصد اس تعداد کو جاننا نہیں بلکہ ان سالوں کے ایام طلوعی کو جاننا ہے جن کی تعداد قمری دنوں سے کم ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک طلوعی یوم ایک قمری یوم سے بڑا ہوتا ہے اس لئے طلوعی ایام معلوم کرنے کے لئے قمری ایام کی تعداد میں سے کچھ گھٹانا ہوگا اور یہی تعداد جو گھٹائی جاتی ہے ”انزراتر“ کہلاتی ہے۔

## باب ۵۲

## اہرگن یعنی سالوں اور مہینوں کے دن بنانے اور مہینوں کو

## سالوں میں تبدیل کرنے کا طریقہ

## ساون اہرگن معلوم کرنے کا عام قاعدہ

سالوں کے مہینے اور مہینوں کے دن بنانے کا عام قاعدہ یہ ہے:

پورے سالوں کو ۱۲ سے ضرب دیا جائے اور اس میں موجود ہر سال کے گزرے ہوئے مہینوں کی تعداد جوڑ دی جائے (اور حاصل جمع کو ۳۰ سے ضرب دیا جائے) اور جو عدد برآمد ہو اس میں موجودہ مہینے کے گزرے ہوئے ایام جمع کر دیئے جائیں تو ان سب کا مجموعہ ”ساون اہرگن“ کہلاتا ہے یعنی جزوی شمسی ایام کا مجموعہ۔

اس تعداد کو دو جگہ لکھو۔ ان میں سے ایک کو ۵۳۱۱ (پورے ادھی ماس مہینوں کی تعداد) سے ضرب دو اور اس حاصل ضرب کو ۶،۷۸،۰۰ (یعنی پورے شمسی مہینوں کی تعداد) سے تقسیم کرو اور خان قسمت کے

پورے دنوں کی تعداد کو دوسری جگہ لکھے ہوئے عدد میں جمع کرو تو ان کا مجموعہ چندراگرہن، یعنی جزوی قمر ایام کا مجموعہ ہوگا۔

اب اس عدد کو بھی دو جگہ لکھو۔ ایک کو ۳۹،۷۵۵ سے (جو پورا نراتر دنوں کی تعداد ہے) اسے ضرب دو اور حاصل ضرب کو ۳،۵۶۲،۲۲۰ (جو پورے قمری دنوں کی تعداد ہے) سے تقسیم کرو۔ خارج قسمت کے پورے دنوں کی تعداد کو دوسری جگہ لکھے ہوئے عدد سے گھٹاؤ۔ جو باقی بچے گا وہی ”سادن اہرگن“، یعنی مطلوبہ ایام طلوعی کی تعداد ہے۔

قاری کو یہ جان لینا چاہئے کہ یہ طریقہ صرف ان تاریخوں کے لئے ہے جن میں ادھی ماس اور انراتر دونوں پورے ہوں اور ان میں کسر نہ ہو۔ اس لئے اگر دیئے ہوئے سالوں کی ابتدا کلپ، چتر یگ سے ہوگی تو یہ طریقہ صحیح ہوگا لیکن اگر دیئے ہوئے سالوں کی ابتدا دوسرے وقت سے ہوگی تو ہو سکتا ہے کہ اتفاق سے یہ طریقہ صحیح ہو جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے ادھی ماس وقت کی موجودگی ثابت ہو جائے اور ممکن ہے کہ ایسا نہ ہو بلکہ اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے۔ اگر یہ معلوم ہو کہ سال کلپ، چتر یگ یا کل یگ کے کسی خاص لمحے سے شروع ہوتا ہے تو اس کے ساب کا ایک خاص طریقہ ہے جس کی مثالیں آگے بیان ہوں گی۔

(اس باب کے باقی ماندہ حصے میں مندرجہ ذیل نکتوں پر بحث کی گئی ہے۔ آخر الذکر طریقہ کا اطلاق مندرجہ ذیل ہوتا ہے:

(I) شک کال ۹۵۳ (II) چتر یگ، پلس کے نظریہ کی روشنی میں (III) آریہ بھٹ اور یعقوب ابن طاریق نے اہرگن کا جو قاعدہ بیان کیا ہے۔ (IV) انراتر معلوم کرنے کا برہم گیت کا بتایا ہوا طریقہ (V) کلپ، چتر یگ اور کل یگ کے سالوں کے ادھی ماس دریافت کرنے کا طریقہ (IV) دنوں کی بنیاد پر مہینوں اور سالوں کو دریافت کرنا یعنی اہرگن کا برعکس)۔

## باب ۵۳

## اہرگن یعنی سالوں کے مہینوں اور دنوں میں تبدیل کرنے کا طریقہ جو مختلف اوقات کے لئے مخصوص ہیں خاص تاریخوں کے لئے اہرگن کا قاعدہ

زچوں میں جن تاریخوں کو دنوں میں تبدیل کیا جاتا ہے ان میں سے تمام کی ابتدا ایسے اوقات سے نہیں ہوتی جن میں اڑھی ماس اور انزاتر پورے ہوتے ہوں اس لئے زچ کے مرتبین کو اڑھی ماسوں اور انزاتر کا حساب لگانے کے لئے گھٹانے یا بڑھانے کے لئے بعض اعداد کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہندوؤں کی جنتریوں اور زچوں کے مطالعے سے اس عمل کے قاعدوں کے متعلق ہمیں جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ بیان کرتے ہیں۔

پہلے ہم ”کھاٹھ کھڈ ایک“ کے قاعدے بیان کریں گے کیونکہ یہ سب سے مشہور زچ ہے اور مہجمین اس کو تمام دوسری زچوں پر ترجیح دیتے ہیں۔  
(آگے چل کر المیرونی نے ”کھاٹھ کھڈ ایک“ جسے تمام دوسری زچوں پر فوقیت حاصل ہے، کا اصول بیان کیا ہے۔ اس کے بعد بعض دوسری زچوں کے قاعدے بیان کئے ہیں اور ان کو اپنے مقرر کردہ آزمائشی سال پر منطبق کیا ہے۔)

## سیاروں کا وسط معلوم کرنا

کسی دیئے ہوئے وقت پر سیارے کا وسط متعین کرنے کا طریقہ

اگر کسی کلپ یا چتر یگ کے دوران سیاروں کی گردشوں یا دوروں کی تعداد معلوم ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ دیئے ہوئے وقت تک کتنے دور گزر چکے ہیں تو ہم اس کلپ یا چتر یگ کے گزرے ہوئے ایام کی تعداد معلوم کر لیں گے اور ان گزرے ہوئے ایام کی تعداد ان سیاروں کی گردش کی تعداد کے برابر ہوتی ہے۔ اس کا سب سے زیادہ استعمال ہونے والا طریقہ یہ ہے:

کلپ یا چتر یگ کے گزرے ہوئے ایام کی تعداد کو سیارے کے دوروں یا اس کے اوج یا جوز ہر کے دوروں کی تعداد سے ضرب دو اور حاصل ضرب کو کلپ یا چتر یگ کے پورے ایام کی تعداد سے تقسیم کرو۔ خارج قسمت سیارے کے مکمل شدہ دوروں کی تعداد ہے۔ چونکہ ہمیں یہ عدد دریافت کرنا نہیں، اس لئے اس کو خارج کر دو اور تقسیم کے بعد جو کچھ باقی بچا تھا، اسے ۱۲ سے ضرب دو اور حاصل ضرب کو کلپ یا چتر یگ کے مجموعی دنوں کی تعداد سے جس طرح پہلے کیا تھا تقسیم کر دو، خارج قسمت برجوں کی تعداد ہے۔ اس تقسیم سے جو بچا ہوا ہے ۳۰ سے ضرب دو اور حاصل ضرب کو اسی عدد سے تقسیم کرو جس سے ابھی کیا تھا، اب جو خارج قسمت آیا وہ درجوں کی تعداد ہے۔ اس تقسیم سے بچا ہوا ہے ۶۰ سے ضرب دے کر پھر اسی عدد سے تقسیم کرو تو خارج قسمت دقیقوں کی تعداد ہوگا۔

اگر یہ عمل اسی طرح کیا جاتا رہے تو اس سے ثابے اور وقت کی دوسری مقداریں معلوم ہوں گی اور اس کے خارج قسمت سے اس سیارے کا مقام، اس کی رفتار کی نسبت سے معلوم ہو جائے گا اور اس کے اوج یا جوز ہر کا وسط بھی معلوم ہو جائے گا۔

(اس کے بعد سیاروں کا وسط دریافت کرنے کا پولس کا بتایا ہوا طریقہ بیان کیا ہے اور برہم گپت کے طریقے کا ذکر کرتے ہوئے ”کھانڈکھڑ ایک“ اور کرن تلک کے اقتباسات پیش کئے ہیں اور اس باب کو یہ کہہ کر ختم کر دیا ہے کہ.....

..... یہ طریقے بہت پیچیدہ ہیں اور ان کا کوئی شمار نہیں ہے اور ان میں سے کسی کو استناد کا درجہ حاصل نہیں۔ اس لئے ان کا بیان بے فائدہ طول کلام کا باعث ہوگا۔ اس کے بعد کی تقویم اور اس سے متعلق حسابات کا ہماری کتاب کے موضوع سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔



## باب ۵۵

## سیاروں کی ترتیب ان کے فاصلے اور جسامت

لوگوں کے ذکر میں دشمنو پران اور پانچلی کی شرح کے حوالے سے بیان کیا چکا ہے کہ ان کتابوں کے مطابق سیاروں کی ترتیب میں چاند کی جگہ سورج کے نیچے ہے۔ ہندوؤں کا مذہبی عقیدہ بھی یہی ہے۔ اب ہم اس نظریے کی تائید کرنے والی کتابوں سے چاند سورج اور ستاروں کے بارے میں پہلے کچھ حوالہ پیش کریں گے اور پھر علمائے نجوم کی رائے بیان کریں گے۔ اگرچہ ہمیں اس کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہیں۔

(اس کے بعد سورج کی شکل اس کی حرارت اور روشنی وغیرہ کے بارے میں واپو پران کے اقتباسات نقل کئے ہیں)۔

## ستاروں کی ماہیت

ستاروں کے اجسام کے بارے میں ہندوؤں کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ سب کروی شکل کے ہیں، آبی جوہر رکھتے ہیں اور بے نور ہیں۔ لیکن سورج اپنے مزاج میں آتش اور اپنی ذات سے روشن ہے اور جب کسی دوسرے ستارے کے سامنے آتا ہے تو اسے بھی کچھ وقت کے لئے روشن کر دیتا ہے۔ وہ دکھائی دینے والے ستاروں میں ان چمک دار چیزوں کو بھی گن لیتے ہیں جو حقیقت میں ستارے نہیں ہیں بلکہ ثواب پانے والوں کی روحیں ہیں جنہیں روشنیوں میں بدل دیا گیا ہے اور جو آسمان کی بلندی پر بلور کی کرسیوں پر متمکن ہیں۔

ہندو تمام ستاروں کو ”تارا“ کہتے ہیں۔ لفظ تارا ترن سے مشتق ہے جس کے معنی راستے کے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ دنیا کی برائی سے گزر کر آرام کی جگہ پہنچ گئے ہیں اور ستارے بھی اسی طرح دورہ کر کے آسمان کو عبور کر لیتے ہیں۔ لفظ نکشتر چاند کی منزلوں کے ستاروں کے لئے ہی استعمال ہوتا ہے۔ چونکہ ان سب کو ”ثوابت“ (غیر متحرک ستارے) کہا جاتا ہے اس لئے نکشتر کا اطلاق ثوابت پر بھی ہوتا ہے کیونکہ اس لفظ کے معنی ایسی چیز کے ہیں جو نہ بڑھے اور نہ گھٹے۔ میرے خیال میں ”نہ گھٹنا اور نہ بڑھنا“ کا اطلاق ان کی تعداد اور باہمی فاصلے پر ہوتا ہے لیکن دشمنو پران کے مصنف نے اسے ان

کی روشنی پر بھی منطبق کر دیا ہے۔

(اس کے بعد ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کے حوالے سے سیاروں کا قطر اور محیط بھی بیان کیا ہے اور ثوابت کا بھی؛ البیرونی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

..... اس موضوع پر ہندوؤں کے مبہوم و مبہم نظریات جن سے ہم واقف ہو سکے یہی ہیں۔ اب ان کے منجموں کے نظریات بیان کرتے ہیں۔

### ہندو منجموں کے نظریات

سیاروں کی ترتیب وغیرہ کے بارے میں ہم میں اور ہندو منجموں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہماری ہی طرح وہ بھی اس کو مانتے ہیں کہ سورج سیاروں کے وسط میں ہے اور زحل اور چاند ان سیاروں کے دونوں کناروں پر اور ثوابت ان کے (یعنی سیاروں کے) اوپر ہیں۔ ان میں سے بعض کا بیان گزشتہ ابواب میں ہو چکا ہے۔

ہندو علمائے مذہب اور ان سے بھی بڑھ کر ہندو منجموں کا عقیدہ ہے کہ چاند سورج اور دوسرے سیاروں کے نیچے ہے۔

### یعقوب ابن طارق کے مطابق ستاروں کے فاصلے

ستاروں کے درمیانی فاصلوں کے متعلق ہم کو ہندوؤں کی وہی روایتیں ملی ہیں جن کو یعقوب ابن طارق نے اپنی کتاب ”تزکیب افلاک“ میں نقل کیا ہے۔ ان روایتوں کو یعقوب نے اس ہندو پنڈت سے حاصل کیا تھا جو ۱۶۱ ہجری میں ایک وفد کے ساتھ بغداد آیا تھا۔

(اس کے بعد ایک نقشے میں ستاروں کے نام اور زمین کے وسط سے ان کا فاصلہ اور ان کے قطر درج کئے ہیں)۔

یہ بات بھی جانتے ہیں کہ یہ معلوم کرنے کا کہ دو ستاروں میں سے اوپر کون سا ہے اور نیچے کون سا ہے صرف ایک طریقہ ہے یعنی ایک ستارے کا دوسرے کو ڈھک لینا یا اختلاف منظر کا بڑھ جانا۔ اول الذکر کا وقوع شاذ ہی ہوتا ہے اور اختلاف منظر صرف ایک سیارے یعنی چاند کا دکھائی دیتا ہے کسی دوسرے ستارے کا نہیں۔ پھر ہندوؤں کا یہ بھی خیال ہے کہ تمام ستاروں کی حرکتیں مساوی ہیں لیکن باہمی فاصلہ مختلف ہے۔ اس بنیاد پر ان کا خیال ہے کہ اوپر کے سیاروں کی حرکت کے سست ہونے کی وجہ سے ان کے مداروں کی مقابلہ زیادہ وسعت ہے۔ اس کے برخلاف نیچے کے سیاروں کی رفتار کی تیزی کی وجہ سے یہ ہے کہ ان کا فلک یا مدار چھوٹا ہے۔ مثال کے طور پر فلک زحل کا ایک دقیقہ فلک قمر کے ۲۲۲ دقیقوں

کے برابر ہے۔ اس لئے ان دونوں ستاروں کو ایک ہی فاصلہ طے کرنے میں دونوں کی حرکت مساوی ہونے کے باوجود مختلف وقت لگتا ہے۔ اس ضوع پر ہندوؤں کی کوئی مستقل تصنیف میری نظر سے نہیں گزری۔ صرف اعداد مختلف جگہوں پر نظر سے گزرے ہیں اور وہ بھی غلط۔

(اس باب کے بقیہ حصے میں المیرونی نے مندرجہ ذیل امور پر گفتگو کی ہے:

- ۱ زمین سے ستاروں کا فاصلہ یا ان کا نصف قطر
- ۲ ستاروں کے قطر
- ۳ کسی دیئے ہوئے وقت پر سورج اور چاند کی جسامت معلوم کرنے کا طریقہ
- ۴ برہم گیت کا قطر ظلل کے حساب کا طریقہ
- ۵ ہندوؤں کے دوسرے مآخذ کے مطابق آفتاب اور ماہتاب کے قطر معلوم کرنے کا طریقہ

## باب ۵۶

### چاند کی منزلیں

ہندوؤں کا چاند کی منزلیں مقرر کرنے کا طریقہ وہی ہے جو بروج کے متعین کرنے کا ہے۔ جس طرح منطقہ بروج کو ۲۷ حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصے کو ایک برج شمار کرتے ہیں اسی طرح منطقہ بروج کو ۲۷ برابر حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصے کو چاند کی ایک منزل قرار دیا ہے۔ ہر منزل ۱۳/۱/۳ درجے اور ۸۰۰ دقیقے کی ہے۔ سیارے ان میں داخل ہوتے اور ان سے باہر نکل کر اپنے شمالی اور جنوبی عرض البلد میں آتے جاتے ہیں۔ نجمین کے نزدیک ان منزلوں کی وہی صفات ہیں جو دوسرے بروج کی ہیں اور حالات کی طرف اشارہ کرنے میں بھی ان کی حالت وہی ہے جو دوسرے بروج کی۔

۲۷ کا عدد اس لئے رکھا گیا ہے کہ چاند ۱۳/۱/۳ یوم میں پورے منطقے کو طے کر لیتا ہے۔ اس عدد کی کسر حساب میں نہیں لی گئی ہے۔ عرب مغرب میں چاند کی پہلی رویت سے شروع کر کے مشرق کی رویت تک چاند کی منزلوں کا حساب کرتے ہیں۔

لیکن عرب ان پڑھ تھے جو نہ لکھنا جانتے تھے اور نہ حساب کر سکتے تھے وہ صرف گننے اور آنکھ سے دیکھنے پر انحصار کرتے تھے۔ ان کے پاس مشاہدہ کے علاوہ تحقیق کا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا وہ غیر متحرک

ستاروں (ثوابت) کے وجود کے بغیر قمری منزلوں کا تعین نہیں کر سکتے تھے۔ ہندوؤں نے بھی اس قسم کی حد بندی کرنی چاہی تو بعض ستاروں کے متعلق عربوں سے اتفاق کیا۔ لیکن دوسرے معاملات میں اختلاف کیا۔ مجموعی طور پر عرب چاند کے راستوں سے دور نہیں ہٹتے اور چاند کی منزلیں متعین کرتے وقت صرف ان سیاروں کو شمار کرتے ہیں جن کے ساتھ چاند اپنے دور میں یا تو یکجا ہو جاتا یا ان کے قریب ہوتا ہے۔

ہندوؤں کے یہاں چاند کی منزلیں ستائیس ہیں یا اٹھائیس

ہندو اس کی پابندی نہیں کرتے اور ستاروں کے آمنے سامنے ہونے اور ایک دوسرے کے اوپر نیچے ہونے کو بھی شمار کر لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ نسر واقع (Falling Eagle) کو بھی چاند کی منزل شمار کرتے ہیں جس سے ان منازل کی تعداد ۲۸ ہو جاتی ہے۔

اس سبب سے ہمارے منجموں اور کتب ”انوء“ کے مصنفوں کو دھوکا ہوا اور انہوں نے بیان کر دیا کہ قمری منزلیں ہندوؤں کے نزدیک اٹھائیس ہیں لیکن ایک منزل کو جو ہمیشہ سورج کی کرنوں سے ڈھکی رہتی ہے حساب میں شامل کیا ہے شاید ان لوگوں نے سنا تھا کہ ہندو اس منزل قمر کو ”جلیتی ہوئی“ اور اس منزل کو جس سے چاند نکل کر اس میں داخل ہوا ہے اجتماع کے بعد متروک کہتے ہیں اور جس منزل میں چاند اس کے بعد جائے گا اسے ”دھوئیں والی“ کہتے ہیں۔ بعض مسلمان عالموں نے صراحت کی ہے کہ ہندو جس منزل قمر کو حساب سے خارج سمجھتے ہیں وہ ”زبان“ ہے اور اس کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ میزان کے آخر اور عقرب کی ابتدا میں چاند کا جو راستہ ہے وہ جلتا ہوا (محرقتہ) ہے۔

ہمارے علماء کا یہ خیال اس وجہ سے ہے کہ وہ ہندوؤں کے نزدیک چاند کی منزلوں کی تعداد ۲۸ سمجھتے ہیں اور یہ کہ بعض اوقات ان میں سے ایک منزل کو ساقط کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے یعنی یہ کہ چاند کی منزلیں ان کے ۲۷ ہی ہیں اور بعض حالات میں ان میں ایک کا اضافہ کر کے ان کی تعداد ۲۸ کر دی جاتی ہے۔

”کھانڈ کھاڈ ایک“ کے مطابق چاند کی منزلوں کی جدول

ہندو ثابت ستاروں سے بہت کم واقفیت رکھتے ہیں، مجھے ان میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں ملا جو چاند کی منزلوں کے ستاروں کو دیکھ کر پہچان سکتا اور ان کی اشارے سے انہیں مجھ کو بتا سکتا۔ ہم نے ان ستاروں کی تحقیق میں بڑی محنت کی ہے اور اپنی تحقیق کے نتائج کو اپنے ایک رسالے ”تحقیق منازل قمر“ میں درج کیا ہے۔ یہاں ان کے صرف وہی نظریات پیش کئے جائیں گے جو موقع کے مناسب ہیں لیکن ان سے

پہلے ہم ”کھاٹھ کھڈ ایک“ کے مطابق چاند کی منزلوں کے طول اور عرض اور ان کی تعداد بیان کرتے ہیں تاکہ اس موضوع کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

### ورہ میر کے اقوال پر مصنف کی تنقید

ہم نے اس موضوع پر ہندوؤں کے خیالات کی پراگندگی کی جو کیفیت بیان کی اس کی تائید شرترن (اشونی) کے متعلق ورہ میر کے قول سے بھی ہوتی ہے حالانکہ ہندو خود اپنے خیالات کی اس پراگندگی سے لاعلم ہیں۔ ورہ میر کا قول ہے کہ ”ان چھ منزلوں میں جن میں سے ایک اشونی بھی ہے مشاہدہ حساب سے آگے بڑھ جاتا ہے۔ حالانکہ ہمارے زمانے میں اس کے دونوں ستارے حمل کے  $2/3$  کے اندر ہیں (یعنی  $100$  اور  $200$  کے درمیان) اور ورہ میر کا زمانہ ہمارے زمانے سے تقریباً  $526$  سال پہلے ہے۔ اس لئے ثوابت کی حرکت کا کسی بھی قاعدے سے حساب لگایا جائے ورہ میر کے زمانے میں اشونی کسی حساب سے بھی حمل کی  $1/3$  سے کم میں نہیں تھا۔

(اس کے بعد المیرونی نے ثوابت کی حرکت سے ہندوؤں کی بہت کم واقفیت پر تنقید کی ہے اور اس کم علمی کی مثال کے طور پر ورہ میر کی سمہت کا ایک اقتباس نقل کیا ہے)۔

## باب ۵۷

## تحت الشعاع سے ستاروں کا طلوع اور اس وقت ادا کی جانے

## والی رسمیں

ستارے کی رویت کے لئے آفتاب سے کتنا فاصلہ ضروری ہے

ستاروں اور ہلال کی رویت سے متعلق ہندوؤں کے حساب کا طریقہ وہی ہے جو سندھ کی زچوں میں درج ہے۔ وہ سورج سے ستارے کے اس فاصلے کے درجوں کو جو اس کی رویت کے لئے ضروری ہے کا لم شک کہتے ہیں۔

اس اعتبار سے ستاروں کو تین قسموں میں بانٹا گیا ہے۔ پہلی قسم میں وہ ستارے ہیں جن کو یونانی اول اور دوم درجہ اہمیت کے سمجھتے تھے۔ دوسری قسم میں وہ ستارے ہیں جو اہمیت میں تیسرے اور چوتھے درجے کے اور آخری قسم وہ ہے جن کا شمار اہمیت میں پانچویں اور چھٹے درجے میں ہوتا ہے۔

برہم گیت کو ”کھانڈ کھڈ ایک“ کی تصحیح میں یہ تفصیل بیان کرنی چاہئے تھی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا ہے۔ اس نے مجموعی طور پر صرف یہ کہا ہے کہ تمام قمری منزلوں کے ستاروں کی رویت کے لئے سورج سے ۱۴ درجے کا فاصلہ ضروری ہے۔ (پھر اگستہ یعنی سہیل کے طلوع کو دریافت کرنے کا طریقہ بیان کیا ہے اور برہم گیت کی تصحیح ”کھانڈ کھڈ ایک“ کے اقتباسات نقل کئے ہیں)۔

## بعض ستاروں کی رویت کے وقت کی رسمیں

کتاب سمہت میں مختلف ستاروں کی رویت کے وقت کی رسوم اور قربانیاں مذکور ہیں۔ اب ہم ان کو درج کرتے ہیں اور ان حصوں کا ترجمہ بھی درج کرتے ہیں جو بالکل خرافات ہیں کیونکہ ہم نے اپنے اوپر یہ فرض کر لیا ہے کہ ہم ہندوؤں کی کتابوں میں جو کچھ ہے اسے جوں کا توں پیش کر دیں گے۔

(اس کے بعد اگستہ روپنی واتی اور ساوان کے طلوع اور ان کے طلوع کے وقت کی قربانیوں کے بارے میں درہ میر کے طویل اقتباسات نقل کئے ہیں)۔

## باب ۵۸

## سمندر میں مدوجزر کس طرح آتا

اس بات کے آغاز میں راجا اور واکا قصہ معیاً پر ان سے نقل کیا ہے اور سمندر کے پانی کا ایک حال میں ٹھہرے رہنے کا سبب جیسا کہ کتاب مذکور میں بیان ہوا ہے۔ درج کیا ہے راجا فرشتوں سے برہم ہو گیا تھا لیکن بعد میں مان گیا تھا اور جب اس نے ان سے پوچھا کہ میں اپنے غصے کی آگ کو کیا کروں تو فرشتوں نے مشورہ دیا کہ اسے مندر میں ڈال دے۔ یہ آگ سمندر کا پانی بجتی رہتی ہے اور اس میں سیلاب نہیں آنے دیتی۔ اس کے بعد پر جاپتی کے چاند کو بد عادی نے اور چاند کے جسم پر جذام کے داغ پیدا ہونے کا واقعہ بیان کیا ہے۔ بعد میں چاند نے ندامت کا اظہار کیا اور درخواست کی کہ اس کے چہرے کے داغ دور کر دیئے جائیں۔ پر جاپتی نے کہا کہ اس کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ مہادیو کے لنگ کی صورت کھڑی کر کے چاند اس کی پرستش کرے۔ چاند نے اس کی تعمیل کی اور سومات کا پتھر وہی لنگ ہے۔ اس کے بعد الہیرونی نے سلطان محمود کے ہاتھوں سومات کے انہدام کا واقعہ نقل کیا ہے حالانکہ الہیرونی نے عام طور پر سیاسی واقعات کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ اس ضمن میں اس نے سومات کی اہمیت کے اقتصادی اسباب پر بھی روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ سومات کی تجارت یا اہمیت اس وجہ سے تھی کہ یہ ایک بندرگاہ تھی جسے مشرقی افریقہ اور چین سے تجارت کے لئے استعمال کیا جاتا تھا..... سوم کے معنی چاند کے اور تاتھ کے معنی ہیں حاکم یعنی سومات کا مطلب ہو چاند کا حاکم۔

## سومات کا بت

سومات کا بت سلطان محمودؒ نے ۳۱۶ ہجری میں اکھڑا دیا۔ اس نے حکم دیا کہ اس کا اوپری حصہ توڑ دیا جائے اور باقی ماندہ حصے کو اس کے جڑ اور غلاف اور جواہرات کے ساتھ اس کے دار السلطنت غزنی بھجوا دیا جائے اس کا ایک ٹکڑا ایک دوسرے بت چکر سوامی کے ساتھ (جو پیل کا بنا ہوا تھا اور تھائیہ سے لایا گیا تھا) غزنی کے میدان میں پڑا ہے۔ سومات کے بت کا دوسرا ٹکڑا غزنی کی جامع مسجد کے دروازے کے سامنے پڑا ہے جس پر لوگ اپنے پیروں کی مٹی اور کچر صاف کرتے ہیں۔

## لنگ کی بنیاد

لنگ مہادیو کے عضو تناسل کی صورت ہے۔

(اس کے بعد الہیرونی نے لنگ کی پرستش کی ابتدا اور لنگ کی تعمیر کی شرائط درہ میر کی برہمت سمیت سے نقل کی ہیں)

## سومناٹ کے بت کی پرستش

ملک سندھ کے جنوب مغرب کے علاقے میں ہندوؤں کے اکثر مندروں میں لنگ کی صورت موجود ہے لیکن ان سب مندروں میں سومناٹ سب سے زیادہ مشہور تھا۔ اس پر چڑھانے کی لئے روزانہ لنگا سے ایک گھڑا پانی اور کشمیر سے ایک ٹوکرا پھول لائے جاتے تھے۔ ہندوؤں کا یہ اعتقاد تھا کہ لنگ سے پرانی بیماریوں کو شفا ہو جاتی ہے اور ہر لاعلاج مرض اچھا ہوتا ہے۔

سومناٹ کی شہرت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ ایک بندرگاہ تھا اور سفالہ (افریقہ میں) اور چین آنے جانے والے تاجروں کی ایک منزل تھی۔

## مدوجزر کے اسباب کے متعلق عوام کا اعتقاد

بحر ہند کے مدوجزر (ہندی میں مد کو بھرن (؟) اور جزر کو دہر کہتے ہیں) کے متعلق ہندو عوام کا عقیدہ یہ ہے کہ اس سمندر میں ایک آگ ہے جس کا نام ”وڑوانل“ ہے۔ یہ آگ ہمیشہ بھڑکتی رہتی ہے۔ مد کی وجہ آگ کا سانس کو اندر کھینچنا اور سانس کے ذریعے اندر جانے والی ہوا کا آگ کو بھڑکا دینا ہے اور جزر اس وقت واقع ہوتا ہے جب آگ سانس باہر نکالتی ہے اور آگ کا بھڑکنا بند ہو جاتا ہے۔

سومناٹ کا نام اسی مدجزر سے پڑا ہے۔ (یعنی چاند کا حاکم) کیونکہ سومناٹھ کے لنگ کا پتھر پہلے ساحل پر سرسوتی کے دہانے سے تقریباً تین میل پر سونے سے بنے ہوئے قلعے بروئی کے مشرق میں (جو واسودیو کی رہائش کے لئے ظہور پذیر ہوا تھا) ان کے اور ان کے اہل خانہ کے قتل ہونے اور جلائے جانے کی جگہ پر نصب ہوا تھا۔ جب بھی چاند نکلتا یا ڈوبتا ہے تو سمندر کے پانی میں تلاطم پیدا ہوتا ہے اور پانی مذکورہ جگہ تک پھیل کر اسے چھپا لیتا ہے۔ جب چاند دائرہ نصف النہار اور نصف اللیل پر پہنچتا ہے تو پانی جزر کی وجہ سے اترتا اور اس کو ظاہر کر دیتا ہے۔ اس طرح چاند گویا برابر اس کی خدمت اور اسے غسل دینے میں لگا رہتا ہے اور اسی وجہ سے یہ جگہ چاند سے منسوب کر دی گئی۔ جو قلعہ اس بت اور اس کے خزانوں کے گرد بنا ہوا تھا وہ پرانا نہیں تھا بلکہ تقریباً سو برس پہلے تعمیر ہوا تھا۔



## باب ۵۹

## سورج اور چاند گرہن

کسوف و خسوف کے متعلق جن نظریات کا اظہار ورہ میر نے کیا تھا ان کے اقتباسات ”سمت“ سے پیش کئے گئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ورہ میر چاند گرہن کے بارے میں یہ مانتے تھے کہ یہ اس وقت واقع ہوتا ہے جب چاند زمین کے سائے میں آ جاتا ہے اور سورج گرہن اس وقت واقع ہوتا ہے جب چاند اس کو ہماری نظروں سے چھپا لیتا ہے یہی وجہ ہے کہ چاند مغرب سے اور سورج گرہن مشرق سے شروع نہیں ہوتا۔ ورہ میر نے گرہن کے متعلق مشہور لیکن غیر سائنسی نظریات کا بھی ذکر کیا ہے اور کہا ہے ”عوام نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ اس سورج گرہن کا سبب ہے۔ اگر اس ظاہر ہو کر گرہن نہ لگائے تو برہمن اس وقت کا واجب غسل نہ کریں۔“

الہیرونی نے اس بات پر حیرت ظاہر کی ہے کہ ورہ میر نے اپنی اول الذکر توجیہ کے بعد جو اس کو ایک عالم ثابت کرتی ہے ان خیالات کو کیوں پیش کیا۔ شاید اس نے ایسا اس لئے کیا کہ وہ برہمنوں سے بگاڑنا نہیں چاہتا کیونکہ وہ خود برہمن تھا اور ان سے ناتا توڑنا نہیں چاہتا تھا پھر بھی ہم اسے مورد الزام قرار نہیں دے سکتے کیونکہ اس کے پیر مضبوطی سے سچ کی بنیاد پر جمے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد الہیرونی نے گرہن کے متعلق برہمن گیتا کے نظریات پیش کئے ہیں اور برہمن سدھانت کے پہلے باب سے مندرجہ ذیل اقتباسات پیش کئے ہیں اور برہمن سدھانت کے پہلے باب سے مندرجہ ذیل اقتباس پیش کیا ہے۔

## برہمن سدھانت کا اقتباس

”بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ گرہن کا سبب اس نہیں ہے۔ ایسا سمجھنا محض حماقت ہے کیونکہ وہی گرہن لگانے والا ہے اور ساری دنیا کے لوگ کہتے ہیں کہ اس ہی گرہن لگاتا ہے وید جو برہما کے منہ سے نکلا ہوا خدا کا کلام ہے یہی کہتا ہے کہ اس گرہن لگاتا ہے۔ منو کی تصنیف کردہ کتاب سمرتی اور برہما کے بیٹے گرگ کی سمت بھی یہی کہتی ہے۔ اس کے برعکس ورہ میر ’سرخیش آر یہ بھٹ اور دشنو چندر یہ کہتے ہیں کہ گرہن کا سبب اس نہیں بلکہ وہ چاند اور زمین کے سائے کی وجہ سے پڑتا ہے۔ ان لوگوں کا یہ کہنا

اکثریت کی مخالفت اور مذکورہ کلام الہی سے انکار کرنے کے مترادف ہے کیونکہ اگر گرجن کا سبب راس نہ ہوتی تو جو کچھ برہمن گرجن کے وقت کرتے ہیں (یعنی گرم تیل کی مالش اور وہ تمام عبادات و رسوم جو گرجن کے وقت کے لئے مقرر ہیں) وہ سب اکارت جاتا اور اس پر کوئی ثواب نہ ملتا۔ ان رسموں کو لغو ٹھہرانا اکثریت کی متفقہ رائے سے انحراف کرنا ہے جو جائز نہیں ہے۔

المیرونی نے پھر اس بات پر حیرت ظاہر کی ہے کہ برہم گیتا نے جو ان کے منجموں میں سب سے زیادہ ممتاز تھا ایسے غیر سائنسی نظریات کا اعادہ کیوں کیا ہے، برہم گیتا نے ایک لفظ جمہور کی رائے استعمال کیا ہے۔ اگر جمہور کی رائے کا مطلب ساری آباد دنیا کے لوگوں کی رائے سے ہے تو ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ ساری دنیا کے لوگوں کی رائے معلوم کرنا ناممکن ہے۔ ہندوستان تمام دنیا کے مقابلے میں ایک چھوٹی سی جگہ ہے اور ہندوؤں سے دینی اور عقلی امور میں اختلاف رائے رکھنے والے لوگوں کی تعداد ان سے اتفاق رکھنے والوں کی تعداد سے بہت زیادہ ہے اور اگر اس کی مراد ہندوؤں کی اکثریت سے ہے تو یقیناً ہندو عوام کی تعداد پڑھے لکھے ہندوؤں سے بہت زیادہ ہے لیکن ان کے تمام دینی معاملات میں عوام کو ہمیشہ جاہل، شکی اور ناشکر سمجھا گیا ہے یعنی ان کی رائے کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

میرا اپنا یہ خیال ہے کہ برہم گیتا نے جو کچھ کہا ہے کہ اس کی وجہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ وہ کم سنی میں غیر معمولی علم و فضل اور ذکاوت کا حامل ہونے کی وجہ سے سقراط جیسی مصیبت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اس نے جس وقت ”برہم سدھانت“ لکھی اس وقت وہ صرف تیس سال کا تھا۔ اگر ایسا ہے تو وہ قابل معافی ہے۔ اس لئے اس معاملے کو یہیں پر ختم کر دینا چاہئے۔ اس سے قبل المیرونی یہ کہہ چکا تھا کہ شاید برہم گیتا نے یہ نظریات اس لئے پیش کئے کہ وہ برہمن تھا اور برہمنوں کے بتائے ہوئے نظریات کی تائید کرنا چاہتا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ ان نظریات کے اظہار سے ان کے مبلغین کا مذاق اڑانا چاہتا ہو۔

## باب ۶۰

## پرو

## پروے کے معنی

جن وقفوں کے درمیان گرجہن کا واقع ہونا ممکن ہے اور ان کے درمیان جتنے مہینے ہوتے ہیں ان کا مدلل بیان مجسطی کے چھٹے مقالے میں درج ہے۔ ہندو اس مدت کو کہتے ہیں جس کی ابتدا یا اختتام پر چاند گرجہن ہوتا ہے۔

(اس موضوع پر ورہ میر کے اقوال اس کی سمیت سے نقل کئے ہیں۔ اسی کے ساتھ گرجہنوں کا دورہ ہر پرو کے حاکم اور احکامات ایک جدول میں پیش کئے ہیں، ورہ میر نے پرو کے جو احکام بیان کیے ہیں الہیرونی کے خیال میں وہ ورہ میر کے علم و فضل کے شایان شان نہیں ہیں۔ پرووں کو دریافت کرنے کے قاعدے، کھانڈ کھڈ ایک“ سے نقل کئے ہیں۔

## باب ۶۱

## وقت کی مختلف مقداروں کے مذہبی اور نجومی حاکم اور ان سے

## متعلقہ امور

## کن اوقات کے حاکم ہیں اور کن کے نہیں

زمانہ یا وقت خدائے خالق سے منسوب ہے اور اسی کی طرح ابدی ہے۔ نہ اس کی انتہا ہے اور نہ ابتدا۔ حقیقت میں یہ اس کی ابدیت ہے۔ یہ لوگ اکثر اسے ”روح“ یا پرش سے تعبیر کرتے ہیں لیکن عام وقت جس کا شمار حرکت سے ہوتا ہے اور اس کے اجزا کا اطلاق ان موجودات پر ہے جو خالق (خدا) کے علاوہ ہیں اور ان اشیاء پر جو روح کے علاوہ ہیں ہوتا ہے کلپ کا تعلق برہما سے ہے کیونکہ وہ برہما کا دن اور رات ہے اور اس کی عمر کا حساب اسی سے لگایا جاتا ہے۔

ہر منوتر کا ایک حاکم ہوتا ہے جسے منو کہتے ہیں۔ منو کے خاص اوصاف بیان کیے گئے ہیں جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے لیکن میں نے چتر یگوں کے حاکموں کے بارے میں کبھی کچھ نہیں سنا۔ (المیرونی نے سال اور مہینے کے حاکموں کو دریافت کرنے کا طریقہ ”کھائڈ کھڈ ایک“ سے نقل کیا ہے۔ یہ طریقہ تمام دوسرے طریقوں کے مقابلے میں زیادہ رائج ہے۔ اس کے علاوہ المیرونی نے کتاب ”دشنودھرم“ سے سیاروں کے حاکموں کی جدول بھی نقل کی ہے)۔

## باب ۶۲

### ساٹھ سال یعنی سموتسر جسے ششت یا بد کہتے ہیں

#### سموتسر اور ششت یا بد کی تشریح

لفظ سموتسر جس کے معنی ”سالوں“ ہیں اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد سالوں کے وہ دور لئے جاتے ہیں جن کی بنیاد (مشرقی اور سورج کی گردش پر ہے اور اس کی ابتدا مشتری کے تحت الشعاع سے نمودار ہونے کے وقت سے شمار کی جاتی ہے۔ اس کا دور ساٹھ سال میں مکمل ہوتا ہے اسی لئے اس کو ”ششت یا بد“ یا ساٹھ سال کہتے ہیں۔

بڑے بڑے یگ منزل دھشت کی ابتدا اور ماگھ مہینے کے آغاز میں مشتری کی تشریق کے وقت سے شروع ہوتے ہیں۔ ہر بڑے یگ کے اندر چھوٹے چھوٹے یگوں کا باقاعدہ سلسلہ ہے جو مختلف اقسام میں بٹے ہوئے ہیں۔ یہ چھوٹے یگ چند سالوں پر پھیلے ہوتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا الگ الگ حاکم ہوتا ہے۔ ان چھوٹے یگوں کی قسمیں ایک جدول میں درج ہیں۔

#### سموتسر سالوں کے نام

سموتسر کے ساٹھ سالوں میں سے ہر ایک سال کا اپنا الگ نام اور یگوں کے بھی الگ الگ نام ہیں جو ان کے حاکموں کے ناموں پر ہیں۔

جدول کو استعمال کرنے کا طریقہ وہی ہے جو اس سے قبل جدول کا ہے۔ یعنی ہر سال کا نام اس کے عدد کے نیچے درج ہے۔ ان ناموں کے معنی اور ہر سال کی خصوصیات اور اس کے احکام کی تشریح بیان کرنا طول کلام کا سبب ہوگا۔ یہ تفصیلات کتاب سمہت میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

جب میں نے ”سم و تسرا“ کے ان لغو ناموں میں تو مومن، درختوں اور پہاڑوں کے ناموں کو سنا تو

مجھے اپنے تجربوں پر شک ہوا کیونکہ بات کو کچھ کا کچھ بنادینا ان کے لئے ایک عام بات تھی۔ چنانچہ میں نے ہر نام کی نہایت احتیاط سے تحقیق کی اور دوسرے لوگوں سے ان کی ترتیب بدل کر پوچھا لیکن ہر جگہ سے مختلف جواب ہی ملا۔ واللہ اعلم۔

## باب ۶۳

وہ باتیں جو برہمنوں کے لئے مخصوص ہیں اور جن کا عمر بھر کرنا ان پر فرض ہے

برہمن کی زندگی کا پہلا دور

سات سال کی عمر کے بعد برہمن کی زندگی چار حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ پہلا حصہ آٹھویں سال سے شروع ہوتا ہے جب برہمن اس کے پاس آکر اسے اس کے فرائض سناتے ہیں اور ان کو تمام زندگی ادا کرتے رہنے کی تاکید کرتے ہیں۔ پھر وہ اس کی کمر میں ایک پنکا باندھتے اور گلے میں ایک ”یجن پوتیا“ پہناتے ہیں۔ ان یجن پوتیاؤں میں سے ایک مضبوط سوت کے نو تاروں سے بنی ہوئی اور ایک کپڑے سے بنی ہوئی ہوتی ہے۔ اسے وہ بائیں کندھے پر رکھ کر دائیں بغل کے نیچے لٹکا لیتا ہے۔ اس کے علاوہ اسے ایک چھڑی دی جاتی ہے اور ”در بھ“ گھاس سے بنی انگوٹھی دی جاتی ہے۔ یہ انگوٹھی اس کی دائیں چھنگلی میں پہنا دی جاتی ہے اور ”پوتر“ کہلاتی ہے اور اس کو دائیں ہاتھ کی چھنگلی میں پہنانے کی یہ غرض ہوتی ہے کہ اس ہاتھ سے وہ جو کچھ دے اس میں برکت ہو لیکن انگوٹھی پہنانا اتنا ضروری نہیں جتنا کہ ”یجن پوتیا“ کیونکہ ”یجن“ کو کسی صورت میں بھی اتار نہیں سکتا۔ اگر اس کو کھانا کھانے یا رفع حاجت کے لئے بھی اتارے تو یہ ایسا گناہ ہے جس کا کفارہ روزہ رکھ کر اور صدقہ دے کر ہی ادا کیا جاسکتا ہے۔

برہمن کی زندگی کا پہلا دور پچیسویں سال تک رہتا ہے اور وشنو پران کے مطابق اڑتالیسویں سال تک رہتا ہے۔ اس دور میں ترک لذات اس پر فرض ہے یعنی زمین پر سونے، دید اور اس کی تفسیر پڑھ اور شریعت کے احکام سیکھے اور رات دن اپنے استاد یا گرو کی خدمت کرتا رہے۔ ہر روز تین بار غسل کرے اور صبح اور شام آگ کی قربانی کرے۔ قربانی کے بعد استاد کو سجدہ کرے ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن کھائے لیکن گوشت کھانا اس کے لئے حرام ہے۔ استاد کے گھر رہے اور وہاں سے صرف پانچ گھر سے

بھیک مانگتے نکلے۔ جو کچھ بھیک میں ملے اسے پہلے استاد کے آگے رکھے تاکہ اس میں جو چیز اسے پسند آئے وہ لے لے اور باقی چیزیں استعمال کرنے کی اسے اجازت دے دے۔ وہ استاد کے پس خوردہ کو کھا کر گزران کرے، آگ کی قربانی کے لئے پلاس اور در بھ کی لکڑی لائے کیونکہ ہندو آگ کو مقدس سمجھتے ہیں اس پر پھولوں کی نذر چڑھاتے ہیں۔ تمام دوسری قوموں کا بھی یہی حال ہے۔ سب کا عقیدہ یہی تھا کہ قربانی اس وقت مقبول ہوتی ہے جب اس پر آگ نازل ہو جائے اور بتوں ستاروں، گایوں، گدھوں اور صورتوں کی پرستش بھی انہیں آگ کی پرستش سے باز نہ رکھ سکی عربی شاعر بشر ابن برد نے کہا ہے ”آگ جب سے وجود میں آئی ہے معبود ہی رہی ہے۔“

### برہمن کی زندگی کا دوسرا دور

برہمن کی زندگی کا دوسرا دور پچیس سال سے پچاس سال کی عمر تک اور شنو پران کے مطابق ستر سال کی عمر تک رہتا ہے۔ اس دور میں گرو اسے شادی کرنے کی اجازت دے دیتا ہے۔ چنانچہ وہ شادی کر کے گھر بساتا اور اولاد پیدا کرنے کی نیت کرتا ہے لیکن اسے مہینے میں صرف ایک بار بیوی کے پاس جانے کی اجازت ہے اور وہ بھی اس وقت جب وہ حیض سے پاک ہو چکی ہو۔ اسے ایسی عورت سے شادی کرنے کی اجازت نہیں جس کی عمر بارہ سال سے زیادہ ہو۔ اس کی گزر بسر کا ذریعہ برہمنوں اور چھتریوں کو پڑھانا ہے لیکن وہ ان سے اجرت نہیں لے سکتا صرف نذرانہ لے سکتا ہے۔ اس کی گزر بسر کا ذریعہ وہ نذرانے ہیں جو لوگ اسے قربانی کرانے کیلئے دیتے ہیں یا راجاؤں اور امیروں سے سوال کرنے پر حاصل ہونے والی رقومات یا تحائف ہیں لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اپنے سوال پر اصرار نہ کرے اور دینے والے اپنی خوشی سے جو چاہیں دے دیں۔ ان لوگوں کے گھروں میں مذہبی کاموں کو انجام دینے کے لئے ایک برہمن ہمیشہ رہتا ہے۔ یہ برہمن پروہت کہلاتا ہے۔ اس کے گزارے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ وہ زمین سے کچھ جن لے (اتاج وغیرہ) یا پیڑوں سے پھل وغیرہ توڑے اسے کپڑے اور سپاری کی تجارت کرنے کی اجازت ہے لیکن اچھا یہ ہے کہ وہ خود تجارت کا کام نہ کرے بلکہ کسی درویش کو یہ کام سپرد کر دے۔ شاید یہ اس وجہ سے ہے کہ تجارت میں دغا اور جھوٹ شامل رہتا ہے۔ پھر تجارت کی اجازت صرف اس صورت میں ہے جب اس کے پاس گزارے کی کوئی اور صورت نہ ہو۔ برہمنوں کے لئے راجا کو وہ ٹیکس یا محصول ادا کرنا لازم نہیں جو دوسرے لوگوں کے لئے لازم ہیں لیکن مولیشی مثلاً گھوڑے اور گائے رکھنا اور سود لیتا اس کے لئے جائز نہیں۔ نیلا رنگ اس کے لئے ناپاک ہے اور اگر اس کے بدن پر لگ جائے تو غسل کرنا واجب ہے۔ اس پر واجب ہے کہ وہ آگ کے سامنے ڈھول بجائے

اور مقررہ منتر پڑھے۔

### تیسرا دور

برہمن کی زندگی کا تیسرا دور پچاس سال سے پچھتر سال کی عمر تک اور وشنو پُر ان کے مطابق نوے سال کی عمر تک ہے۔ اس دور میں وہ خانہ داری کی زندگی کو ترک کر دیتا ہے اور اپنی بیوی اور گھریلو اپنے بچوں کے حوالے کر دیتا ہے۔ البتہ اگر اس کی بیوی اس کے ساتھ بیابان میں رہنا پسند کرے تو اسے اپنے سال لے جاسکتا ہے۔ وہ آبادی سے دور کسی صحرا میں اسی طرح زندگی گزارتا ہے جس طرح پہلے دور میں گزارتا تھا، وہ چھت کے نیچے نہیں رہتا اور کپڑے نہیں پہن سکتا۔ چوں وغیرہ سے ستر چھپا سکتا ہے۔ وہ زمین پر بغیر بستر کے سوتا ہے اور صرف پھل، ترکاریاں اور جڑیں کھاتا ہے، بال بڑھا لیتا ہے مگر ان میں تیل نہیں لگاتا۔

### چوتھا دور

برہمن پر ساری عمر تک کام کرنا، صدقہ دینا اور لینا لازم ہے۔ اس لئے کہ برہمن جو دیتے ہیں اس کا ثواب پتروں کو پہنچتا ہے۔ برہمن کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ ہمیشہ پڑھتا رہے، قربانیاں انجام دیتا رہے آگ کی نگرانی کرتا رہے، اس کو قربانیاں پیش کرے، اس کی پرستش کرے اور اس کو مجھے نہ دے تا کہ مرنے کے بعد اسی میں جلا یا جائے، اس کا نام ہوم ہے۔

ہر روز تین بار غسل کرے، طلوع کی سمدھی کے وقت، غروب کی سمدھی کے وقت اور ان دونوں وقتوں کے درمیان دوپہر میں۔ صبح کا غسل اس لئے واجب ہے کہ بدن کے مسامات ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔ اس غسل سے نیند کا اثر زائل ہو جاتا ہے اور اتفاقی ناپاکی دھل جاتی ہے اور وہ عبادت کے قابل ہو جاتا ہے۔ ان کی عبادت کا طریقہ یہ ہے کہ خدا کی تعریف بیان کرتے اور اسے قاعدے کے مطابق سجدہ کرتے ہیں۔

اس طرح کہ دونوں ہتھیلیاں جڑی رہتی ہیں اور ان کا رخ سورج کی طرف ہوتا ہے کیونکہ ان کا قبلہ سورج ہے چاہے اس کا رخ، جنوب کے علاوہ کسی بھی طرف ہو۔ ہندو ثواب کا کوئی کام جنوب کی طرف رخ کر کے نہیں کرتے۔ صرف برائی اور بدبختی کے کاموں میں جنوب کی طرف رخ کرتے ہیں۔

آفتاب کے ڈھلنے کا وقت ثواب حاصل کرنے کے لئے نہایت مناسب وقت ہے۔ اس لئے اس وقت برہمن کا پاک رہنا لازم ہے اور اسی لئے شام کا وقت رات کے کھانے اور عبادت کا وقت ہے۔ یہ دونوں کام بغیر غسل کے بھی کیے جاسکتے ہیں اسی لئے شام کے غسل (تیسرے غسل) کا حکم اتنا سخت نہیں

جتنا کہ پہلے اور دوسرے غسل کا ہے۔ گرہن کی صورت میں برہمن پر رات کا غسل بھی واجب ہے اور یہ اس لئے ہے تاکہ گرہن کی قربانیاں اور دوسری رسمیں ادا کرنے کے لئے وہ پاک ہو جائے۔

برہمن زندگی بھر صرف دو وقت کھاتا ہے، دوپہر کے وقت اور رات کے وقت۔ کھانا کھانے سے پہلے اسے ایک دو آدمیوں کی خوراک صدقے کے لئے نکالنا ہوتی ہے۔ خصوصاً ان برہمنوں کے لئے جو شام کے وقت بھیک مانگتے آتے ہیں، ان کا خیال نہ رکھنا گناہ عظیم ہے۔ پھر کھانے کا کچھ حصہ جانوروں، چڑیوں اور آگ کے لئے بھی نکالا جاتا ہے۔ جو کچھ بچتا ہے اسے خدا کا نام لے کر کھاتا ہے۔ اس میں سے بھی اگر کچھ بچ جائے تو اسے گھر سے باہر رکھ دیتا ہے اور اس کے پاس بھی نہیں پھٹکتا۔ وہ کھانا اس کے لئے جائز نہیں بلکہ یہ اس کا جہنم کا حق ہے جو اتنا فائدہ سے گزرے، خواہ انسان ہو، جانور ہو یا کتا اور چڑیا۔

برہمن کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے پانی کا برتن علیحدہ ہو۔ اگر کوئی دوسرا شخص اسے منہ لگا لے تو اسے توڑ دیا جاتا ہے۔ اس کے کھانے کے برتنوں کے لئے بھی یہی شرط ہے۔ میں نے ایسے برہمن دیکھے ہیں جو اپنے عزیزوں کے ساتھ ایک برتن میں کھانا جائز سمجھتے ہیں مگر ان کی اکثریت اسے پسند نہیں کرتی۔

برہمن کو چاہئے کہ وہ ایسی جگہ رہے جو اتر کی طرف دریاۓ سندھ اور دکن کی طرف دریاۓ ”چرمن دتی“ کے درمیان واقع ہو۔ ان دونوں حدود کو پار کر کے ترکوں یا کرناٹوں کی حدود میں جانا اس کے لئے منع ہے۔ مزید برآں اسے ایسے مقام پر رہنا چاہئے جو پوربی سمندر اور بچھی سمندر کے درمیان ہو۔ لوگ کہتے ہیں کہ برہمن کا ایسے ملک میں رہنا جائز نہیں جہاں وہ گھاس نہیں پیدا ہوتی جس سے چھنگلی میں پہننے والی انگوٹھی بنتی ہے اور جہاں سیاہ بالوں والے ہرن نہیں ہیں، جو ممالک ان حدود کے آگے ہیں برہمن کا ان میں جانا گناہ ہے۔

ایسی جگہوں پر جہاں کھانا کھانے کے لئے گھروں کی پوری زمین مٹی سے لپیٹی نہیں جاتی بلکہ صرف کھانے والوں کے آگے کی تھوڑی تھوڑی زمین پر پانی ڈال کر گوہر کا لپ کر دیا جاتا ہے، وہاں برہمن کے آگے کی لپی ہوئی زمین مربع کی شکل کی ہونی چاہئے۔ جہاں اس قسم کے دسترخوان استعمال ہوتے ہیں وہاں کے لوگ اس رواج کی توجیہ یہ پیش کرتے ہیں کہ کھانا کھانے کی جگہ کھانا گرنے کی وجہ سے گندی ہو جاتی ہے چنانچہ اسے دھویا جاتا ہے اور لپائی کر دی جاتی ہے لیکن چونکہ محض لپائی کی بنیاد پر اسے باقی گھر سے ممتاز نہیں رکھا جاسکتا اس لئے پچانے میں آسانی کے لئے ایسا کیا جاتا ہے۔

دھرم کی رو سے برہمن پر پانچ سبزیاں کھانا حرام ہیں، پیاز، لہسن، کدو، گاجر کی مانند پودے کی جڑ جو کرنن (?) کہلاتی ہے اور تالابوں (تالیوں) کے کنارے اگنے والی ایک قسم کی سبزی۔



## باب ۶۴

## دوسرے طبقے پر زندگی میں جن رسوم کی پابندی واجب ہے مختلف طبقات کے فرائض

چھتری وید کو پڑھ اور سیکھ سکتا ہے۔ آگ کی قربانی کر سکتا ہے اور ہڑانوں کے احکام پر عمل کر سکتا ہے وہ جب کھانا کھانے کی ایسی جگہ پر بیٹھے گا جہاں کھانا کھانے کے لئے زمین پر چوکے بنائے جاتے ہیں اور جن کا ذکر ہم ابھی کر چکے ہیں تو اس کے لئے جو چوکا بنایا جائے گا وہ ٹکونا ہوگا۔ اس کا کام لوگوں پر حکومت کرنا اور ان کا دفاع کرنا ہے اور وہ اسی کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ جب اس کی عمر بارہ سال کی ہو جائے تو اسے ایک یجن پوتیا تیس دھاگوں سے بٹا ہوا اور ایک موٹے دھاگے کا پہننا چاہئے۔

ویش کے فرائض میں کاشت کرنا، مویشی پالنا اور برہمنوں کی ضرورتیں پوری کرنا شامل ہے۔ اس کے لئے صرف دو دھاگوں کا ایک یجن پوتیا پہننا کافی ہے۔ شودر کی حیثیت برہمن کے غلام کی ہے۔ اس کو برہمن کے کاموں میں مصروف اور اس کی خدمت کرنا چاہئے۔ اگر افلاس کے باوجود وہ یجن پوتیا کے بغیر نہ رہنا چاہے تو موٹے کپڑے کی ایک پٹی پہن لے۔ ہر وہ کام جو برہمن کے لئے مخصوص ہے مثلاً پوجا کرنا، وید پڑھنا اور آگ کی قربانی دینا، وہ شودر اور ویش کے لئے اس درجہ منع ہے کہ اگر شودر یا ویش کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے وید پڑھا تو برہمن اسے اس الزام میں حاکم کے سامنے پیش کرے گا اور حاکم اس کی زبان کٹوا دے گا۔ البتہ خدا کا دھیان، نیک کام اور صدقہ دینا ممنوع نہیں ہے۔ جو شخص ایسا پیشہ کرے جو اس کے طبقے کے لئے جائز نہیں، مثلاً برہمن تجارت کرے یا شودر کھیتی کرے تو وہ گناہ کا مرتکب ہوگا اور اس گناہ کی حیثیت چوری سے کچھ ہی کم ہے۔

(الہیرونی نے یہاں ہندوؤں کی ایک روایت نقل کی ہے کہ رام کے زمانے میں لوگوں کی عمر بہت لمبی ہوتی تھی اور وہ بہت صحت مند ہوتے تھے اور کوئی بچہ اپنے باپ سے پہلے نہیں مرتا تھا۔ اتفاق سے ایک بار برہمن کا بیٹا باپ کے سامنے ہی فوت ہو گیا۔ برہمن اس کو راجا رام کے محل لے گیا اور آہ و زاری کرنے لگا۔ رام نے تحقیقات کا حکم دیا۔ ایک دن مخبروں نے اطلاع دی کہ گڑگا کے کنارے ایک چنڈال ریاضت کرتا ہے۔ راجا وہاں گئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک پیڑ سے الٹا لٹکا ہوا ہے۔ راجا نے کمان میں تیر جوڑ کر اس کے پیٹ میں مارا۔ تب وہ بولا ”میں انہیں اس لئے مارتا ہوں کہ مجھے اس کے بدلے

ایک نیکی ملتی ہے جبکہ تمہارے ساتھ ایسا معاملہ نہیں۔“ جب راجا محل میں واپس آئے تو انہوں نے برہمن کے مردہ بیٹے کو زندہ پایا)

مذہبی نقطہ نظر سے سب برابر ہیں

چنڈالوں کے علاوہ وہ سب لوگ جو ہندو نہیں ہیں، پیچھے یعنی ناپاک کہلاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو قتل کرتے، ذبح کرتے اور گائے کا گوشت کھاتے ہیں۔

یہ تمام چیزیں درجالت کی کمی بیشی اور ذات کی اونچ نیچ کا نتیجہ ہیں اور ایک طبقے نے دوسرے کو احمق سمجھ رکھا ہے۔ ورنہ سب برابر ہیں۔ واسودیو نے طالب نجات کے متعلق کہا ہے ”مقلند کے نزدیک برہمن اور چنڈال، دوست اور دشمن، وفادار اور دھوکے باز، یہاں تک کہ سانپ اور نیولا برابر ہیں لیکن جاہلوں کو وہ علیحدہ اور مختلف نظر آتے ہیں۔

## باب ۶۵

### قربانیاں

#### اسومیدھ

وید کا بڑا حصہ آگ کی قربانیوں اور ان کی اقسام اور احکام کے بیان پر مشتمل ہے۔ ان کی حیثیت اس درجہ مختلف ہے کہ ان میں سے بعض کو صرف بڑے بڑے راجا ہی انجام دے سکتے ہیں۔ ایسی ایک قربانی اسومیدھ ہے۔ یہ ایک ایسی گھوڑی کی قربانی ہے جسے آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے اور وہ بے روک ٹوک سارے ملک چرتی پھرتی ہے۔ اس کے پیچھے پیچھے سپاہی ہوتے ہیں جو اسے ہانکتے اور اعلان کرتے جاتے ہیں ”یہ گھوڑی دنیا کی بادشاہ ہے جو اس سے انکار کرے“ سانسے آئے“ برہمن اس کے پیچھے رہتے ہیں اور جہاں جہاں اوہ لید کرتی ہے وہاں آگ کی قربانی کرتے ہیں۔ جب وہ اس طرح ساری دنیا کا چکر لگا لیتی ہے تو اپنے مالک اور برہمنوں کا لقمہ بن جاتی ہے۔

قربانیوں میں ان کی مدت کے اعتبار سے فرق ہے اور ان میں بعض تو ایسی ہیں جنہیں انجام دینے کا موقع صرف اس شخص کو مل سکتا ہے جس نے بہت طویل عمر پائی ہو اور ایسے طویل عمر لوگ ہمارے زمانے میں ہوتے نہیں، اس لئے بہت سی قربانیاں اب متروک ہو گئی ہیں اور اب ان میں بہت کم قربانیاں رائج ہیں اور انجام دی جاتی ہیں۔

## آگ کی عام قربانیاں

ہندوؤں کے نزدیک آگ ہر چیز کو کھا جاتی ہے اس لئے اگر اس میں کوئی نجس چیز پڑ جاتے تو یہ بھی پانی کی طرح ناپاک ہو جاتی ہے۔ اس لئے وہ ایسی آگ اور پانی کو جو کسی غیر ہندو کے پاس ہیں استعمال کرنا جائز نہیں سمجھتے کہ اس کے لمس سے یہ دونوں چیزیں ناپاک ہو جاتی ہیں۔

آگ کو جو چیز کھائی جاتی ہے وہ دیوؤں کے پاس پہنچ جاتی ہے اس لئے کہ آگ ان کے منہ سے نکلتی ہے۔ برہمن آگ کو تیل اور اناج مثلاً گیہوں، جو اور چاول وغیرہ کھلاتے ہیں جب وہ خود اپنے لئے یہ قربانی کرتے ہیں تو آگ پر وید کے مقررہ منتر بھی پڑھتے جاتے ہیں اور جب وہ دوسروں کے لئے آگ کی قربانی انجام دیتے ہیں تو کچھ نہیں پڑھتے۔  
(اس کے بعد دشنودھرم سے آگ کے جذام میں مبتلا ہونے کا واقعہ نقل کیا ہے)۔

## باب ۶۶

## یاترا اور مقدس مقامات کی زیارت

### مقدس تالابوں کی تعمیر

ہندوؤں پر یاترا فرض نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت نفل اور ثواب کے کام کی ہے۔ یاترا کرنے والا کسی مقدس شہر کسی بڑے بت یا کسی مقدس دریا پر جاتا ہے۔ وہاں وہ پوجا کرتا ہے بت کی پوجا کرتا اور نذر چڑھاتا ہے۔ منتر اور دعا کہیں پڑھتا ہے بت رکھتا ہے برہمنوں اور پجاریوں وغیرہ کو صدقہ دیتا ہے اور سر اور واڑھی منڈا کر گھر واپس آ جاتا ہے۔

پاک اور واجب تنظیم تالاب میر کے گرد سرد پہاڑوں میں واقع ہیں۔ ہم ہندوؤں کا یہ عقیدہ بیان کر چکے ہیں کہ دو بیوں میں دریائے گنگا جیسے مقدس دریا ہیں۔ ہندو ہر اس مقام پر جس کی کوئی فضیلت مشہور ہے تالاب بناتے ہیں۔ یہ تالاب غسل کے لئے ہوتے ہیں۔ تالاب بنانا ان لوگوں کا خاص ہنر ہو گیا ہے اور جب ہماری قوم کے لوگ ان کو دیکھتے ہیں تو عیش عیش کرتے ہیں اور ایسے تالابوں کو بنانا تو درکنار ان کو بیان بھی نہیں کر سکتے۔ یہ لوگ ان تالابوں کو بڑے بڑے پتھروں سے جو مضبوط ٹوک دار میٹھوں سے جڑے رہتے ہیں کئی درجوں کا چوڑا نما بناتے ہیں۔ یہ دو بے یازینے تالاب کے چاروں طرف گولائی میں بنائے جاتے ہیں اور قد آدم سے زیادہ بلند ہوتے ہیں۔ پھر ان درجوں کے درمیان

برجی نمائندیاں ہوتی ہیں اس طرح گولائی میں بنے ہوئے زینے تالاب کے گرد آنے جانے کے لئے اور برجی نمائندیاں تالاب میں اترنے اور واپس آنے کا کام دیتی ہیں۔ یہ برجی نمائندیاں چونکہ متعدد ہوتی ہیں اس لئے کتنے ہی آدمی تالاب میں جائیں یا اوپر آئیں ان کا راستہ کبھی نہیں رکتا۔

### مقدس تالاب

ملتان میں ایک تالاب ہے جس میں نہانا عبادت ہے بشرطیکہ انہیں روکا نہ جائے (اس کے بعد وہ میر کی سمیت سے تھامیر کے ایک تالاب کا ذکر کیا ہے جسے بہت زیادہ مقدس مانا جاتا ہے)۔ کسی تالاب کی فضیلت اس وجہ سے مشہور ہوتی ہے کہ یا تو اس مقام پر کوئی اہم اور بڑا واقعہ پیش آیا ہے یا کتابوں اور روایات میں ان کے بارے میں کچھ لکھا ہے۔ ہم شیونگ کی باتوں کا ذکر کر چکے ہیں۔ دیوی زہرہ نے یہ باتیں برہما کے حوالے سے سوئک سے کہی تھیں۔ اس گفتگو میں راجا جابل اور اس کے ان افعال کا ذکر ہے جو تب تک کرتا رہے گا جب تک نارائن اس کو زمین کے سب سے نچلے طبقے میں دھنسا نہیں دیں گے۔

### مخلوق میں اختلاف مدارج

اس روایت میں ہے کہ ”ہم اس کے ساتھ ایسا اس لئے کریں گے کہ وہ انسانوں کے درمیان جو مساوات قائم کرنا چاہتا ہے وہ مٹ جائے اور ان کی حالت میں فرق باقی رہے اور اس طریقے سے دنیا میں انتظام قائم ہو اور لوگ اس کی عبادت چھوڑ کر میری عبادت کریں اور مجھ پر ایمان لائیں۔ متمدن لوگوں کے درمیان باہمی امداد و تعاون اسی وقت ہو سکتا ہے جب ان کی حالتوں میں فرق ہو اور اس وجہ سے ایک کو دوسرے کی ضرورت ہو۔ اسی طرح اللہ نے دنیا کی طبیعتیں اور ملکوں کی حالتیں جدا گانہ بنائی ہیں۔ کوئی ملک نہایت سرد ہے اور کوئی گرم، ایک کی مٹی اور آب و ہوا پاکیزہ ہے دوسری کی زمین ناقص اور پانی میلا اور بدبودار اور ہوا مضرت ہے اور اسی قسم کے دوسرے اختلافات بھی ہیں مثلاً کہیں خوش حالی اور سامان معیشت کی فراوانی کہیں کمی کہیں قدرتی آفات کا بار بار آتے رہنا اور کہیں مطلق نہ آنا اور انہیں حالات کے لحاظ سے لوگ شہر بسانے کے لئے جگہ کا انتخاب کرتے ہیں۔

”جو چیز انہیں ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے وہ ان کے مروجہ رسوم ہیں۔ لیکن مذہبی احکام رسوم و عادات سے زیادہ طاقتور ہوتے اور رسوم و عادات کے مقابلے میں انسانی طبائع کو زیادہ متاثر کرتے ہیں۔ رسوم و عادات کو دلائل پر پرکھتے اور اسی اعتبار سے انہیں اختیار کرتے یا چھوڑتے ہیں لیکن مذہبی احکام کو جوں کا توں رہنے دیا جاتا ہے، ان کی تحقیق نہیں کی جاتی اور زیادہ تر لوگ ان کو اعتقاد کی وجہ سے

اختیار کر لیتے ہیں اور اس کے بارے میں موشگافیاں نہیں کرتے۔ جس طرح بنجر ملک کے رہنے والے زمین کے بنجر ہونے کے بارے میں کوئی برائی نہیں کرتے کیونکہ وہ یہیں پیدا ہوئے یہی ان کا وطن ہے اور انہیں اپنے وطن سے محبت ہے اور اس کو چھوڑ کر جانا ان پر گراں ہوتا ہے۔ جب وطن کی محبت کا یہ حال ہے تو مذہب کی محبت کا کیا حال ہوگا۔ اس سے لوگوں کو اس قدر لگاؤ اور تعلق ہوتا ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔“

### بنارس

ہندوؤں میں بعض مقامات کو اس لئے مقدس مانا جاتا ہے کہ ان کا تعلق ان کے مذہب اور شریعت سے ہے جیسے بنارس (وارانسی) ہندو سادھوین کروہاں سکونت اختیار کر لیتے ہیں جس طرح کعبہ کے مجاورین مکہ میں۔ ان کی تمنا ہوتی ہے کہ ان کی موت بنارس میں ہو تاکہ مرنے کے بعد ان کی عاقبت اچھی ہو۔ ہندوؤں کا کہنا ہے کہ قاتل اپنے جرم کی سزا ہر جگہ پائے گا لیکن اگر وہ بنارس میں داخل ہو جائے تو اس کا گناہ بخش دیا جاتا ہے۔

ان مقدس مقامات میں سے ایک تھائیر ہے۔ اسے کروکشیتر یعنی کرو کا ملک بھی کہتے ہیں۔ کرو ایک نیک اور پاکہا زکسان تھا جس سے کرامات صادر ہوتی تھیں۔ اس لئے یہ سرزمین اس کی طرف منسوب ہو کر واجب التعظیم قرار پائی۔ پھر اسی جگہ بھارت کی لڑائی کے دوران واسودیونے اپنے کارنامے انجام دیئے اور بدکاروں کی ہلاکت ہوئی۔ اسی وجہ سے لوگ اس جگہ کی زیارت کرتے ہیں۔

متھرا بھی ہندوؤں کا مقدس مقام ہے جہاں برہمنوں کی کثرت ہے یہ اس لئے واجب التعظیم ہے کہ واسودیو کی پیدائش اور پرورش یہاں سے قریب نندکول نامی مقام پر ہوئی تھی۔

آج کل ہندو زیارت کے لئے کشمیر بھی جاتے ہیں جب تک ملتان کا بت خانہ بر باد نہیں ہوا تھا اس وقت یہ لوگ زیارت کے لئے ملتان جایا کرتے تھے۔

## باب ۶۷

## صدقات، نیز یہ کہ آمدنی کو کس طرح خرچ کرنا چاہئے

ہندوؤں پر روزانہ جتنا زیادہ سے زیادہ ممکن ہو صدقہ خیرات کرنا فرض ہے۔ مال پر سال گزرنے کا انتظار نہیں کیا جاتا کیونکہ اس طرح صدقہ کی ادائیگی ایک ایسے وقت پر ٹل جاتی ہے جس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا کہ وہ اس وقت تک زندہ رہے گا یا نہیں۔

کسی شخص کو جو آمدنی فصلوں یا مویشیوں سے ہوتی ہے اس میں سے ملک کے حاکم کو زمین یا چراگاہ کے مقررہ محصول کی ادائیگی سب پر مقدم ہے۔ اس کے بعد آمدنی کا چھٹا حصہ حاکم کو اس حفاظت کے عوض ادا کرنا ہوتا ہے جس کا انتظام اس کے جان و مال کے لئے حکومت کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ عام لوگوں پر بھی یہ حفاظتی محصول اسی طرح عاید ہے لیکن یہ لوگ اپنی آمدنی اور مال و اسباب کے بارے میں جھوٹے بیانات دے کر مقررہ محصول ادا کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ یہ محصول تجارت پر بھی ہے لیکن براہمن تمام محصولوں سے مستثنیٰ ہیں۔ ان محصولوں کی ادائیگی کے بعد آمدنی میں سے جو باقی بچتا ہے اس کے مصرف کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کی رائے میں اس کا نوواں حصہ صدقہ کر دینا چاہئے۔ وہ کہتے ہیں کہ آمدنی کی اس رقم کو تین حصوں میں بانٹا جائے۔ ایک تہائی آئندہ کے لئے جمع رکھا جائے تاکہ دل کو اطمینان رہے۔ دوسری تہائی کو تجارت میں لگا دیا جائے تاکہ نفع سے مال میں اضافہ ہوتا رہے اور باقی ماندہ تہائی مال کا ایک تہائی (کل کا نوواں حصہ) صدقہ کر دیا جائے اور دو تہائی گھر میں خرچ کرنا چاہئے۔

بعض اس آمدنی کے چار حصے کرتے ہیں۔ ایک چوتھائی گھر کے خرچ کے لئے، ایک چوتھائی کار خیر کے لئے، ایک چوتھائی صدقے کے لئے اور ایک چوتھائی آئندہ کے لئے محفوظ رکھا جائے لیکن شرط یہ ہے کہ یہ جمع شدہ مال تین سال کے خرچ سے زیادہ نہ ہو۔ اگر جمع شدہ رقم اس سے زیادہ ہو تو فاضل رقم صدقہ کر دی جائے۔

سود لینا حرام ہے اور اس ذریعے سے اصل مال میں جتنا اضافہ ہوگا اسی قدر زیادہ گناہ ہوگا۔ صرف شودروں کو سود لینے کی اجازت ہے بشرطیکہ نفع اصل کے پچاسویں حصے سے زیادہ (یعنی دوروپہ سیکڑہ) نہ ہونے پائے۔

## باب ۶۸

## کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں

ہندوؤں پر کسی کو جان سے مارنا اسی طرح حرام تھا جس طرح عیسائیوں اور مانویوں پر حرام ہے۔ لیکن چونکہ لوگوں کو گوشت کی طرف رغبت ہے اس لئے وہ اس کی حرمت کے ہر حکم کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے یہ حکم اب برہمنوں کے لئے مخصوص ہو گیا ہے اس لئے کہ وہ دین کے محافظ ہیں اور دین انہیں نفسانی خواہشات کو پورا کرنے سے روکتا ہے۔

## حلال اور حرام جانوروں کی فہرست

اس صورت میں بعض جانوروں کو گلا گھونٹ کر مارنے کی اجازت دے دی گئی۔ لیکن ان کے علاوہ دوسرے جانوروں کو کھانے کے لئے مارا نہیں جاسکتا۔ جو جانور حلال ہیں ان میں اگر کوئی خود اپنی موت سے مر جائے تو اس مرے ہوئے جانور کا گوشت حرام ہے۔ جن جانوروں کا مارنا جائز ہے ان میں بھیڑ، بکری، ہرن، خرگوش، گینڈا، بھینس، مچھلی اور پانی کے پرندے شامل ہیں۔ خشکی کے پرندوں میں گوریا، فاختہ، تیتڑ، کبوتر، مور اور تمام وہ پرندے جن سے کراہت نہ ہو حلال ہیں۔

جن جانوروں کا کھانا حرام ہے وہ گائے، گھوڑا، خنجر، گدھا، اونٹ، ہاتھی، پالی ہوئی مرغی، کوا، توتا، کونسل ہیں۔ انڈے اور شراب بھی مطلق حرام ہے لیکن شراب پینا شور کے لئے جائز ہے جبکہ اس کا بیچنا اس کے لئے اسی طرح حرام ہے جس طرح کہ گوشت بیچنا۔

## گائے کا گوشت کیوں حرام کیا گیا؟

بعض ہندوؤں کا خیال ہے کہ ”بھارت“ (نام) کے اقتدار سے پہلے گائے حلال تھی اور بعض قربانیوں میں گائے ماری جاتی تھی لیکن بھارت کے بعد جب لوگ کمزوری کی وجہ سے فرائض ادا کرنے کے قابل نہیں رہے تو گائے حرام کر دی گئی۔ اسی طرح وید جو پہلے ایک تھا، چار حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تاکہ لوگوں کے لئے اس کا پڑھنا آسان ہو جائے لیکن یہ بات خلاف عقل معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ گائے کو حرام کرنے سے آسانی اور وسعت نہیں پیدا ہوئی بلکہ پڑانے قانون کے مقابلے میں یہ شدت اور سختی پیدا کرنے کا سبب ہوا ہے۔

بعض ہندوؤں نے مجھے یہ بتایا کہ برہمنوں کو گائے کا گوشت کھانے سے تکلیف ہوتی ہے کیونکہ ان کا علاقہ گرم ہے اور وہاں اندرونی بدن ٹھنڈا رہتا ہے۔ حرارت غریزی کمزور اور قوت ہاضمہ اتنی کم ہو جاتی ہے کہ یہ لوگ اس کو طاقت پہنچانے کے لئے کھانے کے بعد پان اور سپاری چباتے ہیں۔ پان اپنی تیزی سے بدن کی حرارت کو بھڑکاتا ہے، چونکہ طوبت کو مارتا ہے اور سپاری دانتوں، مسوڑوں اور معدے کو مضبوط کرتی ہے۔ اس وجہ سے گائے کا گوشت جو ثقیل اور سرد ہوتا ہے حرام کر دیا گیا۔

اس معاملے میں دثوق سے کچھ کہہ سکتا اور نہ کوئی رائے دے سکتا ہوں۔

(یہاں سے کتاب کی عبارت مٹھی ہوئی ہے)

جہاں تک گائے کی حرمت کی معاشی مصلحت کا تعلق ہے ہم کو یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ گائے ایک ایسا جانور ہے جو سفر میں بار برداری کے کام آتا ہے اور کاشتکاری میں جوتے اور ختم ریزی کے کام آتا ہے اور گھر کے لئے دودھ اور جو چیزیں دودھ سے بنتی ہیں انہیں مہیا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کا گوشت بھی استعمال ہوتا ہے اور جاڑوں میں اس کے سانس سے بھی فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اسی لئے اسے حرام قرار دے دیا گیا۔ جس طرح حجاج نے اس وقت کیا تھا جب لوگوں نے اس سے یہ شکایت کی تھی کہ بائبل غیر آباد ہوتا جا رہا ہے۔

## باب ۶۹

### شادی، حیض، جنین اور نفاس

#### ازدواج کی ضرورت

کوئی قوم ازدواج کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اس سے شہوانیت، جس کو ہر مہذب ذہن برا سمجھتا ہے بے لگام ہونے سے رک جاتی ہے اور ان وجوہات کا انسداد ہو جاتا ہے جو حیوانات کو ایسا مشتعل کر دیتے ہیں جن سے ان کو نقصان پہنچتا ہے۔ اگر آپ ان جانوروں پر غور کریں جو جوڑے کی شکل میں رہتے ہیں اور دیکھیں کہ اس جوڑے کا ہر فرد کس طرح دوسرے کی مدد کرتا ہے اور جوڑا بن کر رہنے کی وجہ سے یہ کس طرح دوسرے جانوروں کی شہوت سے محفوظ رہتے ہیں تو آپ بلا تامل یہ کہہ سکیں گے کہ ازدواج ایک ضروری ادارہ ہے اور زنا ایک ایسا شرمناک عمل ہے جو انسان کو جانوروں کی سطح سے بھی نیچے گرا دیتا ہے حالانکہ حیوانات کا درجہ انسان سے بہت نیچے ہے۔



## شادی کا قانون

ہر قوم میں اور خاص طور پر اس قوم میں جو الٰہی شریعت اور احکام کی پابندی کی دعوے دار ہے شادی کا دستور مقرر ہے۔

ہندوؤں کے یہاں بیاہ بہت کم عمری میں ہو جاتا ہے اور والدین رشتہ طے کرتے ہیں۔ بیاہ کی تقریب میں برہمن قربانی کی رسمیں ادا کرتے ہیں اور برہمنوں اور دوسرے لوگوں کو خیرات تقسیم کی جاتی ہے۔ شادی کے موقع پر خوشی کے شادیانے بجائے جاتے ہیں۔ زوجین کے درمیان مہر کا کوئی ذکر نہیں آتا۔ مرد اپنی مرضی سے عورت کو کوئی تحفہ دیتا ہے اور جو کچھ دیتا ہوتا ہے اسی وقت دے دیا جاتا ہے اور واپس نہیں لیا جاسکتا البتہ اگر عورت چاہے تو اپنی خوشی سے واپس دے سکتی ہے۔ شوہر اور بیوی کے درمیان صرف موت ہی تفریق کر سکتی ہے اس لئے کہ ان میں طلاق نہیں ہے۔ مرد کو ایک سے زیادہ چار بیویاں تک رکھنے کا حق ہے لیکن چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت نہیں ہے لیکن اگر چار میں سے کوئی بیوی مر جائے تو ایک شادی اور کر سکتا ہے تاکہ چار کی تعداد پوری ہو جائے لیکن اس سے زیادہ کی قطعی اجازت نہیں ہے۔

بیوہ

اگر کسی عورت کا شوہر مر جائے تو وہ دوسرا بیاہ نہیں کر سکتی۔ اسے دو صورتوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوتا ہے یا تو زندگی بھر بیوہ رہے یا خود سوزی کر لے اور خود سوزی یعنی جی ہو جانے کو بہتر تصور کیا جاتا ہے۔ راجاؤں کی بیویوں کو جلا دیا جاتا ہے وہ جلنا چاہیں یا نہ چاہیں۔ یہ اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کر سکیں جس سے ان کے نامور شوہر کے نام کو بے لگے۔ صرف عمر رسیدہ عورتیں اور وہ عورتیں جن کے بچے ہیں اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کی حفاظت کی ذمہ داری ان کے بیٹوں پر چھوڑ دی جاتی ہے۔

بیاہ کرنا کس سے جائز اور کس سے حرام ہے

ہندوؤں کے شادی کے قانون کے مطابق غیر کفو میں شادی کرنے کو ترجیح دی جاتی ہے۔ جو لوگ قرابت میں جتنے دور ہوں گے اتنے ہی پسندیدہ ہوں گے۔ سلسلہ نسب سے براہ راست تعلق رکھنے والی عورتوں سے شادی کرنا حرام ہے جیسے پوتی اور پڑپوتی اور اسی طرح ماں، دادی اور پردادی ان کے علاوہ بہن بھتیجی، پھوپھی، خالہ اور ان کی بیٹیوں سے شادی کرنا حرام ہے۔ البتہ اگر فریقین میں پانچ نسلوں کی دوری ہو تو ان کی شادی جائز تو ہے لیکن پسندیدہ نہیں۔

## بیویوں کی تعداد

بعض لوگوں کے خیال میں مختلف طبقات کے لیے بیویوں کی تعداد مختلف ہے یعنی برہمن چار بیویاں رکھ سکتا ہے، چھتری تین، ویش دو اور شودر صرف ایک بیوی رکھ سکتا ہے۔ شادی صرف اپنے طبقے یا اپنے سے نیچے کے طبقے کی عورت سے کی جاسکتی ہے لیکن اپنے سے اونچے طبقے کی عورت سے شادی کرنا حرام ہے۔

## اولاد کا نسب

اولاد ماں کی طرف منسوب ہوگی یعنی جو ماں کی ذات ہے وہی اولاد کی ذات ہوگی مثلاً اگر برہمن کی بیوی بھی برہمن ہے تو اولاد بھی برہمن ہوگی لیکن اگر بیوی شودر ہے تو اولاد بھی شودر ہوگی۔ ہمارے زمانے میں برہمن اپنی ہی ذات کی عورت سے شادی کرتے ہیں اگر چنان کے لئے غیر ذات میں شادی کرنا جائز ہے۔

## حیض کی مدت

مشاہدہ کے مطابق حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت سولہ دن ہے لیکن تحقیق کے اعتبار سے یہ صرف پہلے چار دن جاری رہتا ہے۔ حیض کی حالت میں شوہر بیوی کے ساتھ صحبت نہیں کر سکتا بلکہ اس کے قریب جانے کی بھی اجازت نہیں کیونکہ حیض کی حالت میں عورت ناپاک ہوتی ہیں۔ چار دن گزر جانے کے بعد وہ غسل کر کے پاک ہو جاتی ہے چاہے خون آنا بند نہ ہو اور اس سے صحبت کرنا جائز ہو جاتا ہے اس لئے کہ یہ حیض کا نہیں بلکہ جین کا مادہ ہے۔

## قیام حمل اور ولادت

برہمن جب بچہ پیدا کرنے کی خاطر بیوی سے صحبت کرنا چاہتا ہے تو اسے گربھ دھن نامی آگ کی قربانی دینا واجب ہوتا ہے۔ چونکہ اس قربانی میں عورت کا موجود ہونا ضروری ہوتا ہے اور یہ حیا کے منافی ہے اس لئے یہ قربانی نہیں دی جاتی اور اسے آگے بڑھا کر دوسری قربانی کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے جو حمل کے چوتھے مہینے میں واجب ہوتی ہے اس قربانی کا نام ”سم تو نانیم“ ہے۔ جب بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو ایک قربانی اس کا دودھ شروع ہونے سے پہلے کی جاتی ہے۔ اس قربانی کو ”جات کرمن“ کہتے ہیں۔

بچے کا نام نفاس کی مدت ختم ہونے پر رکھا جاتا ہے۔ اس موقع پر جو قربانی دی جاتی ہے اس کا نام ”نا کرمن“ ہے۔ جب تک عورت نفاس کی حالت میں رہتی ہے کسی برتن کو ہاتھ نہیں لگاتی، نہ اس کے گھر میں کوئی چیز کھائی جاتی ہے اور نہ برہمن وہاں آگ جلاتا ہے۔ یہ مدت برہمن کے لئے آٹھ دن چھتری کے لئے بارہ دن، ویش کے لئے پندرہ دن اور شودر کے لئے تیس دن ہے، ایسے بیچ ذات لوگوں

کے لئے جو کسی ذات میں شمار نہیں ہوتے کوئی مدت مقرر نہیں ہے۔

دودھ پلانے کی زیادہ سے زیادہ مدت تین سال ہے لیکن اس معاملے میں کوئی سختی نہیں ہے۔ بچے کا مونٹن تیسرے سال ہوتا ہے اور کان چھیدن ساتویں یا آٹھویں برس۔ مونٹن کے وقت بھی قربانی دی جاتی ہے۔

## زنا کاری کی وجوہات

لوگ سمجھتے ہیں کہ ہندوؤں کے نزدیک زنا کاری جائز ہے۔ جب مسلمانوں نے کابل کو فتح کیا تو وہاں کے اسپہد نے اسلام قبول کیا تو اس نے یہ شرط لگائی کہ اسے گائے کا گوشت کھانے اور اگلام بازی کرنے پر مجبور نہ کیا جائے (اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اگلام بازی اور زنا دونوں کو یکساں قابل نفرتین نقطہ سمجھتا تھا) حقیقت حال وہ نہیں جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں بلکہ قصہ یہ ہے کہ یہ لوگ زنا کی سزا میں سختی نہیں کرتے اور یہ تصور ان کے راجاؤں کا ہے نہ کہ عوام کا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی برہمن تاپنے اور گانے والی عورتوں کا وجود مندروں میں برداشت نہ کرتا۔ لیکن راجاؤں نے ان عورتوں کو اپنے شہروں کی آرائش کا اور اپنی رعایا کے لئے لطف و نشاط اور عیش کا ذریعہ بنا دیا ہے اور اس کی غرض مالی منفعت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ فحشہ خانوں سے جو رقم محصول اور جرمانوں کے طور پر وصول ہوتی ہے اس کے ذریعے خزانے کی وہ رقم پوری کر دی جاتی ہے جو فوج کے مصارف کے لئے نکالی جاتی ہے۔

اسی قسم کی حرکت عضد الدولہ نے بھی کی تھی لیکن اس کی اس کے علاوہ ایک غرض اور بھی تھی اور وہ تھی فوج کے غیر شاوی شدہ سپاہیوں کی شہوت سے اپنی رعایا کو محفوظ رکھنا۔

## باب ۷۰

## مقدمے

منصف یا جج، مدعی سے ملزم (مدعا علیہ) کے خلاف تحریری دعویٰ طلب کرتا ہے جسے ایسے رسم الخط میں تحریر کرنا چاہئے جو عدالتوں کے لئے مناسب ہو۔ مدعی کو اپنے دعویٰ کی دلیل بھی اپنے عرضی دعوے میں لکھ دینی چاہئے۔ اگر تحریری دعویٰ دائر نہیں کیا گیا ہے تو گواہی لے کر مقدمے کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ گواہوں کی تعداد چار سے کم نہ ہونی چاہئے البتہ چار سے زیادہ ہو سکتی ہے۔ جب گواہ کی راست بازی ثابت ہو جاتی ہے تب ہی اس کی شہادت مانی جاتی ہے اور صرف اسی ایک گواہ کی شہادت پر مقدمہ کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔

خفیہ تحقیقات اور ظاہری علامات سے واقعہ کی تہہ تک پہنچنے کے علاوہ قیاس اور نظائر سے بھی کام لیا جاتا ہے اور حقیقت حال معلوم کرنے کی ہر تدبیر اختیار کی جاتی ہے جیسا کہ ایاس ابن معاویہ کیا کرتا تھا۔ اگر مدعی اپنے دعوے کو ثابت نہ کر سکے تو مدعا علیہ سے حلف لیا جاتا ہے لیکن قاضی یہ بھی کرتا ہے کہ مدعی سے حلف لینے کو کہتا ہے اور اسے حکم دیتا ہے ”حلف اٹھا کر کہہ کہ تیرا دعویٰ سچا ہے تاکہ میں مقدمے کا فیصلہ تیرے حق میں کر دوں۔“

## حلف کی مختلف صورتیں

دعوے کی قیمت یا مقدار کے لحاظ سے حلف کی متعدد قسمیں ہیں۔ اگر معمولی چیز کا دعویٰ ہو اور مدعی اس بات پر رضامند ہو کہ ملزم سے حلف لیا جائے تو ملزم پانچ برہمنوں کی موجودگی میں قسم کھا کر کہتا ہے ”اگر میں جھوٹ بولوں تو میرے نیک کاموں کا اتنا ثواب جو دعویٰ کی مقدار کا آٹھ گنا ہو مدعی کو دے دیا جائے۔“ (اس کے بعد حلف کی مختلف قسمیں بیان کی ہیں، حلف لینے کے جو طریقے بیان کئے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

- ۱۔ مدعا علیہ / ملزم کو زہر پینے کو کہا جاتا ہے
  - ۲۔ اس کو دریا میں پھینک دیا جاتا ہے
  - ۳۔ سرخ گرم لوہا ہاتھ میں تھامنے کو کہا جاتا ہے
- اگر وہ بے گناہ ہے تو ان میں سے کوئی بھی چیز اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاتی۔)

## باب ۱۷

## سزائیں اور کفارے

اس معاملے میں ہندوؤں کا حال عیسائیوں جیسا ہے کیونکہ ان کی بنیادینیکی کرنے اور بدی سے بچنے کے اصولوں پر ہے مثلاً کسی حال میں بھی قتل کا ارتکاب نہ کرنا، اگر کوئی تمہارا کوٹ اتار لے تو قمیض بھی اس کو دے دو، اگر کوئی تمہارے ایک رخسار پر طمانچہ مارے تو دوسرا رخسار بھی اس کے سامنے کر دو، اپنے دشمن کے لئے دعائے خیر کرو۔ میں اپنی جان کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ یہ اعلیٰ درجے کا فلسفہ حیات ہے لیکن دنیا کے سارے لوگ فلسفی نہیں ہوتے۔ ان میں زیادہ تر جاہل اور غلط کار ہیں اور انہیں صرف تلوار اور کوڑے کے ذریعے سیدھے راستے پر رکھا جاسکتا ہے۔

ابتدا میں ہندو قوم پر برہمن حکومت کرتے تھے

یہی حال ہندوؤں کا بھی ہے۔ ہندوؤں کا کہنا ہے کہ ماضی میں ملک کا انتظام اور جنگ کا کام برہمنوں کے ہاتھوں میں تھا۔ لیکن اس سے ملک میں ابتری اور بد نظمی پھیل گئی، اس لئے کہ وہ لوگ ریاست مذہبی کتابوں میں بتائے گئے فلسفیانہ اصولوں کے مطابق چلاتے تھے لیکن سماج کے مفسد اور شرانگیز لوگوں کی مخالفت کی وجہ سے ان پر عمل کرنا اور کرانا ناممکن ہو گیا اور حالت یہاں تک خراب ہو گئی کہ انہیں دین کا کام چلانا بھی دشوار ہو گیا اور مجبور ہو کر انہیں خدا کے سامنے منت و زاری کرنی پڑی۔ اس پر برہمن نے انہیں صرف دینی امور کی انجام دہی کے لئے مخصوص کر دیا اور جس پر وہ اب بھی مامور ہیں اور ریاست کا انتظام اور جنگ کے امور چھتریوں کے سپرد کر دیئے اور اس وقت سے برہمن سوال کر کے اور بھیک مانگ کے اپنا گزارہ کرتے ہیں اور جرائم کی سزا غلام کی طرف سے بلکہ بادشاہوں کی طرف سے دی جانے لگی۔

## قتل کا قانون

قتل کے متعلق ان کے ہاں یہ قانون ہے۔ اگر قاتل برہمن ہے اور مقتول کسی دوسری ذات کا، تو برہمن کو اس جرم کی سزا نہیں دی جاتی، اسے صرف اس کا کفارہ ادا کرنا ہوتا ہے اور وہ برت، پوجا پاٹ اور صدقہ و خیرات سے ادا ہوتا ہے۔

اگر متقول بھی برہمن ہو تو اس سے آخرت میں مواخذہ کیا جائے گا اور دنیا میں کفارہ ادا کرنے کی اجازت نہ ہوگی کیونکہ کفارہ گناہ کو دھو ڈالتا ہے۔ لیکن برہمن کے کبیرہ گناہوں کو کوئی چیز نہیں دھو سکتی اور سب سے بڑا گناہ برہمن کے قتل کا ہے جسے ’وہجر برہما ہتیا‘ کہا جاتا ہے۔ دوسرے کبیرہ گناہوں میں گائے کو ذبح کرنا، شراب پینا، زنا کرنا خصوصاً اپنے باپ اور استاد کی بیوی سے لیکن حکام برہمن یا چھتری کو ان میں سے کسی جرم کے لئے سزائے موت نہیں دیتے بلکہ اس کا مال و اسباب ضبط کر کے اپنے ملک سے نکال دیتے ہیں۔

اگر برہمن اور چھتری کے علاوہ کسی اور ذات کا کوئی شخص اپنی ذات والے کسی شخص کو قتل کر دے تو اس کے لئے وہ کفارہ ادا کر سکتا ہے لیکن کفارے کے باوجود بادشاہ دوسروں کی عبرت کے لئے اسے سزا بھی دیتے ہیں۔

### چوری کا قانون

چوری کے جرم کی سزا کا قانون یہ ہے کہ سزا مال مسروقہ کی قیمت کے مطابق دی جاتی ہے۔ اس اعتبار سے کبھی چوری کی سزا سخت ہوتی ہے کبھی اوسط اور کبھی ہلکی۔ کبھی صرف جرمانہ عائد کیا جاتا ہے۔ کبھی صرف یہ کافی سمجھا جاتا ہے کہ اسے سب کے سامنے گشت کر دیا جائے تاکہ اسے خفت اور شرمندگی ہو۔ اگر مال مسروقہ بیش قیمت ہو تو حکام برہمن کی آنکھیں نکلوا لیتے اور اس کا پایاں ہاتھ اور داہنی ٹانگ کٹوا دیتے ہیں۔ چھتری کے صرف ہاتھ پاؤں کاٹے جاتے ہیں اسے اندھا نہیں کیا جاتا۔ ان دونوں کے علاوہ دوسری ذاتوں کے سارقوں کو قتل کر دیا جاتا ہے۔

زانیہ کی سزایہ ہے کہ اسے اپنے شوہر کے گھر سے نکال کر ملک بدر کر دیا جاتا ہے۔

ہندو جنگی قیدیوں سے ملک واپس آنے کے بعد کیسا سلوک کیا جاتا ہے؟

مجھے معلوم ہوا تھا کہ جو ہندو غلام (اسلامی ملکوں سے) بھاگ کر اپنے وطن اور دین میں واپس آتا ہے تو ہندو کفارے کے لئے اس پر برت لازم کرتے ہیں اور اسے گائے کے گوبر، پیشاب اور دودھ میں گاڑ دیتے ہیں۔ جب ان میں خمیر اٹھ آتا ہے تو اسے نکال لیتے ہیں اور اسے یہی چیزیں کھلاتے ہیں۔

ایسی ہی دوسری باتیں بھی ہم نے سنی تھیں لیکن جب ان کے بارے میں ہم نے برہمنوں سے پوچھا تو انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ نہ اس کے لئے کوئی کفارہ ہے اور نہ اس کی غلام بنائے جانے سے پہلے کی حالت پر واپس آنے کی اجازت ہے اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے اس لئے کہ اگر برہمن بھی چند روز کسی شہور کے گھر میں کھانا کھا لیتا ہے تو ذات باہر ہو جاتا ہے اور دوبارہ اس میں واپس نہیں آ سکتا۔

## باب ۷۲

## میراث اور اس میں میت کا حق

## قانون وراثت

ہندوؤں کے قانون وراثت کی خاص بات یہ ہے کہ بیٹی کے علاوہ دوسری عورتیں وراثت کے حق سے محروم کر دی گئی ہیں۔ منو کی کتاب میں مرقوم ہے کہ بیٹی کا حصہ بیٹے کے حصے کا ایک چوتھائی ہے۔ اگر وہ ناکتھا ہے تو بیاہ کے وقت تک اس پر جو خرچ ہوگا اسی حصے سے کیا جائے گا اور اس کے بیان کے مصارف بھی اسی سے ادا کئے جائیں گے۔ بیاہ کے بعد اس پر باپ کے گھر سے مزید کچھ خرچ نہیں کیا جائے گا۔

اگر بیوہ سستی نہیں ہوتی (یعنی شوہر کے مرنے کے بعد جلائی نہیں جاتی) اور زندہ رہتی ہے تو جب تک وہ زندہ رہے اس کا کھانا اور کپڑا اس کے مرحوم شوہر کے وارث کے ذمے ہوگا۔

میت کا قرض ادا کرنا وارث کے ذمے ہے خواہ وراثت میں ملنے والے مال سے کرے خواہ اپنے ذاتی مال سے چاہے مرنے والے نے کچھ ترکہ چھوڑا ہو یا نہ چھوڑا ہو۔ اسی طرح اس مرنے والے کی بیوہ کا خرچ بھی ہر حال میں برداشت کرنا ہے۔ جہاں تک مرد وارثوں کا معاملہ ہے تو اس کا اصول یہ ہے کہ مرنے والے کے نیچے کے لوگوں یعنی بیٹیوں اور پوتوں کا حق اوپر والوں یعنی باپ دادا سے زیادہ ہے۔ ترکہ کا حق زیادہ یا کم ہونا میت سے رشتے کے قرب و بعد پر بھی منحصر ہے یعنی جو لوگ رشتے میں مرنے والے سے زیادہ قریب ہیں ان کا حق دور کے رشتے والوں سے زیادہ ہے۔ اس اعتبار سے بھی بیٹے کو پوتے پر اور باپ کو دادا پر فوقیت حاصل ہے۔ ایسے عزیز جو براہ راست سلسلے سے الگ ہیں مثلاً رشتے کے بھائی وغیرہ ان کا حق میراث پر کم ہے اور وہ صرف اس وقت وارث ہوتے ہیں جب کوئی ان سے زیادہ حق دار موجود نہیں ہوتا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ بیٹی کا بیٹا بہن کے بیٹے سے اور بھائی کا بیٹا ان دونوں سے زیادہ حقدار ہے۔

جب کئی حق دار ایک ہی پائے یا مرتبے کے ہوں جیسے بیٹا یا بھائی تو اس صورت میں سب کو برابر حصہ دیا جائے گا۔ ہندوؤں میں بیچوے کو مرد تصور کیا جاتا ہے۔

اگر مرنے والے کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کا ترکہ سرکاری خزانہ میں داخل کر دیا جاتا ہے لیکن اگر کوئی برہمن لاوارث مر جائے تو اس کا ترکہ سرکاری خزانے میں داخل نہ ہوگا کیونکہ برہمن کے مال پر حکومت کا کوئی حق نہیں ہے اور اس مترد کہ مال کو خیرات کر دیا جاتا ہے۔

### وارث پر میت کے حقوق

مرنے والے کے وارث پر جو فرض مرنے والے کے سلسلے میں عائد ہوتے ہیں ان میں پہلے سال کے دوران سولہ ضیافتیں کرنا شامل ہیں۔ ان ضیافتوں میں مہمانوں کے کھانا کھلانے کے ساتھ صدقہ بھی دیا جاتا ہے۔ یہ ضیافتیں موت کے گیارہویں اور پندرہویں دن اور اس کے بعد ہر مہینے میں ایک پار دی جاتی ہیں اور یہ سلسلہ سال بھر تک جاری رہتا ہے۔ چھ مہینے کی ضیافت زیادہ بڑے پیمانے پر کی جاتی ہے اور اس میں کھانا بھی اعلیٰ درجے کا کھلایا جاتا ہے۔ پھر ایک کھانا سال ختم ہونے سے ایک دن پہلے باپ دادا کے نام پر دیا جاتا ہے اور آخری کھانا سال کے آخری دن دیا جاتا ہے۔ سال ختم ہونے پر میت کے حقوق ادا ہو جاتے ہیں۔

اگر میت کا وارث اس کا بیٹا ہے تو اس پر تمام سال سوگ منانا اور جماع سے باز رہنا لازم ہے بشرطیکہ وہ مرنے والے کی جائز اولاد ہو اور خالص نسل کا ہو۔ یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ سوگ کے سال کی ابتداء میں وارثوں پر ایک دن کے لئے کھانا حرام ہے۔

سولہ کھانوں اور ان کھانوں کے ساتھ صدقہ دینے کے علاوہ وارثوں پر بھی لازم ہے کہ موت کے وقت سے دس دن تک روزانہ گھر کے باہر کسی طاق پر یا ایسی ہی کسی اور جگہ پر کھانے سے بھری تالی اور پانی کی لٹیا رکھیں اس لئے کہ ممکن ہے ابھی روح قرار کی جگہ نہ پہنچی ہو اور بھوکی پیاسی گھر کے آس پاس چکر لگا رہی ہو۔

### افلاطون کا بھی ایسا ہی خیال تھا

افلاطون نے اپنی کتاب فادون (Phaedo) میں ایسا ہی خیال ظاہر کیا ہے اور اس روحوں کا ذکر کیا ہے جو اس وجہ سے قبروں کے گرد گھومتی رہتی ہیں کہ ابھی ان میں بدن کی محبت باقی ہے۔

پھر دسویں رات وارث میت کے نام پر بہت سا کھانا اور ٹھنڈا پانی خیرات کرتا ہے۔ گیارہویں دن سے روزانہ ایک آدمی کی خوراک اور ایک درہم کسی برہمن کے گھر بھیجا جاتا ہے اور یہ عمل بلا ناغہ سال بھر تک جاری رہتا ہے۔



## باب ۷۳

## مردوں اور زندوں کے جسم کے حقوق (یعنی تدفین اور خودکشی)

قدیم زمانے میں تدفین کے طریقے

بہت پرانے زمانے میں مردوں کی لاشیں میدانوں میں کھلی ہوئی ڈال دی جاتی تھیں اور ان پر کچھ ڈھکا نہیں جاتا تھا۔ اسی طرح پیاروں کو اٹھا کر صحراؤں اور پہاڑوں میں ڈال آتے تھے۔ اگر وہ مر جاتے تو اسی طرح وہیں پڑے رہتے جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے اور اگر اچھے ہو جاتے تو اپنے گھروں کو واپس آ جاتے۔

پھر ایک قانون ساز کا ظہور ہوا جس نے حکم دیا کہ لاشوں کو ہوا کے سامنے رکھا جائے چنانچہ ایسی عمارتیں بنائی جانے لگیں جن میں چھت تو ہوتی تھی لیکن ان کی دیواروں میں شکاف رکھے جاتے تھے جن میں سے ہوا آ کر مردے کے بدن کو لگتی رہتی تھی۔ مجوسیوں کے مقبروں کی شکل ایسی ہی ہوتی ہے۔

ایک عرصے تک اسی طریقے پر عمل ہوتا رہا یہاں تک کہ نارائن نے مردوں کے بدن کو آگ کے حوالے کرنے کا طریقہ مقرر کیا۔ اس وقت سے یہ لوگ مردوں کو اس طرح جلا دیتے ہیں کہ کچھ باقی نہیں رہتا اور غلاظت، گندگی اور بدبو آگ میں جل کر ختم ہو جاتی ہے اور کسی کا کوئی نشان باقی نہیں رہتا۔

(اس کے بعد بتایا ہے کہ یونانیوں میں مردوں کو دفن کرنے اور جلانے دونوں کا رواج تھا۔۔۔۔۔ اسی طرح ہندو کہتے ہیں کہ انسان میں ایک نقطہ ہے جس کی وجہ سے انسان انسان ہے اور یہی چیز مخلوط اجزاء کے جل کر منتشر ہو جانے کے بعد خالص روپ میں نکھر آتی ہے)۔

آگ اور سورج کی کرنیں خدا کے پاس جانے کے قریب ترین راستے ہیں

(روح کی خدا کے پاس) واپسی کے متعلق ہندوؤں کا خیال ہے کہ جزوی طور پر یہ سورج کی کرنوں کے ساتھ ہوتی ہے، اس طرح کہ روح ان کے ساتھ مل کر آسمانوں پر چڑھ جاتی ہے اور باقی آگ کے شعلوں کے ساتھ خدا تک پہنچ جاتی ہے۔ بعض ہندو دعا کرتے تھے کہ اللہ ان کا اپنی طرف واپسی کا سیدھا

راستہ بنادے اس لئے کہ سب سے قریب راستہ خط مستقیم ہی ہوتا ہے اور اوپر جانے کا راستہ آگ اور کرن کی علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔

غزترک ڈوب جانے والے شخص کے بارے میں کچھ ایسا ہی سوچتے تھے۔ وہ ڈوبنے والے کی لاش کو ایک تختے پر رکھ کر دریا میں ڈال دیتے تھے اور اسے تختے کے پائے میں رسی باندھ کر اس کا ایک سراپانی میں ڈال دیتے تھے تاکہ اس کے ذریعے مردے کی روح دوبارہ پیدا ہونے کے لئے آسمان پر چڑھ جائے۔ لوگ کہتے ہیں کہ بدھ نے حکم دیا تھا کہ مردوں کے بدن بہتے ہوئے پانی (دریا) میں پھینک دیئے جائیں۔ اسی لئے بدھ کے پیرو شمنی لاش کو دریاؤں میں ڈال دیتے ہیں۔

### ہندوؤں کا دفن کرنے کا طریقہ

ہندوؤں کے مطابق مردے کے بدن کا وارثوں پر یہ حق ہے کہ وہ اسے غسل دیں، عطر لگائیں اور اس کو صندل یا کسی اور لکڑی سے جو ممکن ہو جلائیں اور اس کی جلی ہوئی ہڈیوں کی کچھ راگھ لنگا میں ڈال دیں تاکہ لنگا اس پر اسی طرح بنے جیسے وہ سگری کی اولاد کی جلی ہوئی ہڈیوں پر بہتی رہی ہے کہ ان کو جہنم سے بچا کر جنت میں پہنچا دیا ہے۔ باقی راگھ کسی چشمے یا ندی میں ڈال دی جات ہے جس جگہ پر لاش جلائی جاتی ہے وہاں میل کے پتھر کی شکل کی پکی قبر بنادی جاتی ہے اور اس پر چوٹے سے امتر کاری کر دی جاتی ہے۔ تین سال سے کم عمر کے بچے جلائے نہیں جاتے۔

جولوگ مردے کی آخری رسوم ادا کرتے ہیں وہ دو دن تک اپنے کپڑے اور بدن دھوتے ہیں کیونکہ مردے کو چھونے کی وجہ سے ان کے کپڑے اور بدن ناپاک ہو جاتے ہیں۔ جولوگ اپنے مرد کو جلانے کے قابل نہیں ہوتے وہ اسے لے جا کر کسی کھلے میدان یا دریا میں ڈال دیتے ہیں۔

جہاں تک زندہ لوگوں کے بدن کے حقوق کا تعلق ہے وہ یہ کہ سوائے اس بیوہ کے جو اپنی خوشی سے جل جانا چاہے یا ایسے شخص کے جو اپنی زندگی سے تنگ آ گیا ہے اور کسی لاعلاج بیماری یا بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے زندگی سے گھبرا گیا ہے کسی اور کو زندہ نہ جلایا جائے لیکن ویش اور شودر لوگوں کے علاوہ کوئی معزز ہندو ایسا نہیں کرتا اور یہ لوگ آخرت کے کسی فائدے یا ایسے وقت پر جو مبارک اور واجب التعظیم ہیں خود سوزی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ برہمن یا چھتری کے لئے جل مرنے کو صریح مذہبی حکم کے ذریعے ممنوع قرار دیا گیا ہے اس لئے جولوگ کسی وجہ سے مرنا چاہتے ہیں وہ گرہن کے وقت کسی اور طریقے سے خودکشی کرتے ہیں یا پھر کسی شخص کو اجرت دے کر اس سے طے کر لیتے ہیں کہ وہ انہیں پانی

میں ڈال دے اور اس وقت تک ان کو پکڑے رہے جب تک ان کا دم نہیں نکل جاتا۔

### پریاگ کا درخت

گنگا اور جمنا کے سنگم پر ایک بہت بڑا درخت ہے جس کا نام پریاگ ہے۔ اس درخت کی خاصیت یہ ہے کہ اس کی شاخوں میں دو قسم کی ڈالیاں نکلتی ہیں۔ ایک اوپر کی طرف رخ والی جیسی سب درختوں میں ہوتی ہیں دوسری وہ جن کا رخ نیچے کی طرف ہوتا ہے اور جو جڑوں کی شکل کی ہوتی ہیں اور جن پر پتے نہیں ہوتے۔ جب ان میں سے کوئی ڈالی بڑھ کر زمین میں داخل ہو جاتی ہے تو شاخوں کے لئے سہارے کا ستون بن جاتی ہے چونکہ یہ درخت بہت پھیلا ہوا اور بڑا ہے اس لئے قدرت نے اس کے سہارے کے لئے یہ انتظام کر دیا ہے برہمن اور چھتری اس طرح خود کشی کرتے ہیں کہ اس درخت پر چڑھ کر اپنے آپ کو دریا میں گرادیتے ہیں۔

### باب ۴

## روزہ اور اس کی قسمیں

ہندوؤں پر برت (روزہ) دھرم کی رو سے فرض نہیں۔ وہ اپنی خوشی سے نفل کے طور پر برت رکھتے ہیں۔ برت نام ہے کسی مدت تک کھانا چھوڑ دینے کا برت کی نوعیت اور کھانا چھوڑ دینے کی مدت کے اعتبار سے اس کی مختلف قسمیں ہیں۔

### برت رکھنے کے مختلف طریقے

اوسط درجے کا برت جس میں روزے کی تمام شرائط پوری ہو جاتی ہیں یہ ہے کہ برت رکھنے والا برت کے لئے ایک دن مقرر کر لیتا ہے اور اپنے دل میں اس ہستی کا نام سوچ لیتا ہے جس کی خوشنودی کے واسطے برت رکھنا مقصود ہے مثلاً خدا یا کوئی دیوتا۔ پھر وہ برت سے ایک دن پہلے دوپہر کے وقت کھانا کھاتا ہے اور کھانے کے بعد دانتوں کو اچھی طرح صاف کر لیتا ہے اور دوسرے دن کے برت کی نیت کرتا ہے اور اسی وقت کھانا بند کر دیتا ہے۔ پھر برت کے دن صبح کو وہ دوبارہ اپنے دانت صاف کرتا اور غسل کرتا ہے اور دن کے فرائض پورے کرتا ہے اور ہاتھ میں پانی لے کر چاروں طرف پھیلتا ہے اور جس کے لئے برت رکھا ہے زبان سے اس کا نام لیتا ہے اور دوسرے دن تک اسی طرح رہتا ہے۔ سورج نکلنے کے بعد اُسے اختیار ہوتا ہے کہ وہ برت اسی وقت کھول دے یا دوپہر میں کھولے۔

اس قسم کی روزے کا نام اپواس دے جس کے معنی بھوکا رہنے کے ہیں اور جب نہ کھانا ایک دوپہر سے دوسرے دوپہر تک ہوتا ہے تو اسے اپواس نہیں بلکہ ”؟؟؟؟“ کہتے ہیں۔

روزے کی ایک اور قسم کا نام ”کرچھرا“ ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ برت رکھنے والا کسی دن دوپہر کے وقت کھانا کھاتا ہے دوسرے دن رات کے وقت اور تیسرے دن صرف وہ کھاتا ہے جو بغیر مانگے اسے مل جائے۔ پھر چوتھے دن برت رکھتا ہے۔ روزہ کی ایک اور قسم ہے جسے ”پراک“ کہتے ہیں۔ اس میں برت رکھنے والا مسلسل تین دن دوپہر کا کھانا کھاتا ہے پھر آئندہ تین دن رات کے وقت کھاتا ہے۔ پھر آئندہ تین دن مسلسل برت رکھتا ہے اور درمیان میں قطعاً افطار نہیں کرتا۔ روزہ کی ایک قسم ”چندر ابن“ ہے یہ روزہ پورے چاند کے دن رکھا جاتا ہے اس کے دوسرے دن وہ صرف ایک لقمہ کھاتا ہے تیسرے دن دو لقمے، چوتھے دن اس کا تین گنا یہاں تک کہ پہلی کا چاند نکل آئے۔ اس دن وہ برت رکھتا ہے پھر دوسرے دن سے وہ اپنا کھانا ایک ایک لقمہ گھٹاتا رہتا ہے یہاں تک کہ پھر پورا چاند ہو جائے۔ اس دن وہ پھر برت رکھتا ہے۔ روزہ کی ایک قسم ماسواس (ماس اپواس) بھی ہے۔ یہ بغیر افطار کیے مسلسل ایک ماہ کا برت ہوتا ہے۔

جو شخص چیت کے تمام دنوں میں برت رکھتا ہے اسے نیک اولاد کے علاوہ دولت اور مسرت حاصل ہوتی ہے، جو شخص دیباکھ کے برت رکھتا ہے وہ اپنے قبیلے کا سردار ہو جاتا ہے۔ جیٹھ کے برت رکھنے والا عورتوں کا محبوب بن جاتا ہے۔ اسارھ میں برت رکھنے والا دولت مند اور ساون کے روزے رکھنے والا عقلمند ہو جاتا ہے۔ بھاد پد کے روزے رکھنے والے کو دولت، شجاعت اور مولیٰ حاصل ہوتے ہیں۔ اسوا یوج کے برت رکھنے پر دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی ہے۔ کار تک میں برت رکھنے والے کی ہر تمنا پوری ہوتی ہے۔ مرگا شیرتا کے مہینے میں روزہ رکھنے والوں کا جنم نہایت زرخیز اور خوبصورت علاقے میں ہوتا ہے۔ جو پوش کے برت رکھے گا اس کو زبردست شہرت حاصل ہوگی۔ مگھ میں روزہ رکھنے والے کو بے شمار دولت ملتی ہے۔ پھاگن کے روزے رکھنے والا محبوب خلایق ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص سال بھر کے برت رکھے اور صرف بارہ بار افطار کرے وہ دس ہزار سال تک جنت میں رہے گا اور دوسرے جنم میں کسی اعلیٰ خاندان میں پیدا ہوگا۔

## باب ۷۵

## روزے کے دنوں کا تعین

ہر مہینے کے نصف کا آٹھواں اور گیارہواں دن روزہ کا دن ہے  
 قاری کو جاننا چاہئے کہ ہر مہینے کے نصف روشن کا آٹھواں اور گیارہواں دن روزے کے دن ہیں  
 لیکن لوندا کا مہینہ اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ یہ منحوس ہونے کے سبب حساب سے خارج ہے۔  
 گیارہواں دن خاص طور پر مقدس ہے اس لئے کہ یہ واسودیوکا دن ہے۔ اس دن جب وہ متھرا کا  
 بادشاہ بنا تو اس سے پہلے متھرا کے باشندے ہر مہینے میں ایک دن اندر کی پوجا کرتے تھے۔ اس نے پوجا  
 کے دن کے لئے گیارہویں تاریخ مقرر کر دی اور حکم دیا کہ آئندہ سے اندر کی جگہ اس کی پوجا کی جائے۔  
 اس لئے وہ لوگ اس دن برت رکھتے ہیں اور اس دن بہت پاک صاف رہتے اور رات کو جاگنا ضروری  
 سمجھتے ہیں اگرچہ یہ فرض نہیں ہے۔

(اس کے بعد سال کے مختلف دنوں کے روزوں کا بیان ہے۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں)

چیترا کا چھٹا دن سورج کے نام کے روزے کا دن ہے۔

سادن کے مہینے کا پورے چاند کا دن سو منات کے نام پر روزے کا دن ہے۔ سادن کی آٹھویں تاریخ  
 کو بھگوتی کے نام کا روزہ رکھا جاتا ہے اور چاند نکلنے کے وقت افطار کیا جاتا ہے۔  
 بھادوں کا پانچواں دن سورج کے روزے کا دن ہے۔ اسے شت کہتے ہیں۔

جب کار تک کے مہینے میں چاند اپنی آخری منزل رپوتی میں ہوتا ہے تو اس دن واسودیو کے نیند سے  
 جاگنے کا برت رکھا جاتا ہے۔ اسے ”دیوٹھی“ کہتے ہیں یعنی دیوتا کا اٹھنا۔ بعض لوگوں کے نزدیک  
 ”دیوٹھی“ کا برت نصف اول (یعنی روشن کی گیارہویں تاریخ کو رکھنا چاہئے)۔

پھر پوش کا چھٹا دن سورج کے روزے کا دن ہے۔

ماگھ کی تیسری تاریخ عورتوں کے روزے کا دن ہے۔ یہ برت مردوں کے لئے نہیں ہے اسے گوری  
 تریہ کہتے ہیں۔ یہ روزہ تمام دن اور تمام رات کا ہوتا ہے۔ روزہ دار عورتیں دوسرے دن صبح روزہ کھول کر  
 اپنے شوہر کے رشتہ داروں کو تحفے تحائف دیتی ہیں۔

## باب ۷۶

## تہوار اور جشن کے دن

یاترا مبارک حالات میں سفر پر جانے کو کہتے ہیں۔ اسی لئے خوشی کے دنوں کو ان کے یہاں ”یاترا“ کہتے ہیں۔ ان کے اکثر تہوار عورتوں اور بچوں کے ہیں۔

## چیت کی دوسری تاریخ

چیت کی دوسری تاریخ کو کشمیریوں کا ”اگ دس“ نامی تہوار ہوتا ہے۔ اس دن ان کے راجا متائی نے ترکوں پر فتح پائی تھی۔ ان کے نزدیک یہ راجا ساری دنیا پر راج کرتا تھا لیکن یہ کوئی خاص بات نہیں۔ وہ اپنے تمام راجاؤں کے بارے میں یہی کہتے ہیں لیکن بے خیالی میں وہ اس راجا کا زمانہ ہم لوگوں سے قریب بیان کرتے ہیں جس سے ان کا جھوٹ کھل گیا ہے حالانکہ کسی ہندو راجا کا ایک بڑی سلطنت پر راج کرنا کوئی ناممکن بات نہیں جیسا کہ یونانی، رومی، بابلی اور ایرانی بادشاہ کرتے تھے لیکن اکثر واقعات جو ہمارے زمانے کے قریب واقع ہوتے ہیں ان سے لوگ اچھی طرح واقف ہیں (اس لئے اگر یہ راجا ساری دنیا کا بادشاہ ہوتا تو ہم اس سے واقف ہوتے) وہ راجا سارے ہندوستان کا راجا رہا ہوگا۔ کیونکہ یہ لوگ ہندوستان اور ہندوستانیوں کے علاوہ کسی دوسرے ملک یا قوم کو جانتے ہی نہیں۔

## چیت کی گیارہویں تاریخ

اس مہینے کی گیارہویں تاریخ کو ”ہندولی چیت“ تہوار منایا جاتا ہے۔ اس دن یہ لوگ واسودیو کے مندر ”یوگرہ“ میں جمع ہو کر اس کے بت کو جھولا اٹھلاتے ہیں جس طرح بچپن میں اسے جھلایا جاتا تھا۔ اسی طرح اپنے گھروں میں بھی جھلاتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں۔

## چیت کے پورے چاند کا دن

چیت کے پورے چاند کا دن بہند (وسنت؟) منایا جاتا ہے۔ یہ عورتوں کا تہوار ہے۔ اس دن وہ خوب بناؤ سنگھار کرتی اور اپنے شوہر سے تحفے طلب کرتی ہیں۔

## بائیسویں چیت

چیت کی بائیسویں کو ”چیت چشت“ کہتے ہیں۔ یہ بھگوتی کے نام کا تہوار ہے۔ اس دن غسل کیا جاتا اور صدقہ دیا جاتا ہے۔

## تیسری بیساکھ

بیساکھ کی تیسری تاریخ عورتوں کے تہوار ”گوری تریہ“ کا دن ہے۔ یہ گوری کے نام پر منایا جاتا ہے۔ گوری مہادیو کی بیوی اور ہمالیہ کی بیٹی ہے۔ عورتیں اس دن نہادھو کر رنگ برنگے کپڑے پہنتی ہیں اور گوری کی پوجا کرتی ہیں اور گوری کے بت کے سامنے دیئے (چراغ) جلاتی ہیں۔ عورتیں اس دن کھانا نہیں کھاتیں، دن بھر چھو لاجھولتی ہیں اور دوسری صبح کو دان کرتی اور کھانا کھاتی ہیں۔

بیساکھ کی گیارہویں تاریخ کو وہ تمام برہمن جنہیں راجا بلاتے ہیں کھلمیدانوں میں جا کر پانچ دن تک ”یعنی چاند پورا ہونے تک“ بڑی بڑی آگ جلاتے ہیں۔ یہ آگ سولہ جگہ چار چار ڈھیروں میں جلائی جاتی ہے۔ ہر آگ کے ڈھیر پر ایک ایک برہمن قربانی کرتا ہے۔ اس طرح ان قربانی کرنے والے برہمنوں کی تعداد دویوں کی تعداد کے برابر یعنی چار ہوتی ہے۔ سولہویں دن وہ سب گھر واپس آ جاتے ہیں۔

## ربیع استوا

اس مہینے میں ربیع استوا واقع ہوتا ہے جس کا نام بسنت ہے۔ یہ دن حساب لگا کر متعین کیا جاتا ہے۔ اس دن لوگ خوشی مناتے اور برہمنوں کو کھلاتے ہیں۔

## پہلی جیٹھ

پہلی جیٹھ (یعنی نئے چاند کا دن) کو خوشیاں مناتے اور برکت کے لئے ہر قسم کا انانج پانی میں ڈالتے ہیں۔ اسی مہینے میں پورے چاند کے دن عورتوں کا تہوار ”رویہ پنچا“ ہوتا ہے۔ اس ساڑھ کا پورا مہینہ دان خیرات کا ہے، اس کا نام ”آہار“ بھی ہے۔ اس مہینے میں گھر کے لئے نئے برتن خریدے جاتے ہیں۔

ساوَن کے پورے چاند کے دن برہمنوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔

اسواتج کی آٹھویں کو جب چاند اپنی انیسویں منزل ”مول“ میں ہوتا ہے گنا چوسنے کی ابتدا ہوتی ہے۔ یہ مہانومی، مہادیو کی بہن کے نام کے تہوار کا دن ہے۔ اس دن گئے اور دوسری فصلوں کی پیداوار کو مہانومی کے بت پر جس کو بھگوتی کہتے ہیں چڑھاتے ہیں اور انھی پر بکریوں کی قربانی اور دوسری نذریں

پیش کرتے ہیں جس کے پاس چڑھا دے یا قربانی کرنے کے لئے کچھ نہیں ہوتا وہ بت کے پاس کھڑا رہتا ہے اور بیٹھتا نہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جس کو دیکھتا ہے اس پر حملہ کر کے قتل کر دیتا ہے۔

### بھادوں کا نیا چاند

بھادوں کے مہینے میں جب چاند دسویں منزل (مگھ) میں ہوتا ہے تو ”پتری پکش“ تہوار منایا جاتا ہو۔ پتری پکش کے معنی ہے بزرگوں کا آدھا مہینہ۔ کیونکہ چاند اس منزل میں تقریباً نئے چاند کے وقت داخل ہوتا ہے۔ ان پندرہ دنوں میں وہ بزرگوں کے نام پر دان دیتے ہیں۔

بھادوں کی تیسری تاریخ کو ”ہربلی“ (؟) تہوار منایا جاتا ہے۔ یہ عورتوں کا تہوار ہوتا ہے۔ اس میں وہ پھولوں اور خوشبوؤں کو ایک دوسرے پر اچھالتی ہیں اور ساری رات کھیلتی رہتی ہیں اور دوسرے دن صبح تالاب میں نہا کر دان خیرات کرتی ہیں۔

### بھادوں کی چھٹی تاریخ

بھادوں کے چھٹے دن کو ”گے ہت“ کہتے ہیں اس دن قیدیوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ بھادوں کے آٹھویں جب چاند آدھا ہوتا ہے تو ”دھروگرہ“ نام کا تہوار مناتے ہیں۔ اس دن غسل کر کے اگایا ہوا غلہ استعمال کرتے ہیں تاکہ ان کی اولاد تندرست رہے۔ اس دن حاملہ عورتیں خوش ہو کر لڑکا پیدا ہونے کی دعا کرتی ہیں۔ جب چاند چوتھی منزل رومی میں ہوتا ہے اس وقت کا نام ”گناہید“ ہے۔ اس موقع پر تین دن خوشی منائی جاتی ہے لوگ واسودیو کی پیدائش کی خوشی میں کھیل تماشے کرتے اور جشن مناتے ہیں۔

### پہلی کار تک

کار تک کے پہلے دن جب سورج برج میزان میں داخل ہوتا ہے کا نام دیپالی ہے۔ اس دن لوگ غسل کر کے اچھے اچھے کپڑے پہنتے ہیں اور ایک دوسرے کو پان اور سپاری کا تحفہ دیتے ہیں اور مندروں میں جا کر صدقہ کرتے ہیں اور دھپرن تک کھیل تماشے کرتے ہیں رات میں اتنی کثرت سے دیپ جلاتے ہیں کہ تمام فضا منور ہو جاتی ہے۔ اس جشن کی تقریب یہ ہے کہ ہر سال اس دن واسودیو کی بیوی لکشمی، وروچن کے بیٹے کو جو ساتویں زمین میں قید ہے آزاد کر کے دنیا میں لاتی ہے اس لئے اس تہوار کا نام بل راجیہ بھی ہے یعنی بل کے راج (حکومت کا دن)

اسی مہینے میں جب چاند پورا ہو جاتا ہے تو لوگ دعوتیں دیتے ہیں اور نصف تاریک دنوں میں عورتوں کا خوب بناؤ سنگھار کرتے ہیں۔



پندرہویں ماگھ

ماگھ کے پورے چاند کا دن بھی عورتوں کا تہوار ہے۔ پوس کے مہینے کے اکثر دنوں میں عورتیں ”پہاول“ (?) بڑی مقدار میں پکاتی ہیں۔ یہ ایک میٹھا پکوان ہے جسے لوگ شوق سے کھاتے ہیں۔

آٹھویں پوس

پوس کے نصف روشن کی آٹھویں تاریخ کا نام ”اشٹک“ ہے۔ اس دن برہمنوں کو سمرق (پالک) سے بنا ہوا کھانا کھلاتے ہیں اور ان کی خوب خاطر کرتے ہیں۔

پوش کے نصف تاریک دنوں کے آٹھویں دن کو ”سکارتم“ کہتے ہیں۔ اس دن لوگ شلج کھاتے ہیں۔

تیسری ماگھ

ماگھ کی تیسری تاریخ کو مہاراج (ماگھ تریہ) کہتے ہیں۔ یہ بھی گوری کے نام پر عورتوں کا تہوار ہے، وہ کسی معزز شخص کے گھر پر گوری کے بت کے سامنے جمع ہوتی اور قیمتی کپڑے، عمدہ عطر اور نفیس کھانے اس کے سامنے رکھتی ہیں۔ ان کے ایسے ہر موقع پر پانی سے بھرے ایک سواٹھ برتن رکھے جاتے ہیں۔ جب ان کا پانی ٹھنڈا ہو جاتا ہے تو رات کے ہر چوتھے حصے میں اس سے چار بار نہاتی ہیں۔ صبح کو دعوت دیتی، دعوتیں کرتی اور مہمانوں کی خاطر تواضع کرتی ہیں۔ عورتیں اس مہینے میں عام طور پر ٹھنڈے پانی سے نہاتی ہیں۔

اس مہینے کے پورے چاند کا دن بھی عورتوں کا تہوار ہے جسے ”اودس“ اور ڈھالا بھی کہتے ہیں۔ اس میں ”چامہ“ تہوار کی نسبت نیچی جگہ پر آگ جلائی جاتی اور گاؤں سے باہر ڈالی جاتی ہے۔ اس مہینے کی سولہویں شب، شورا تری، میں ساری رات مہادیوی کی پوجا ہوتی ہے۔ ہندو ساری رات جاگ کر مہادیوی کی پوجا کرتے اور اس کے بت پر پھول اور عطر چڑھاتے ہیں۔ اس ماہ کی ۲۳ ویں تاریخ یعنی بیوتن (?) کے دن چاولوں میں گھی اور شکر ملا کر کھایا جاتا ہے۔

ملتان کا ایک تہوار

ملتان کے ہندو ایک خاص تہوار مناتے ہیں جس کا نام سانبا پورا یا تر ہے یہ تہوار سورج سے منسوب ہے اور اس دن اس کی پوجا کی جاتی ہے۔

## باب ۷۷

## مُتمبرک ایام، مبارک اور منحوس ساعتیں اور ثواب حاصل کرنے کے اوقات

تمام دنوں کی کچھ نہ کچھ خصوصیات مقرر کی گئی ہیں اور انہیں خصوصیات کی نوعیت اور کمی بیشی کے لحاظ سے ہر دن کے تقدس اور احترام کا درجہ مقرر ہے۔ مثلاً اتوار کا دن کہ اس کی عظمت سورج کے ساتھ نسبت اور ہفتہ کا پہلا دن مقرر ہونے کی وجہ سے ہے اور اس کی ایسی ہی عظمت کی جاتی ہے جیسی اسلام میں جمعہ کی۔

### نئے چاند اور پورے چاند کے دن

جن دنوں کی خاص عظمت کی جاتی ہے ان میں اماوس اور پرینیا بھی ہیں یعنی نئے چاند اور پورے چاند کے دن۔ ان دنوں کی عظمت اس لئے ہے کہ ان میں سے ایک دن چاند کی روشنی سب سے کم اور ایک دن سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ ہندوؤں کا اس روشنی کے گھٹنے اور بڑھنے کے متعلق جو اعتقاد ہے اس کے مطابق برہمن ثواب کے واسطے آگ کی قربانی مسلسل کرتے رہتے ہیں اور کھانے کی وہ چیزیں جو چاند نکلنے سے چاند پورا ہونے تک آگ میں ڈالی جاتی ہیں ان میں سے فرشتوں کا حصہ الگ نکالتے رہتے ہیں اور اس حصہ کو چاند پورا ہونے کے بعد سے نئے چاند کی رویت تک خیرات کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ نئے چاند کی رویت کے وقت اس میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ چاند کی رویت اور چاند کا پورا ہونا بزرگوں کے یوم کی دوپہر اور آدھی رات کے وقت ہیں۔ اس لئے ان دونوں وقتوں میں ہمیشہ بزرگوں کے نام پر دان کیا جاتا ہے۔

### چار گیوں کے آغاز کے چار دن

چار دن ایسے ہیں جن کی عظمت اس لئے کی جاتی ہے کہ ہندوؤں کے خیال میں موجودہ چتر یگ کے چاروں گیوں کی ابتدا ان ہی دنوں سے ہوئی۔ یہ دن مندرجہ ذیل ہیں:

- ۱۔ بیسا کھ کا تیسرا دن جسے کشر کہتے ہیں۔ اس دن کرت یگ کی ابتدا ہوئی
- ۲۔ کار تک کا نواں دن۔ اس دن سے تریا یگ کی ابتدا ہوئی
- ۳۔ پندرہ ماگھ اس دن دوا پر یگ شروع ہوا۔
- ۴۔ اسوتج کا تیسرا دن اس دن کل یگ کا آغاز ہوا۔

میرے خیال میں چاروں دن چار تہوار ہیں اور ہر تہوار ایک ایک یگ سے منسوب ہے اور ان کو دان دینے یا بعض رسوم کے ادا کرنے کے لئے اسی طرح مقرر کر لیا گیا ہے جس طرح عیسائیوں نے سال میں بعض دن اپنے اولیاء کی یادگار کے لئے مقرر کر لئے ہیں۔ بہر حال ہم یہاں اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ یگوں کی ابتدا ان دنوں میں ہوئی۔

(اس کے بعد الہیرونی نے ان کے دنوں کے تعین کے لئے ہندوؤں کے حساب کرنے کے طریقے پر تنقید کی ہے۔ اس کے خیال میں ان دنوں کا تعین محض تاویل کی بنیاد پر کیا گیا ہے اس میں اصلیت کچھ بھی نہیں ہے۔)

## پنیہ کال

جو اوقات ثواب حاصل کرنے کے لئے زیادہ سازگار ہیں انہیں پنیہ کال (پن کال) کہتے ہیں۔ ہم نے جن تہواروں کا ذکر گزشتہ بات میں کیا ہے وہ ایسے ہی دن ہیں اور ان میں دان کیا جاتا اور ضیافتیں دی جاتی ہیں۔ اگر ان کے ساتھ ثواب کی امید وابستہ نہ ہوتی تو ان میں خوشی منانا اچھا نہ سمجھا گیا ہوتا۔

## سکرانت

وہ پن کال مبارک ہیں جن میں ستارے خصوصاً سورج، ایک برج سے دوسرے برج میں منتقل ہوتے ہیں۔ ان اوقات کو سکرانت کہتے ہیں۔ ان میں سب سے اچھے دن وہ ہیں جب دن اور رات برابر ہوتے ہیں۔ دونوں انقلاب کے اوقات بھی ایسے ہی ہیں لیکن سب سے افضل استواء ربیع کا وقت ہے۔ اس کو بکھو اور شبو کہتے ہیں کیونکہ ”جھ“ اور ”ش“ کا تلفظ یہ لوگ اس طرح کرتے ہیں کہ ایک پر دوسرے کا گمان ہوتا ہے۔ یہ ایک دوسرے سے بدل جاتے اور آگے پیچھے ہو جاتے ہیں۔

سیارے کو سننے برج میں داخل ہونے میں صرف ایک لمحہ لگتا ہے اور یہ اوقات بہت جلدی یعنی لمحے بھر میں گزر جاتے ہیں چونکہ ان میں تیل اور اناج کے ساتھ آگ کی قربانی دینا ہوتی ہے (اس قربانی کا نام سانت ہے) اس لئے ان لوگوں نے ان اوقات کو وسیع کر لیا ہے اور ان کی ابتدا اوسط اور انتہا اس طرح مقرر کی ہے کہ جب سورج کے جسم کا مشرقی کنارہ برج کے کنارے کو چھوتا ہے تو اس وقت کی ابتدا

ہوتی ہے اور جب یہ کنار ابرج کے وسط میں پہنچتا ہے تو یہ اس وقت کا بھی وسط ہے اور نجوم کے حساب سے یہی انتقال کا وقت ہے۔ پھر جب سورج کا مغربی کنار ابرج کو چھوتا ہے تو یہ وقت ختم ہو جاتا ہے۔ سورج کو اس پورے عمل سے گزرنے میں تقریباً دو گھنٹے لگتے ہیں۔  
(اس کے بعد سکرانت کا وقت معلوم کرنے کے دو طریقے بیان کئے ہیں)۔

### گرہن کے اوقات

سورج گرہن اور چاند گرہن کے اوقات بھی ثواب حاصل کرنے کے لئے بہترین وقت ہیں۔ ان کے عقیدے کے مطابق ان اوقات میں تمام روئے زمین کا پانی گنگا کے پانی کی طرح پاک ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ ان کے اوقات کی اس درجہ تعظیم کرتے ہیں کہ بہت سے لوگ ان اوقات کو موت کا بہترین وقت مان کر ان اوقات میں خودکشی کر لیتے ہیں لیکن صرف ولیش اور شودر ہی ایسا کر سکتے ہیں۔ برہمن اور چھتری کے لئے خودکشی کرنا منع ہے اس لئے وہ اس کا ارتکاب نہیں کرتے۔

### پروا اور یوگ

پروا کے اوقات یعنی وہ اوقات جن میں گرہن پڑنا ممکن ہے مبارک اوقات ہیں اور اگرچہ ان میں گرہن نہ پڑا ہو پھر بھی ان کی فضیلت گرہن کے اوقات ہی کے برابر ہے۔  
یوگ کے اوقات بھی گرہن کے اوقات کی طرح مبارک ہوتے ہیں۔ ان کا بیان ہم نے ایک خاص علیحدہ باب میں کیا ہے۔

### زلزلوں کے اوقات

ایسے اوقات جنہیں منحوس تصور کیا جاتا ہے اور جن میں کوئی ثواب نہیں ملتا زلزلوں کے اوقات ہیں۔ ہندو اس وقت ایک شگون کے طور پر اپنے گھڑوں اور منکوں کو زمین پر مار کر توڑتے ہیں تاکہ یہ آفت ٹل جائے۔ اس طرح کے دوسرے منحوس اوقات کی تفصیل کتاب سمہت میں درج ہے۔  
یہ اوقات ہیں جن میں زمین دھنسنے، ستارہ ٹوٹنے، آسمان پر سرفی نمودار ہونے، فطرت اور عادت کے خلاف واقعات کا ظہور، بجلی گرنے سے زمین جلنے، دم دار ستاروں کا ظہور، درندوں اور جنگلی جانوروں کا ہشیوں میں گھس آنا، بے موسم کی بارش یا ایک موسم کے کوائف کا دوسرے موسم میں ظاہر ہونے وغیرہ کے واقعات و حوادث کا ظہور ہوتا ہے۔

## باب ۷۸

## کرن

## کرن کی تشریح

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ قمری ایام جنہیں تہتی کہتے ہیں ایام طلوعی سے چھوٹے ہوتے ہیں۔ قمری مہینے میں تیس دن اور ساڑھے انتیس (29 1/2) سے کچھ زیادہ طلوعی دن ہوتے ہیں۔ ہندوؤں کے یہاں یوم کو تہتی کہتے ہیں۔ پھر اس تہتی کے بھی دو حصے ہیں یعنی تہتی کے نصف اول کو دن اور نصف آخر کو رات کہتے ہیں اور پھر ہر دن اور ہر رات کا الگ الگ نام ہے اور ان سب کو ملا کر ”کرن“ کہتے ہیں۔

(اس کے بعد کرن کو دریافت کرنے کا قاعدہ بیان کیا ہے۔)

## بھٹ کی تشریح

”بھٹ“ ہندی زبان کا لفظ ہے اور اس کا صحیح تلفظ بھکتی ہے جس کے معنی کسی ستارے کی یومیہ حرکت ہے۔ اگر اس سے مراد ”میر مقوم“ ہوتی ہے تو اسے ”بھکتی اسیھوت“ کہتے ہیں اور اگر میر وسطی ہے تو اسے بھکتی مدھیم اور دونوں بھکتیوں کے فرق کو ”بھکتی اتر“ کہتے ہیں۔

## قمری نصف ماہ کے قمری دنوں کے نام

قمری مہینے کے دنوں میں سے ہر ایک کا ایک خاص نام ہے جنہیں مندرجہ ذیل جدول میں درج کر دیا گیا ہے۔ آپ جس قمری دن میں ہوں اس کا عدد جدول میں تلاش کیجئے۔ عدد کے سامنے اس کا نام اور نام کے مقابل کرن کا نام درج ہے۔ اگر مذکورہ دن کا گزارا ہوا حصہ نصف سے کم ہوتا ہے تو کرن دن کا ہوگا اور اگر نصف سے زیادہ حصہ گزر چکا ہے تو رات کا۔

(اس کے بعد نقشہ درج ہے)

## کرن کے ناموں، ان کے حاکموں اور ان سے متعلق کاموں کا نقشہ

جیسا کہ ان کا دستور ہے، ہندوؤں نے چند کرنوں کے حاکم بھی مقرر کر دیئے ہیں اور جس طرح ستاروں کے لئے خاص خاص کام مقرر ہیں اسی طرح ہر کرن کے لئے بھی وہ کام مقرر کر دیتے ہیں جن کو

ان کرنوں میں انجام دینا ضروری ہے۔ اگر ہم ایک اور جدول میں ان تمام باتوں کو جو ابھی بتائی ہیں درج کر دیں تو یہ نامانوس مضمون اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے گا۔

(اس کے بعد چار مقیم اور سات سیار کرنوں کے کاموں کی جدول درج ہے۔ اس کے بعد البیرونی نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ الگندی اور بعض دوسری عرب مصنفین نے کرنوں کے ہندی نظام کو بیان کیا اور اس سے کام لیا ہے لیکن وہ اس کو پوری طرح سمجھتے نہیں تھے۔ انہوں اس میں ترمیم و تفتیش کر کے اس کی اصلی شکل کو بدل دیا ہے اور اگرچہ تبدیل شدہ صورت اصل سے بہتر ہے لیکن ان دونوں کو الگ الگ بیان کرنا چاہئے۔

## باب ۷۹

### یوگ

یہ وہ اوقات ہیں جنہیں ہندو نہایت منحوس خیال کرتے ہیں اور ان میں کوئی کام نہیں کرتے۔ ایسے اوقات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ہم ان کو یہاں بیان کرتے ہیں۔

### ویاتپت کی تشریح

دو یوگوں پر تمام ہندوؤں کا اتفاق ہے۔

(۱) وہ وقت جب سورج اور چاند ایسے دو مدار پر ہوں جو ایک دوسرے کو تھامے نظر آتے ہوں اور خط استوا سے ان کا فاصلہ ایک سمت میں برابر ہو اس یوگ کو ویاتپت کہتے ہیں۔

(۲) وہ وقت جب سورج اور چاند دو مساوی مدار پر کھڑے ہوں اور جن کا فاصلہ خط استوا سے مختلف سمتوں میں برابر ہو اس وقت کو دیدھرت کہتے ہیں۔

(اس کے بعد ویاتپت اور دیدھرت معلوم کرنے کے مختلف طریقے بیان کئے ہیں۔ یہ طریقے کتاب کرن تلک اور پلس سے ماخوذ ہیں)

البیرونی نے اس موضوع پر اپنی دو تصانیف کا بھی ذکر کیا ہے جن میں سے ایک کا نام ”عربی کھانڈ کھڈ ایک“ ہے۔ البیرونی نے یہ کتاب سیاہیل کشمیری کے لئے تصنیف کی تھی۔ یوگوں کے عام اور خواص کا ایک نقشہ بھی درج کیا ہے۔

## باب ۸۰

## ہندوؤں کے علم نجوم کے بنیادی اصول اور نجومی حساب کے طریقے

ستاروں کا حساب لگا کر مستقبل کے بارے میں حکم لگانے کے ہندوؤں کے طریقوں سے ہمارے ہم مذہب (مسلمان) واقف نہیں ہیں اور نہ انہیں اس موضوع پر کوئی ہندوستانی کتاب پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ اس وجہ سے وہ سمجھتے ہیں کہ ہندو کا علم نجوم ان کے علم نجوم جیسا ہے اور ہندوؤں کے نجوم کے بارے میں ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جو ہمیں ہندوؤں کے یہاں کہیں بھی نظر نہیں آئیں۔ جس طرح ہم نے اس کتاب کے گزشتہ اجزاء میں ہر مضمون کو تھوڑا تھوڑا بیان کیا ہے اسی طرح اس مضمون میں صرف انہیں باتوں کو بیان کریں گے جس سے اس موضوع سے ضروری واقفیت ہو جائے اور ان مسائل پر ہندوؤں سے گفتگو کرنے میں آسانی ہو۔ اگر اس موضوع پر پوری تفصیل کے ساتھ گفتگو کی جائے تو کلام بہت طویل ہو جائے گا چاہے ہم صرف اصولوں کو ہی بیان کریں۔ اس کی فروعات میں نہ جائیں، اس لئے میں ہندوؤں کے علم نجوم کے بنیادی اصولوں کو اختصار کے ساتھ بیان کرنے پر اکتفا کروں گا۔

سب سے پہلے قاری کو یہ جاننا چاہئے کہ یہ لوگ اکثر اپنی پیشین گوئیوں میں ایسی چیزوں سے شگون لیتے ہیں جیسے (چڑیوں کے اڑنے اور قیاد وغیرہ اور دنیا کے حالات پر ستاروں کے اثرات کو ذہن میں رکھ کر کوئی نتیجہ نہیں نکالتے حالانکہ ایسا ہی کرنا چاہئے۔ سیاروں کی تعداد سات ہونے کے بارے میں ہمارے اور ہندوؤں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہندو سیاروں کو گرہ کہتے ہیں ان میں سے بعض دائمی طور پر مبارک ہیں مثلاً مشتری، زہرہ اور چاند، ان مبارک سیاروں کو سوم گرہ کہا جاتا ہے۔ بعض سیارے دائمی طور پر منحوس تصور کیے جاتے ہیں مثلاً زحل، مریخ اور سورج، ان کو کرور گرہ کہتے ہیں۔ وہ راس کو بھی منحوس سیاروں میں شمار کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ سیارہ نہیں ہے۔ ایک سیارہ ایسا ہے جس کی حالت بدلتی رہتی ہے اور وہ جس طرح دوسرے ستارے کے ساتھ ہوتا ہے اسی کی طرح ہو جاتا ہے۔ یعنی اگر مبارک ستارے کے ساتھ ہو تو مبارک ہو جائے گا اور اگر منحوس ستارے کے ساتھ ہو تو منحوس کہلائے گا۔ اس کا نام عطارد ہے جب یہ اکیلا ہوتا ہے اس وقت مبارک سمجھا جاتا ہے۔

(اس کے بعد سیاروں کے نام ان سے انسان کے کردار اور جنس کے بارے میں کیا معلوم ہو سکتا ہے اور یہ کن عناصر اور کن موسموں پر دلالت کرتے ہیں وغیرہ کا نقشہ پیش کیا ہے۔ نقشہ کے بارے میں چند

صراحتیں درج ہیں اور ہر برج کے خواص بھی بیان کئے ہیں۔)

### نجوم کی چند اصطلاحوں کی تشریح

ستارے کی بلندی یا اونچ کو ہندوستانی زبان میں لمبھہ کہتے ہیں اور اس کے بلند درجے کو ”پرموجتھ“ کہتے ہیں۔ ستارے کے سب سے نچلے مقام کو نجھتھ اور اس کے انتہائی درجے کو پرم نجھتھ کہتے ہیں۔ ”مولاترکون“ ستارے کا طاقت و اثر ہوتا ہے جو اس میں اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ محل تفرع میں اپنے دو گھروں میں سے ایک میں ہوتا ہے۔

وہ تین تین گھروں کے مجموعے ترنگی کو عناصر طبعی کی طرف منسوب نہیں کرتے جس طرح لوگ برج منقلب کو چر اس یعنی برج متحرک اور برج ثابت کو ستھراس یعنی ساکن اور دو جسم والے کو دوسو بھاو یعنی بیک وقت دو بدن کہتے ہیں۔

### گھر (بیوت)

جس طرح ہم نے بروج کا جدول بنایا ہے اسی طرح گھروں یعنی بیوت (بیت کی جمع) کا جدول بھی پیش کر رہے ہیں جس میں ہر گھر کے خواص درج ہیں۔ ان بیوت کے نصف جوزمین کے اوپر ہیں انہیں ہندو ”چتر“ یعنی چھتری کہتے ہیں اور باقی نصف جوزمین کے نیچے ہیں ناویا کشتی کہلاتے ہیں۔

پھر اس نصف کو جو آسمان کی طرف بلند ہے یا زمین کے اندر تک اترا ہوا ہے ”دھنو“ (کمان) کہتے ہیں ان کے اوتار کو کیندر اور جوان کے بعد ہیں ان کو ”پنا پھر“ اور جو بٹے ہوئے ہیں ان کو ”اپاکلم“ کہتے ہیں۔

(بیوت کی جدول بھی دی گئی ہے)

اب تک جو کچھ بیان ہوا ان پر ہندوؤں کے نجومی احکام کی بنیاد ہے یعنی سیارے بروج اور بیوت اور جو شخص یہ جانتا ہے کہ ان میں سے ہر چیز کس بات پر دلالت کرتی ہے وہ اس فن کا ماہر اور امام کہلانے کا مستحق ہے۔

(اس کے بعد البیرونی نے بروج کی تقسیم اجزا میں ستاروں کی دوستی اور دشمنی، ہر ستارے کی چار قوتوں اور ستاروں کا تعلق انسان کی عمر سے اور ستاروں کے سالوں وغیرہ کے متعلق ہندوؤں کے خیالات پیش کئے ہیں)۔

### ہندو نجومیوں کا طریقہ استخراج

گزشتہ صفحات میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے قاری کو یہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ ہندو انسانی عمر کا حساب کس طرح لگاتے ہیں۔ اس کا حساب پیدائش کے ستارے کے مقام کی بنیاد پر لگایا جاتا ہے اور عمر



کے ہر حصے میں مختلف سیاروں کے سال اس پر جس طرح پھیلے ہوتے ہیں ان میں بعض موالید جمع کرتے ہیں جن کا دوسری قوموں میں کوئی لحاظ نہیں ہے۔

میں نے یہ تفصیل اس لئے لکھی ہے تاکہ قاری کو ہمارے اور ہندوؤں کے طریقوں کا فرق معلوم ہو جائے۔

فضا اور زمین پر جو حالات رونما ہوتے ہیں ان کے متعلق ہندوؤں کے نظریات اور طریقے بڑے پیچیدہ اور طول طویل ہیں۔ جس طرح ہم نے زائچے کی بحث کو صرف عمر کے بیان تک محدود رکھا اسی طرح آگے آنے والی بحث میں ہم دمدارستاروں کے بارے میں بعض ان ہندو علماء کے اقوال نقل کرنے پر جنہیں اس فن کے امام سمجھا جاتا ہے اکتفا کریں گے۔

### دم دارستارے

جوزہر کے راس یعنی سر کا نام راہو ہے اور اس کی دم ”کیتو“ کہلاتی ہے۔ ہندو دم کا ذکر شاذ و نادر ہی کرتے ہیں، وہ فقط راس کا استعمال کرتے ہیں اور فضا میں ظاہر ہونے والے تمام دمدارستاروں کو عام طور پر ”کیتو“ ہی کہا جاتا ہے۔

(اس کے بعد دم دارستاروں کی مختلف اقسام اور ان کے اثرات کے بارے میں ورہ میر کی سمیت سے اقتباس پیش کیا ہے۔ پھر ایک جدول میں دمدارستاروں کے نام ہر ایک کے ستاروں کی تعداد اور ان کے خواص و اثرات کا نقشہ درج کیا ہے۔)

المیرونی نے ایک محقق کی دیانت سے کام لیتے ہوئے یہ بتا دیا ہے کہ اصل کتاب یا اس کی جس نقل سے اس نے جدول مرتب کی تھی وہ بعض جگہ سے ناقص یا خراب تھی اس وجہ سے اسے جدول کے بعض خانے خالی چھوڑنا پڑے۔

### ورہ میر کی سمیت سے مزید اقتباسات

ورہ میر نے دمدارستاروں کو تین قسموں میں بانٹا تھا۔ بلند، جو ستاروں کے قریب ہیں، رواں، جو زمین کے نزدیک ہیں اور متوسط جو ہوا میں ہیں اور اس نے بلند اور متوسط کو جو ہمارے جدول میں ہیں، علیحدہ بھی بیان کیا ہے۔

(ان تین قسموں کے دم دارستاروں اور ان کے خواص کے بارے میں مذکورہ جدول کی طرح کی ایک اور جدول بنا کر پیش کی ہے۔)

الغرض دم دارتاروں اور ان کے راستوں کے متعلق ہندوؤں کا طریقہ یہی تھا جو بیان ہوا۔

ہندوؤں میں ایسے لوگ کم ہیں جنہوں نے دم دارستاؤں اور دوسرے فلکی آثار کا مطالعہ اتنی دقت نظر سے کیا ہو جس طرح یونانی ماہرین طبیات کرتے تھے۔ ہندوان مسائل میں بھی اپنے علمائے مذہب کے اقوال کو نہیں ترک کرتے۔ مثلاً آسمانی حادثات کے بارے میں کہتے ہیں کہ گرج (بجلی کا کڑکا) ایروت کی چنگھاڑ ہے جو اندر کی سواری کا ہاتھی ہے اور جب وہ مانس تالاب کا پانی پیتا ہے تو مست ہو کر نہایت خوفناک آواز میں چنگھاڑتا ہے اسی طرح دھنک (توس قزح) ان کے نزدیک اندر کی کمان ہے جس طرح ہمارے عوام اسے رستم کی کمان کہتے ہیں۔

### خاتمہ کلام

ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے اس کتاب میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ اس شخص کے لئے کافی ہے جو ہندوؤں سے گفتگو کرنا اور انہیں کے اقوال و نظریات کی بنا پر ان سے ان کے مذہبی، علمی اور ادبی مسائل پر بحث کرنا چاہے۔ اس لئے اس کتاب کو جو اپنے طول و عرض میں اتنی بڑھ گئی ہے کہ پڑھنے والا اس کو پڑھتے پڑھتے اکتا جائے گا ختم کرتے ہیں۔ ہم اللہ سے ان باتوں کو نقل کرنے کی جوتق نہیں ہیں معافی چاہتے ہیں۔ ہم اس سے اس چیز پر مضبوطی سے قائم رہنے کی جس سے وہ خوش ہے توفیق مانگتے ہیں۔ ہم اللہ سے حق و باطل اور رطب و یابس میں تمیز کرنے والی فہم و طبع کے طالب ہیں۔ تمام بھلائی اسی کی طرف سے ہے اور وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ تمام تعریفیں صرف اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور درود و سلام ہو اس کے رسول محمد ﷺ اور ان کی کل اولاد پر۔

## منتخب حوالے

- ۱۔ ایڈورڈی سی "سٹاؤ" کرائونولوجی آف انشینیٹ نیشنز لندن ۱۸۷۹ء پیش لفظ XI-L
- ۲۔ البرونیز انڈیا، لندن ۱۸۸۸ء (اشاعت جدید، دہلی) پیش لفظ XIV-L دونوں جگہ سٹاؤ نے جس نے الہیرونی کو انگریزی دان طبقے میں متعارف کیا، الہیرونی کی زندگی اور اس کی اس تصنیف کی اہمیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔
- ۳۔ الہیرونی (یادگار جلد) ایران سوسائٹی کلکتہ ۱۹۵۱ء
- ۴۔ انڈو ایریکا جلد ۷ شمارہ ۴ (۱۹۵۲ء) الہیرونی ہزار سالہ تقریبات، ان دونوں جلدوں میں الہیرونی کی حیات و تصانیف سے متعلق اہم مواد موجود ہے جس کا علیحدہ حوالہ نہیں دیا گیا ہے۔
- ۵۔ خلیق احمد نظامی (مرتب) "پالکس اینڈ سوسائٹی ڈپورنگ دی ارلی میڈیول چیریڈ" (مجموعہ تصانیف پروفیسر ایم حبیب) "ابوریحان الہیرونی آن دی نیشنل کریکٹر آف دی ہندو ورس ۳۲-۲۸ ایضاً ہندو سوسائٹی ان دی ارلی مڈل ایجز ص ۵۷-۱۱۳ ایضاً انڈین کلچر اینڈ سوسائٹی ایٹ دی ٹائم آف ٹرکس نویشن ۲۲۸-۱۵۲۔
- ۶۔ پروفیسر حبیب نے یہ مضامین ۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۱ء میں قلمبند کئے تھے جو اس جلد میں شامل ہیں۔ ان میں الہیرونی کے مشاہدات پر بعض جگہ کڑی تنقید کی گئی ہے اور اصل کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔
- ۷۔ ایلینڈ اینڈ ڈاؤسن: ہسٹری آف انڈیا اینڈ ٹولڈ بائی اس اؤن ہسٹوریز جلد ۱۶۱ اشاعت جدید علی گڑھ ۱۹۵۲ء پیش لفظ از پروفیسر محمد حبیب ص ۸-۱۱ اور حواشی
- ۸۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام۔ مضمون، الہیرونی، از بایکلوٹ، جدید ایڈیشن، لندن ۱۹۶۰ء ص ۳۸-۱۲۳۶۔
- ۹۔ سی سی کلس پی مدیر ڈکشنری آف سائینٹفک بیا گرافی۔ مضمون "الہیرونی" از ای ایس کینڈی، نیویارک ۱۹۷۰ء ص ۵۸-۱۳۷۔
- ۱۰۔ اینسلے ٹی ایمری، الہیرونیز انڈیا (تلیخیص) نیویارک ۱۹۷۱ء پیش لفظ IX-X-V (مزید دیکھئے ص X مع حاشیہ)
- یہاں جن مضامین کا حوالہ دیا گیا ہے وہ الہیرونی کی زندگی اور ہندوستان پر اس کی تصنیف کے بعض

پہلوؤں سے متعلق ہیں۔ البیرونی کے متعلق مضامین کی مکمل فہرست کے لئے دیکھیے۔ جے دی پیرسن کی ”انڈس اسلاکس“ ۵۵-۱۹۰۶ کیمرج ۱۹۵۸ء ص ۳۸-۱۳۶ مزید ملاحظہ کیجئے سیریل نمبر ۷۷-۲۳ اور ۲۳۔

۱۰۔ آر سی محمد ازلے پیچ ان البیرونیز انڈیا، اے نند ایرا، جے بی او آریس، ۱۹۲۳ء ص ۱۸-۴۱۷۔  
۱۱۔ عبداللہ یوسف علی، البیرونیز انڈیا، آئی سی ا، شمارہ ۱، ۱۹۶۷ء ص ۳۵-۳۱ شمارہ ۲۰، ص ۳۰-۳۲۳۔  
ایضاً شمارہ ۳، ص ۸۷-۴۷۳

۱۲۔ زیڈ احمد، البیرونی آئی سی ۷، ۱۹۳۱ء ص ۵۱-۷۱۲۳۳، ۱۹۳۲ء ص ۶۹-۳۶۳۔  
۱۳۔ ایف کرن کاؤ بوریحان البیرونی، آئی سی ۷، ۱۹۳۳ء ص ۳۲-۵۲۸۔  
۱۴۔ ایس ایچ برنی، البیرونیز سائنٹفک ایچومنٹس، ایضاً ۵۳-۱۹۵۲ء ص ۳۸-۳۷۔  
۱۵۔ اے ایچ دانی، البیرونی، آن سنکرت لٹریچر، جے پی آریس، ۱۹۵۳ء ص ۱۷-۳۰۔  
۱۶۔ ایس اے علی البیرونی، وی اسکار اینڈ دی رائٹز پروگز و ویوم آف پاکستان ہسٹریکل کانفرنس ۱۹۵۳ء ص ۵۲-۲۳۳۔

۱۷۔ ایم ایل رائے چودھری، ابوریحان البیرونی اینڈ ہز انڈین اسٹڈیز، II VII ۱۹۵۳۔  
۱۸۔ بی سی لا۔ ”البیرونیز تاج آف انڈین جیوگرافی“ II VII ۱۹۵۳ء ص ۲۶-۱۔  
۱۹۔ ایم یاسین، ”البیرونی ان انڈیا“ آئی سی XLIX ۱۹۷۵ء ص ۱۳-۲۰۔  
۲۰۔ ایم ایس خان، البیرونی ان انڈیا یا مٹافزکس، LX ۱۹۸۱ء ص ۸۶-۱۶۱۔  
۲۱۔ گوند رکوز، ”البیرونی: این ارلی اسٹوڈنٹ آف کمپوزے ٹوریبل جنر“ LX1 ۱۹۸۲ء ص ۶۳-۱۳۹۔  
۲۲۔ ایم ایس خان، ”البیرونی اینڈ دی پولیٹیکل ہسٹری آف انڈیا“ اے جی برل لیڈن جلد ۲۵، ۲۶، ۸۶-۱۱۵۔

۲۳۔ مقبول احمد، ”البیرونی“، این انٹروڈکشن ٹو ہز لائف اینڈ رائٹنگس، مذکورہ مقالہ، البیرونی سپوزیم منعقدہ ۱۹۷۱ء میں پیش کیا گیا۔

۲۴۔ ایم غیاث الدین (غیر مطبوعہ پی ایچ ڈی مقالہ) ۱۹۶۹ء۔

”اے کرٹیکل انا لائسنس آف رائٹنگس آف البیرونی پریٹینگ ٹوانڈیا، مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

## حواشی

۱۔ ابوسہل عبدالمعظم ابن علی ابن نوح تفلسی..... یہ بات حیرت انگیز ہے کہ البیرونی نے ایسی اہم شخصیات کے بارے میں جس کی فرمائش پر اور جسے خوش کرنے کے لئے یہ کتاب تصنیف کی کچھ نہیں کہا ہے۔ سخاؤ نے اس سبب سے کہ ان کے نام کے ساتھ لفظ ”استاد“ شامل ہے، یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وہ سلطان محمود کے دربار کے کوئی بڑے افسر تھے اور غالباً ایرانی تھے کیونکہ استاد کا لقب بڑے بڑے سرکاری افسروں کے لئے مخصوص تھا۔

۲۔ معتزلہ..... اسلامی متکلمین کا ایک فرقہ جس کا بانی واصل ابن عطا (متوفی ۷۴۸ء) تھا۔ معتزلہ فلسفہ جبر کے قائل نہیں تھے۔ وہ انسان کو اپنے ارادے میں آزاد مانتے تھے۔ وہ صفات الہی کو بھی قدیم نہیں کہتے تھے۔ کیونکہ ان کے خیال میں صفات کو قدیم مان لینا عقیدہ توحید کے منافی ہے۔ وہ قرآن کو بھی حادث مانتے تھے۔ المامون کے دور خلافت (۸۱۳ء تا ۸۲۲ء) میں اس فلسفے کو بہت فروغ حاصل ہوا۔

معتزلہ کے عقائد پر یونانی فلسفے کا اثر تھا اور وہ عرصے تک بحث و مناظر کا موضوع بنے رہے اور ان کے بارے میں بحث و مناظرے کی بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ البیرونی نے ہندوؤں کے مذہب و فلسفہ پر جو کتاب لکھی ہے اس کے بارے میں صراحت کر دی ہے کہ وہ بحث و مناظرہ کی کتاب نہیں ہے۔

۳۔ ابوالعباس ایران شہری، ایران شہری تاریخ مذہب کا مصنف تھا۔ اس کتاب میں اس نے ہندوؤں اور بدھوں کے مذہب سے بھی بحث کی ہے۔ قدیم مسلمان مصنفین (جنہوں نے ہندوستانی تمدن کے بارے میں لکھا ہے) میں ایران شہری وہ واحد مصنف ہے جس کے طریقہ تحقیق کو البیرونی نے سراہا ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب میں اس نے اصل تاخذ کے علاوہ ہندوؤں کے مذہب یا تمدن کے بارے میں اگر اور کسی کتاب کا حوالہ دیا ہے تو وہ ایران شہری کی کتاب ہے۔

پرانے عرب جغرافیہ دانوں نے ایران شہری سے پوری ساسانی قلمرو مراد لی ہے لیکن یہاں ایران شہری سے مراد اس نام کا ایک قصبہ ہے۔

۴۔ زرقان، زرقان کے متعلق البیرونی نے صرف اتنا کہا ہے کہ اس نے بدھ دھرم پر ایک رسالہ

تصنیف کیا تھا جسے ایران شہری (نمبر ۳) نے اپنی کتاب میں نقل کرویا ہے۔ البيروني زرقان کی کتاب کو زیادہ مستند نہیں مانتا تھا لیکن سخا کا کہنا ہے کہ البيروني نے اپنی کتاب میں بدھوں کے بارے میں جو تھوڑا بہت لکھا ہے اس کا ماخذ زرقان ہی ہے۔

۵۔ ساکھیا: رشی کپل کا بنا کردہ مکتب فکر جس میں مادہ اور روح کی ثنویت اور دہریت پر زور دیا گیا ہے۔ البيروني نے اس کا ذکر اپنی کتاب کے صفحہ ۲۴، ۲۵ پر کیا ہے۔

البيروني نے ساکھیا کو کپل کی تصنیف شمار کیا ہے۔ اس نے اس کا ترجمہ عربی میں کیا ہے اور اپنی کتاب میں مذہب اور فلسفے کے ذیل میں کثرت سے اس کا حوالہ دیا ہے۔ سخا نے اس کی شناخت کے ضمن میں ساکھیا پاون 'جتم' کا حوالہ دیا ہے۔ دی ساکھیا ایفوزم آف کپل (اور دو دیگر تصانیف یعنی ایشور کرشنا (چوتھی صدی عیسوی) کا ساکھیا کاریکا رڈ اور گوڈاپاڑا) دیکھئے حاشیہ ۷) کی "بھاشیہ" کا بھی ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اگرچہ یہ ساکھیا کے مشابہ ہیں لیکن فی الاصل ساکھیا نہیں ہیں۔ یہاں یہ بتا دینا مناسب نہ ہوگا کہ ساکھیا مکتب فکر کی اول الذکر تحریر ششی تانترا از ورشامکیر ہے جو پہلی یا دوسری صدی عیسوی سے تعلق رکھتی ہے۔ ساکھیا مکتب فکر کے مطابق نجات دوبارہ جنم لینے والے اور صرف ایک بار پیدا ہونے والے دونوں کو حاصل ہو سکتی ہے جب کہ پورا ماسا اور دیانت کے مطابق یہ صرف دوبارہ جنم لینے والے کو ہی حاصل ہوتی ہے۔

۶۔ پانچلی (پانچلی؟) سخا کے مطابق اصل عربی میں عام طور پر "پانچلیا" لکھا ہے (عربی میں "پ" نہیں ہے۔ اس لئے پ کی جگہ ب استعمال ہوتا ہے) البيروني نے صرف ایک جگہ "صاحب کتاب پانچلی" لکھا ہے اور یہاں پانچلی سے مراد مصنف نہیں بلکہ خود کتاب ہے جب کہ دو اور جگہوں پر پانچلی "لکھا ہے اور یہاں پانچلی سے مراد مصنف نہیں بلکہ خود کتاب ہے جب کہ دو اور جگہوں پر پانچلی مصنف کے نام کے طور پر لکھا گیا ہے۔

اس لئے سخا نے یہ قیاس کیا ہے کہ غالباً مصنف کے نام کو کتاب کی نشاندہی کے طور پر استعمال کیا گیا ہے اس لفظ کے بارے میں سخا نے لکھا ہے کہ البيروني نے اسے الف مدودہ کے ساتھ لکھا ہے لیکن ہر جگہ ایسا نہیں ہے۔ اس لئے سخا نے اسے سنسکرت اصل کے مطابق "پانچلی" لکھا ہے۔

ساکھیا کی طرح البيروني نے اس کتاب کا ترجمہ بھی عربی میں کیا تھا اور فلسفہ و مذہب کے ضمن میں اپنی کتاب میں بھی اس کے حوالے دیئے ہیں۔

پانچلی، یک سوتر، نامی کتاب (چوتھی صدی عیسوی) کا مصنف تھا۔ سخا کے مطابق البيروني کی پانچلی یوگا (مصنفہ پانچلی) سے قطعاً مختلف اور علیحدہ تصنیف ہے۔

۷۔ گیتا، یہ بھارت نامی بڑی کتاب..... کا ایک جزو ہے اور اول الذکر دو کتابوں کی طرح الہیرونی نے مذہب و فلسفہ کے ذیل میں اس کا بھی کثرت سے حوالہ دیا ہے۔ یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ الہیرونی نے اسے کتاب بھارت کا ایک جزو کہا ہے لیکن ”مہا بھارت“ کا نام نہیں لیا۔

سناو نے الہیرونی کے پیش کردہ متن اور موجودہ بھگود گیتا کے متن کے فرق کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ”سناو“ کا خیال ہے کہ الہیرونی کا نسخہ زیادہ قدیم اور مکمل تھا۔ سناو کو حیرت ہے کہ اس نسخہ کی کوئی جلد اب باقی نہیں ہے (دیکھئے نوٹ ۱۲ کا آخری پیرا گراف جس میں الہیرونی نے استعمال کردہ سنسکرت متون پر روشنی ڈالی گئی ہے) سناو نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ الہیرونی نے اصل متن کے بجائے کسی شرح سے استفادہ کیا ہو۔

۸۔ فرقہ جبریہ..... لفظ جبر سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں مجبور ہونا۔ اس فرقے کے پیرو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے قائل ہیں اور انسان کو اپنے ارادہ و عمل میں باختیار نہیں مانتے، اس امر میں ان کے عقائد معتزلہ کے برعکس ہیں۔

۹۔ ابوالفتح البوستی..... سلطان محمود اور اس کے بعد اس کے بیٹے سلطان مسعود کے دربار کا ممتاز شاعر جو بوست (افغانستان) کا رہنے والا تھا اور پہلے سامانیوں کے دربار سے وابستہ رہ چکا تھا۔ اس نے ۱۰۳۹ عیسوی میں وفات پائی۔

۱۰۔ بدھوں اور شامی..... سناو کا یہ قیاس کہ بدھوں اصل میں سدودھن کی تحریف ہے (جو مہاتما بدھ کے باپ تھے) قابل قبول نہیں ہے کیونکہ سیاق و سباق سے ایسا ظاہر نہیں ہوتا۔ ان کا دوسرا خیال کہ ایران شہری (دیکھئے حاشیہ ۳) کی تصنیف جس سے الہیرونی نے استفادہ کیا ہے میں شاید لفظ سدھودن استعمال ہوا تھا (عربی میں دونوں یکساں لکھے جاتے ہیں) اور سدھودن سے مراد سدودھون (سدودھونی) ہے زیادہ قابل قبول ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ ایک اور جگہ الہیرونی نے خود بھی بدھوں کو سدھودن کا بیٹا لکھا ہے۔ غالباً سناو کی اس لفظ پر نظر نہیں گئی۔ عربی میں بدھوں کے لئے شامی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہ ایک پراکرتی لفظ ”سرمن“ سے ماخوذ ہے۔ الہیرونی نے انہیں محامر یعنی سرخ لباس والے بھی کہا ہے جس سے ظاہر ہے کہ سرخ لبادوں والے بدھ ہی مراد ہو سکتے ہیں۔

۱۱۔ دشنو پران..... یہ میزانون میں سے ایک ہے (دیکھئے حاشیہ ۱۶) اس کے چھ حصے ہیں جن میں سے پانچ کائنات سے متعلق ہیں۔ چھٹا حصہ جس کو کتاب کالب لباب کہنا چاہئے نوجوان کرشن کے مشاغل و تفریحات کو بیان کرتا ہے اس کتاب میں کرشن کو دشنو کی تجسیم تصور کیا گیا ہے۔

۱۲۔ دشنودھرم..... الہیرونی نے اس تصنیف کا ذکر ہندوؤں کے مذہبی ادب کے ذیل میں کیا ہے۔

(باب ۱۲) اور کہا ہے کہ اس کے معنی ”خدا کا دین“ ہے۔ یہاں خدا سے مراد نارائن ہے۔ ”سخاو“ اس تصنیف کی شناخت نہیں کر سکتے ہیں۔ انہوں نے یہ کہنے پر اکتفا کیا ہے کہ یہ ایک طرح کا پران ہے جو پرانوں کی طرح حکایات وغیرہ سے پر ہے۔ سخاو نے یہ بھی بتایا کہ الہیرونی نے اسے پرانوں کی فہرست میں شامل نہیں کیا..... انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ الہیرونی نے سونک کی جو روایت متعدد جگہ نقل کی ہے وہ غالباً وشنودھرم سے ماخوذ ہے..... ان کا خیال ہے کہ غالباً یہ کتاب وہی ہے جس کا نام وشنودھرماترا پران ہے اور جس میں کہا جاتا ہے کہ برہم گپتا کی برہم سدھانت بھی شامل ہے۔ الہیرونی کے پاس اس کتاب کا ایک نسخہ تھا اور سخاو کے خیال کے مطابق کتاب کا یہ نسخہ اصل مکمل کتاب کا ایک حصہ ہے۔

الہیرونی نے سنسکرت کے جن متون سے استفادہ کیا ہے ان کی ثقاہت کے بارے میں ملاحظہ کیجئے ڈاکٹر بے گوٹڈا کا مضمون ”ریمارکس آن الہیرونی کوٹشتر فرام سنسکرت ٹکسٹس“ اے سی وی ص ۱۸-۱۱۱، ڈاکٹر گوٹڈا لکھتے ہیں کہ ان اقتباسات کی صداقت پرانوں کا متن دستیاب ہو جانے کے بعد پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔ تصانیف کی شناخت کے سلسلے میں سخاو کے خیالات کی تصدیق بعد کے مصنفین کر چکے ہیں۔ ۱۳۔ چار ذاتیں اور انتیاج..... ذات پات کے نظام اور مختلف ذاتوں میں پائے جانے والے رسم و

رواج کے متعلق الہیرونی کی کتاب کے یہ ابواب (باب LXII, IX اور LXIV) کتاب کا اہم ترین حصہ ہیں۔ قرون وسطیٰ میں جس طرح یہ نظام نافذ العمل تھا اس کا اتنا تفصیلی بیان کسی اور غیر ہندی مصنف نے نہیں کیا ہے۔ بی بی محمد ار (سوشا کنا مک ہسٹری آف ناردرن انڈیا) ۱۰۳۰ء تا ۱۱۹۳ء ۱۹۶۰ء ص ۷۹ کا خیال ہے کہ الہیرونی نے ذات پات کے نظام کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ مذہبی کتابوں کے مطابق ہے جبکہ عملاً ایسا نہیں تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ گیارہویں صدی میں ذاتوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور بعض مخلوط ذاتیں بھی موجود تھیں۔ الہیرونی نے اس وقت کی اصل حالت کا نقشہ بھی کھینچا ہے۔ مثلاً انہوں نے آخر الذکر دو ذاتوں (یعنی ویش اور شودر) کے بارے میں لکھا ہے اگرچہ دونوں ذاتیں بالکل مختلف ہیں لیکن شہروں میں وہ ساتھ ساتھ ایک ہی مکان میں رہتی ہیں، اس سے مختلف ذاتوں کے مابین شادیوں کے چلن کی بھی تصدیق ہوتی ہے، جہاں تک انتیاجوں کا تعلق ہے پروفیسر محمد ار کا کہنا ہے کہ جب ابتدائی سریتیاں تیار کی گئی تھیں تو اچھوتوں کو انتیاج کہا جاتا تھا لیکن ان کی ذیلی تقسیم میں کچھ اختلاف ہے۔ بعض جگہ ان کی تعداد سات اور بعض جگہ بارہ بتائی گئی ہے۔ الہیرونی نے ان کا ذکر شودروں کے بعد کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ان کا شمار ذاتوں میں نہیں ہوتا۔ ان کو ان کے پیشوں سے جوڑا جاتا ہے۔ مثلاً چڑی مار، چمار، نٹ، ٹوکرا ساز، ملاح، مچھیرا، شکاری، جلاہا وغیرہ۔ پروفیسر محمد ار نے ان کے قدیمی ناموں کی نشاندہی کی ہے مثلاً جک، چرم کار، نٹ، برودا، نادیکا، کیوارت، بھیل اور کوونڈک اور



کہا ہے کہ انہیں ابتدائی سمرتیوں میں چندال یا انتیاج کہا جاتا ہے۔

۱۳۔ قرمطی..... ایک انتہا پسند منظم فرقہ جو پہلے اسماعیلی تحریک سے منسوب بتایا جاتا ہے اس کی ابتدا کے متعلق یقین سے کچھ نہیں معلوم۔ بہر حال یہ فرقہ رزمیہ تاویل پر زور دیتا تھا اور بعض اشتر کی رجحانات کا حامل تھا۔ اس طبقے کے پیروں کو بعض جدید مصنفوں نے ”اسلام کے بالشویک“ کہا ہے۔ یہ لوگ مذہبی رواداری کے قائل تھے اور مزدوروں اور صناعتوں کی تنظیموں کے قیام کے قائل تھے اور جائداد اور بیوی کو مشترکہ ملکیت قرار دیتے تھے۔

اس فرقے کا بانی ایک عراقی کسان ہمدان قرمط تھا۔ اسی نسبت سے اس کے پیرو قرمطی یا قرمطی کہلانے لگے۔ انہوں نے خلیج فارس کے مغربی کنارے پر اپنی حکومت قائم کر لی تھی (۸۹۹ء) جو عیسائیوں کے لئے ایک مستقل درد سر تھی۔ ۹۳۰ء میں انہوں نے مکہ مکرمہ پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا اور حجر اسود کو اپنے ساتھ لے گئے جس کی واپسی ۲۰ سال بعد خلیفہ منصور (۵۲-۱۹۶) کے حکم سے عمل میں آئی۔ بعد میں انہوں نے بالائی سندھ کے بیشتر علاقے پر قبضہ کر لیا۔ سلطان محمود نے ان کو شکست دے کر اس علاقے سے ان کا قبضہ ہٹایا۔ البیرونی نے یہاں اسی واقعے کا ذکر کیا ہے۔ محمود کی وفات کے بعد انہوں نے اپنا کھویا ہوا علاقہ دوبارہ حاصل کر لیا۔ ۱۱۷۵ء میں سلطان معز الدین محمد غوری (۱۲۰۶-۱۱۷۳) نے ان کو شکست دے کر اس علاقے سے نکال دیا۔

۱۵۔ ورہ میہر (ورہ میر) چھٹی صدی عیسوی کا مشہور ہندوستانی منجم اور مشہور کتابوں پیچ مدھاتیک اور برہت سمہت کا مصنف۔ البیرونی نے دونوں کتابوں کا کثرت سے حوالہ دیا ہے۔ آخر الذکر کتاب اگرچہ احکام نجوم سے متعلق ہے لیکن اس میں فن تعمیر، صورت گری اور باغبانی کے موضوعات بھی شامل ہیں۔ ایچ کرن نے اس کتاب کو مدون کیا اور اس کا انگریزی میں ترجمہ کر کے ”بہلیو تھیک انڈیکا“ سلسلے (۱۸۶۳-۱۸۶۵) میں جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن) کو جلد VII: ۱۷۱ میں شائع کیا۔ ۱۶۔ واسکو کشمیری..... جس نے وید کو قلم بند کیا۔ وید دسویں گیارہویں صدی میں قلم بند کئے گئے۔ البیرونی کا اس طرف اشارہ کرنا ایک اہم تحقیقی کارنامہ ہے۔ افسوس کہ واسکو کا لکھا ہوا نسخہ اب موجود نہیں ہے۔

۱۶۸۔ پران..... پرانا کے معنی قدیم کے ہیں۔ ایک ادبی صنف ہونے کے ناتے یہ قدیم مذہبی نظمیں ہیں اور ان میں حکایات اور مذہبی ہدایات شامل ہیں۔ اصل میں یہ کتاب مبادیات تھیں جیسا کہ ان میں سے پانچ ناموں سے ظاہر ہوتی ہے۔ مثلاً تخلیق، بار تخلیق (دیوتاؤں اور شیوں کے نسب نامے) چار زمانے (یگ) اور راجاؤں کے نسب نامے۔ اے۔ ایل۔ ہاشم (دی ونڈر ڈیٹ واز انڈیا) کے

مطابق اپنی موجودہ شکل میں یہ گپتا زمانے سے آگے نہیں جاتے۔ (۵۳۰-۳۱۹ عیسوی)..... لیکن ان میں جو روایات مذکور ہیں وہ بے حد قدیم ہیں۔

البيروني نے ۱۸ پرانوں کے ناموں کی فہرست بھی دی ہے جو کہ اس نے سن کر لکھ لئے تھے۔ اس نے ایک اور کسی حد تک مختلف فہرست بھی دی ہے۔ اس فہرست میں بھی ۱۸ نام ہیں۔ یہ فہرست البيروني کو وشنو پران سے پڑھ کر سنائی گئی تھی۔ البيروني نے مزید لکھا ہے کہ ان پرانوں میں سے صرف تادمیہ، آدتیہ اور واپو پرانوں کے اجزاء ہی اس نے دیکھے ہیں۔

۷۔ سرتی..... سرتی (یادداشت) بھی مذہبی ادب ہی کی ایک قسم ہے جو قوانین کی کتابوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سب سے مشہور منو سرتی ہے (منو کی کتاب قانون) جس کی تکمیل دوسری صدی عیسوی میں ہوئی۔ البيروني نے سرتی کا ذکر ایک الگ کتاب کی حیثیت سے کیا ہے جس میں اوامر و نواہی مذکور ہیں۔ بہر حال البيروني نے سرتی کتابوں کی جو فہرست دی ہے وہ بہت اہم ہے کیونکہ اس میں چند چھوٹی سرتیوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ مثلاً آتری، نرتیا اور دکشا۔ اس سے ہمیں ان سرتیوں کی ترتیب کا زمانہ معلوم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ البيروني نے لکھیا اور سنکھا..... کو دو الگ کتابیں شمار کیا ہے حالانکہ وہ ایک ہی ہے یعنی ”سنکھا لکھیا“

۸۔ الف: گودارشی..... البيروني نے انہیں شکر اچاریہ کے پیش رو گوڈاپاڑا کی حیثیت سے نہیں پیش کیا ہے لیکن سخا کا خیال ہے کہ وہ گوڈاپاڑا ہی تھے۔ حیرت ہے کہ البيروني نے شکر اچاریہ کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ ۱۸۔ نیایہ بھاس ازکیل..... سخا کا کہنا ہے کہ وہ اس لفظ کی کتابت کے بارے میں مطمئن نہیں ہیں۔ عربی میں اسے ”نیائے بھاش“ لکھا گیا ہے۔ سخا کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس کتاب کے مشمولات کا گوتم کے فلسفہ نیائے سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ جینئی کے مہاسا فلسفے سے تعلق رکھتے ہیں جن کا نام تھوڑا ہی آگے چل کر مذکور ہے۔ نیائے ہندو فلسفے کے چھ روایتی مکاتب فکر میں سے ایک ہے اور ان کی کلیدی کتاب ”نیائے سوتر“ ہے جو اکش پاڑا گوتم (چوتھی صدی عیسوی) کی تصنیف ہے۔ اس کی شرح سولہویں صدی میں لکھی گئی اور نیائے بھاسیہ کے نام سے منسوب ہے۔ اس شرح کے مصنف کا نام معلوم نہیں لیکن البيروني نے کپل کو اس شرح کا مصنف کہا ہے۔

۱۹۔ مہاسا..... (تحقیق) رشی جینی کا قائم کیا ہوا دبستان فکر۔ اس دبستان کے مفکرین وید کو قدیم اور کلام الہی مانتے تھے اور ان کا اصل مقصد وید کی اسی نقطہ نظر سے تفسیر و تشریح کرنا تھا۔ اس دبستان فکر کے دو ذیلی مکاتب بھی ہیں۔ ایک پورو مہاسا جس نے ویدک رسومات کو بیان کیا ہے اور دوسرا تر مہاسا جس کا موضوع ویدک معتقدات کو بیان کرنا ہے۔ البيروني کی مراد یہاں اول الذکر سے ہے۔ جینئی کی

کتاب پورو ماسا سوتر چوتھی۔ پانچویں صدی کی تصنیف ہے۔

۶۰۔ کتاب ”لوکایت“..... سخاؤ نے لکھا ہے کہ لوکایت مکتب فکر کی بنیاد پر ہستی نے ڈالی تھی جو کتاب ”برہم پیتا سوترم“ کا مصنف تھا۔ اس کے پیرو مادی مفکر تھے جو کسی ہستی کے قائل نہیں تھے کہ محسوسات ہی کے ذریعے علم کا حصول یا کسی بات کو ثابت کرنا ممکن ہے۔ الہیرونی نے ”لوکایت“ کا ذکر ایک کتاب کی حیثیت سے کیا ہے جو اس کتاب کی فکر سے تعلق رکھنے والے کسی مصنف نے لکھی تھی۔

۲۰ الف: کتاب ”اگستہ مت“..... دو کتابوں کے ناموں کے پہلے جزو میں آگستہ؟ آتا ہے اول الذکر کا نام ”آگستہ سوتی وشنا سواڈ“ ہے جو بھگتی اسکول کے رامایت فرقے کے کسی شخص نے چھٹی اور دسویں صدی عیسوی کے درمیان لکھی ہے۔ دوسری کتاب کا نام اگستہ سوتر جو دیوی بھگوتی کے ساتھ ساکتہ اسکول کی بنیادی کتاب شمار ہوتی ہے۔ یہ لوگ ”دیوی“ پوجا کے قائل تھے۔ یہ کتاب قرون وسطی کے ابتدائی زمانے کے آخری حصے میں لکھی گئی۔ یہ واضح نہیں کہ الہیرونی نے مذکورہ بالا دونوں کتابوں میں سے کس کا ذکر کیا ہے۔

۲۱۔ پانی..... چوتھی صدی ق م کے مشہور ہندوستانی ماہر قواعد کا نام جس نے سنسکرت کی مشہور قواعد ”اشٹ ادھیائے“ (آٹھ مقالے) تصنیف کی۔

۲۲۔ ابوالاسود الدولی..... عربی صرف و نحو کا موجد تھا۔ ۶۸۱ھ میں موت پائی۔

۲۳۔ سندھند..... الہیرونی کہتا ہے کہ ہندو نجوم کی ہر کتاب کو ”سدھانت“ کہتے ہیں۔ الفزاری نے خلیفہ منصور (۷۵۰-۷۵۴ء) کے حکم سے ان میں سے ایک کتاب کا یعنی برہم گپتا (حاشیہ ۲۵) کی برہم سدھانت کا سندھند کے نام سے عربی میں ترجمہ کیا تھا۔ عرب سب سے پہلے ہندوستانیوں کے علم نجوم سے اسی ترجمے کے ذریعے واقف ہوئے۔

۲۴۔ پولس اور پلس الہیرونی نے یہ دونوں نام دو مختلف شخصوں کے لئے استعمال کئے ہیں۔ اول الذہ یونانی اور ”پولس سدھانت“ کا مصنف تھا۔

۲۵۔ برہم گپتا..... ساتویں صدی عیسوی کا مشہور ہندوستانی منجم اور ہندو سداں الہیرونی نے اس کی مشہور کتاب ”برہم سدھانت“ کے بعض اجزاء کا عربی میں ترجمہ کیا تھا..... الہیرونی نے اپنی کتاب کے صفحہ ۷۲ پر اس کے موضوعات کو بیان کیا ہے۔ ہیرونی نے اس کی دوسری کتاب ”کھانڈ کھڈ ایک“ کا بھی ذکر کیا ہے جو عربوں میں ارکند“ کے نام سے متعارف ہے۔ اس کتاب کی شرح موسوم یہ ”کھانڈا کھڈ ایک نپا“ کو الہیرونی نے غلطی سے بھل بھل کر تصنیف سمجھ لیا ہے۔ الہیرونی نے یہاں یہ بھی بتایا ہے کہ اس نے سیاہیل کشمیری کی فرمائش پر اسے ایک کتاب لکھ کر دی تھی جس کا نام ”عربی کھانڈ کھڈ ایک“ تھا۔

الہیرونی نے برہم گیتا کے علم و فضل کی وسعت اور اس کی غیر معمولی ذہانت کی تعریف کی ہے لیکن اس بات پر شدید نکتہ چینی کی ہے کہ اس نے بعض امور میں مذہبی رہنماؤں کی خوشنودی کے لئے جان بوجھ کر علمی حقائق سے روگردانی کی ہے۔ الہیرونی کا خیال ہے کہ شاید اس نے حالات سے مجبور ہو کر اور یونان کے سقراط جیسے حشر سے بچنے کے لئے ایسا کیا تھا۔ برہم گیتا نے ممتاز ہندوستانی ماہر ہیئت آریہ بھٹ (حاشیہ ۲۶) کی شان میں جو گستاخی کی ہے الہیرونی نے اس بات پر اس کی سخت مذمت کی ہے۔

۲۶۔ آریہ بھٹ..... پانچویں صدی عیسوی کا مشہور مخم اور ہندوہ دان۔ سب سے پہلے اسی نے ہندو کو ایک مستقل علم کی حیثیت دی اور حساب کے اعشاری نظام کو ایجاد کیا۔ یہ اس کا ایک اہم کارنامہ ہے۔ اس کی مشہور کتاب آریہ بھٹ ۴۹۹ عیسوی میں تصنیف ہوئی۔ ایچ کرن نے اسے مدون کیا اور اس کی شرح بھی لکھی اور ۱۸۷۷ء میں اسے لیڈن سے شائع کیا۔ حال ہی میں ہندوستان بلدیوٹرانے اس کی شرح سنسکرت اور ہندی دونوں زبانوں میں لکھی تھی جسے بہار ریسرچ سوسائٹی پٹنہ نے ۱۹۶۶ء میں شائع کیا۔

الہیرونی نے لکھا ہے کہ آریہ بھٹ کی کتاب اس کی نظر سے نہیں گزری البتہ برہم گیتا نے اس کے جو اقتباسات نقل کئے ہیں انہیں دیکھا ہے۔

آریہ بھٹ کا کہنا تھا کہ زمین ایک کرہ ہے اور اپنے محور پر گردش کر رہی ہے۔ اس نے گرہن کے بارے میں روایتی عقائد پر بھی نکتہ چینی کی ہے اور کہا ہے کہ چاند گرہن اس وقت ہوتا ہے جب چاند زمین کے سائے میں داخل ہو جاتا ہے اور سورج گرہن اس وقت ہوتا ہے جب چاند سورج کو ڈھک لیتا ہے اور اسے ہماری نظروں سے چھپا لیتا ہے۔ برہم گیتا نے آریہ بھٹ کے ان عقائد پر کڑی نکتہ چینی کی ہے۔

الہیرونی نے آریہ بھٹ نام کے دو اشخاص کا ذکر کیا ہے۔ آریہ بھٹ کبیر اور آریہ بھٹ کسم پورا (جو آریہ بھٹ کبیر کا ہم خیال ہے..... آریہ بھٹ کسم پورا القف نامی کتاب کا مصنف تھا۔ اس نے ایک اور کتاب بھی لکھی تھی جس کی شرح بل بھدر نے لکھی تھی۔

۲۷۔ چک..... مصنف، چک سمہت، کشن راجا کنشک کا درباری طبیب تھا (پہلی صدی عیسوی) ہندوستان کا قدیم فن طب اسی کتاب پر مبنی ہے اور یہ ہندوستان کی سب سے پہلی طبی کتاب ہے۔ الہیرونی نے اس کتاب کے عربی ترجمے کا حوالہ دیا ہے اور اس کے اقتباسات بھی نقل کئے ہیں۔ یہ ترجمہ برکی خاندان..... کے کسی امیر کی فرمائش پر کیا گیا تھا۔

۲۸۔ برا مکہ..... خلیفہ منصور کا بااثر وزیر خالدا بنی برک کا خاندان، خالد بن علی کی ایک بدھ خانقاہ کے مجاور اعلیٰ (برک) کا بیٹا تھا۔ منور اور مہدی (۸۳-۷۷۵) کے عہد حکومت میں برا مکہ علماء کی بہت قدر

کرتے تھے اور ان کے عہد اقتدار میں عباسی دربار میں ایرانی اور ہندوستانی تہذیبی اثرات کو نمایاں ترقی حاصل ہوئی۔

۲۹۔ کلید و دمنہ..... ایک سنسکرت کتاب کے فارسی ترجمے کا عربی ترجمہ۔ سنسکرت اصل اور فارسی ترجمہ دونوں اب نایاب ہیں۔ ابن المقفع (متوفی ۷۵۷ء) کے عربی ترجمے سے اس کتاب کے متعدد زبانوں میں ترجمے ہوئے۔ یہ کتاب شہزادوں کے اخلاق و سیاست کی تعلیم دینے کے لئے لکھی گئی حکایات پر مشتمل ہے۔

نایاب سنسکرت متن کے کچھ اجزاء تختہ میں موجود ہیں جن میں یہی حکایات زیادہ تفصیل سے بیان کی گئی۔  
۳۰۔ عبداللہ ابن المقفع..... یہ ایک زرتشتی (آتش پرست) تھا جو بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ اسے ۷۵۷ء میں لحد ہو جانے کے نتیجے میں جلادیا گیا تھا۔

۱۳۰ء: ادون پور یعنی پور دینس..... یہ غالباً ادونت پوری ہے جو قرون وسطی کے بہار (۱۲۰۰-۶۰۰) کی چار مشہور یونیورسٹیوں میں سے ایک تھی۔ اس کا قیام ۷۲۵ء کے آس پاس عمل میں آیا تھا اور موجودہ نالندہ ضلع کے مقام بہار شریف کے باہر کی پہاڑیوں پر واقع تھی۔ ملاحظہ کیجئے یوگیندر مشرا کی ”دی ادونت پوری دہار“ راما کرشنار یو یو جرنل کا سالنامہ ۱۹۸۴ء ص ۱۱۴-۹۳ یہ درسگاہ ”نالندہ وہار“ کی زیادہ مشہور درسگاہ سے مختلف تھی جو کسی قریبی مقام پر واقع تھی۔

۳۱۔ قونج اور ہاڑی..... مشہور راج دھانی قونج کی تباہی اور راج دھانی ہاڑی شہر کی منتقلی کے بارے میں الہیرونی کا یہ بیان بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ راج دھانی کی منتقلی، قونج پر محمود کے حملے (۱۰۱۸ء) سے کچھ پہلے عمل میں آئی تھی۔ آریس تپاٹھی نے اپنی کتاب تاریخ قونج کی اشاعت ۱۹۶۳ء کے صفحہ ۶۸۴ پر اس بات کا ذکر کیا ہے لیکن اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا ہے۔ پروفیسر وائی مشرانے اپنی کتاب ”پنجاب اور افغانستان کے ہندو بادشاہ“ (۱۰۲۶-۸۶۵) مطبوعہ پٹنہ ۱۹۷۰ء کے ص ۱۳۷ پر لکھا ہے کہ ہاڑی (جسے انہوں نے وری لکھا ہے) لکھنڈری کے پرتی ہار راجا کی خیمہ بستی تھی اور محمود کے ہاتھوں تاراج ہونے کے بعد اس کا کوئی نشان باقی نہیں رہا تھا۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ الہیرونی نے جس نے یہ کتاب محمود کے حملے کے تقریباً بارہ سال لکھی تھی۔ ہاڑی کو شہر کہا ہے۔

۳۲۔ فرخ..... فاصلے کی مقدار جو ۴ میل کے برابر ہوتی ہے۔

۳۳۔ یعقوب اور الفزاری یعقوب ابن طارق اور محمد بن ابراہیم الفزاری اولین مسلمان منجم تھے جنہوں نے ہندوؤں کے نجوم کو اسلامی دنیا میں متعارف کرایا۔ اول الذکر کا زمانہ آٹھویں صدی کا نصف ثانی تھا۔ انہوں نے نجوم اور ہندی جغرافیہ کے موضوع پر ایک کتاب لکھی تھی جس کا حوالہ الہیرونی نے دیا

ہے۔ البیرونی نے مصنف کے بعض منسکرت الفاظ کے غلط ترجمے اور بعض نظریات کو غلط سمجھنے پر نکتہ چینی کی ہے۔ الفزاری نے برہم سدھانت (حاشیہ ۶۵) کا عربی میں ترجمہ کیا تھا۔ سخاؤ کا کہنا ہے کہ الفزاری نے برہم گیتا کی ایک اور کتاب ”کھانڈکھا ایک“ کا بھی ترجمہ کیا تھا جو عربیوں میں ”آرکند“ کے نام سے متعارف تھا۔

۳۴۔ رام اور رامائن..... سی بلکے نے البیرونی اور رام کتھا‘ اے سی وی‘ میں لکھا ہے کہ اگرچہ البیرونی نے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں سے متعلق اپنی کتاب کے باب (۱۲) میں رامائن کا ذکر نہیں کیا لیکن جا بجا اس نے رام اور رامائن کے قصے کا ذکر کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس عظیم رزمیے سے مندرجات سے بخوبی واقف تھا۔

۳۵۔ محمد ابن زکریا رازی (صفحہ ۱۴۴) ابو بکر محمد ابن زکریا رازی (۹۲۵-۸۶۵) بغداد کے شاہی شفا خانے کے طبیب اعلیٰ اور طب کے متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کی سب سے مشہور تصنیف ”الحادی“ ہے۔

۳۶۔ برہم راجا سامند..... بھیم پال (صفحہ ۹۳-۱۹۲) سخاؤ نے اس کتاب کے باب ۲۴ میں مشمولات کی عدم یکسانیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کا شروع کا حصہ وشنودھرم سے ماخوذ ہے (دیکھئے حاشیہ ۱۲) لیکن بعد کے حصے کے سلسلے میں (جو کابل کے بادشاہوں کے خاندان سے متعلق تھے) البیرونی نے کسی تحریری ماخذ کا حوالہ نہیں دیا۔ یہ البیرونی کے عام معمول کے خلاف ہے اگر اس نے کسی ماخذ سے استفادہ کیا ہوتا تو اس کا حوالہ ضرور دیتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حصہ زبانی اطلاعات پر انحصار کرتا ہے اور اس زمانے کے شمال مغربی ہندوستان کے تعلیم یافتہ ہندوؤں میں رائج روایات سے ماخوذ ہے۔ البیرونی نے اکثر اس قسم کی روایات کے غیر معتبر ہونے کی طرف اشارے کئے ہیں اور اس حصہ کے بارے میں اس نے خاص طور پر یہ بات کہی ہے کہ اس کے واقعات کی ثقاہت مشتبہ ہے۔ اس لئے اس بات کی کمزوری کی ذمہ داری البیرونی سے زیادہ ان لوگوں پر ہے جنہوں نے اسے یہ معلومات فراہم کی تھیں۔

ہندو شاہوں پر جدید ترین معلومات کے لئے دیکھئے یوگیندر مشرا کی کتاب (دی ہندو شاہیز آف افغانستان اینڈ پنجاب) ۱۰۲۶ تا ۱۰۲۷ عیسوی پٹنہ ۱۹۷۲۔ پروفیسر مشرا نے البیرونی کی فہرست کو صحیح قرار دیا ہے لیکن یہ کہا ہے کہ یہ شاہ برہمن نہیں چھتری تھے۔

۳۷۔ گھوڑی کو آواز داندہ گھومنے دیا جاتا ہے..... تمام مستند ماخذ میں لکھا ہے کہ اس مقصد کے لئے گھوڑا استعمال ہوتا تھا لیکن البیرونی نے گھوڑی لکھا ہے۔

۲۸۔ یہ اطلاع نہایت دلچسپ ہے ایسے لوگوں کی تعداد خاطر خواہ ہوگی جہی تو ان کے بارے میں قانون و ارثت میں تصریح موجود ہے۔

۳۹۔ ایک بڑا درخت پریاگ نامی ہے۔ اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ وائاسل کا ایک پیڑ گنگا اور جمنہ کے سنگم پریاگ میں موجود تھا اور جس کو پریاگ ورکش یا عبادت کا درخت کہا جاتا تھا۔

۴۰۔ ہندو تہوار..... سخاؤ نے ہندو تہواروں سے متعلق حصے کا مقابلہ ایچ ایچ ولسن کے مضمون (وی رٹپچس فیسٹولز آف ہندو) (مشمولہ ایسز اینڈ ٹیکچرس) جلد II سے کیا ہے اور کہا ہے کہ اب اس کا فارسی ترجمہ ابو سعید عبدالحی گردیزی کی کتاب میں شامل ہے، مخطوطہ ملکیت بوڈلین لائبریری۔

یہاں یہ بتا دینا مناسب نہ ہوگا کہ گردیزی زین الملک عبدالرشید بن سلطان محمود (۱۰۴۹-۱۰۵۲) کے معاصر تھے اور اپنی کتاب ”زین الاخبار“ اسی کے نام معنون کی تھی۔ یہ کتاب ایران کے قدیم سلاطین ابتدائی اسلامی تاریخ، مختلف سلطنتوں کے اودار اور یہودیوں، عیسائیوں، زرتشتیوں اور ہندوؤں کے تہواروں پر مشتمل ہے۔ آخر الذکر حصہ جیسا کہ سخاؤ نے لکھا ہے المیرونی کے باب کا ترجمہ کردہ ہے۔ بارتھولڈ نے خراسان کی تاریخ کے سلسلے میں زین الاخبار کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہندوستان سے متعلق اس کتاب کا حصہ کل کا کل عربی مآخذ سے لیا گیا ہے لیکن بعض مقامات پر ترجمہ صحیح نہیں کیا گیا۔

بوڈلین لائبریری (آکسفورڈ) میں اس کا جو نسخہ موجود ہے وہ کیرج نسخہ پر مبنی ہے۔

۴۱۔ مہانوی خواہر مہادیو..... مہانوی دیوی بھگوتی دیوی ہی ہے جس کا تہوار آٹھویں اسوا یوج کو منایا جاتا ہے لیکن اسے مہادیو کی بہن کہنا غلط ہے، وہ مہادیو کی بیوی تھی یہ تہوار آج کل کے درگا پوجا جیسا ہوتا تھا اس موقع پر بکرے کی قربانی دیئے جانے کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

۴۲۔ بعض رسوم مثلاً تیری پکش اور بعض تہواروں مثلاً دیوالی اور رشیوارتری کی تاریخوں کے سلسلے میں قاری کے ذہن میں بعض شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس حصے کی بہتر تفہیم کے لئے دیکھئے بی بی مزدار کی (دی سو شواکنک ہسٹری آف ناردرن انڈیا صفحات ۲۷ تا ۳۱۵)۔ مزدار نے ہندو تہواروں کی تفصیل دی ہے اور المیرونی کے بیانات کی تصدیق ہندو مآخذ سے کی ہے۔ بعض تہواروں کی کچھ منانے کے ڈھنگ، تاریخوں یا دیوی دیوتاؤں سے منسوب ہونے کے بارے میں پائے جانے والے اختلافات کے بارے میں پروفیسر مزدار نے کہا ہے کہ یہ تبدیلیاں استداد زمانہ سے ہوئی ہیں۔ نیز بعض تہواروں موجودہ زمانے میں منائے جاتے ہیں ۱۲ویں صدی تک شمالی ہند میں نہیں منائے جاتے تھے۔

اس سلسلے میں بعض تہواروں کی جنتری (جو ذیل میں دی جاتی ہے) کو ذہن میں رکھنا چاہئے۔

(الف) پتری پکش سال کے مختلف مہینوں کا حساب لگانے کے دو طریقے (۱) نئے چاند سے امارس تک جسے ”امنٹ“ کہا جاتا ہے اور (۱۱) پورے چاند سے پورے چاند تک جو ”پرمانت“ کہلاتا ہے۔ ”شکل پکش“ یعنی نصف روشن مہینہ دونوں طریقوں میں مشترک ہے۔ الہیرونی کے مطابق یہ تہوار اس وقت منایا جاتا ہے جب چاند دسویں برج یعنی ماگھ میں ہوتا ہے۔ الہیرونی نے کہا ہے کہ ماگھ کے برج میں چاند کا داخلہ نئے چاند کے ظہور کے وقت ہوتا ہے۔ پرمانت کے طریقے کی رو سے الہیرونی کا مذکورہ بھاد پرما سون (اسوا یوج) کو بھی محیط ہوگا اور یہی وقت ہے جب یہ تہوار منایا جاتا ہے۔

(ب) دیپالی۔ الہیرونی نے کہا ہے کہ یہ تہوار پہلی کار تک یعنی نیا چاند نکلنے کے دن منایا جاتا ہے۔ اہل۔ ڈی۔ ایس پے (انڈین ایفی میرس) کے مطابق چاند کے مہینے کے تیس تھیوں (یعنی ایک ہی طول کے دنوں) میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ پہلی پندرہ تھیاں (یعنی روشن دن) شکل پکش کہلاتے ہیں اور باقی پندرہ کرشن پکش کہلاتی ہیں۔ آخری یعنی تیسویں تھی نئے چاند یا امارسیہ یا جس ماہ کے اختتام پذیر واقع ہوتی ہے اس کے نام سے موسوم کی جاتی ہے اور بعض دفعہ آنے والے ماہ کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ مزید برآں نیا چاند یا امارسیہ کی ایک خاص گھڑی ہوتی ہے نہ کہ کوئی خاص دن یا تاریخ اور اس وقت نئے چاند کا آسمان پر ظاہر ہونا ضروری نہیں۔

(ج) ڈھولا (ڈولا) اور شوراتری..... ڈولا تہوار فی الاصل موجودہ ہولی کا تہوار ہے جیسا کہ اس کی تاریخ (۱۵ پھاگن) اور منانے کے طریقے سے ظاہر ہوتا ہے۔

شوراتری کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ اس کی اگلی رات (یعنی ۱۶ پھاگن) کو ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ایک مہاشوراتری بھی ہوتی ہے جو ہولی یا ڈولا سے ۱۶ دن پہلے سال میں ایک بار منائی جاتی ہے۔ پچانگ کے مطابق ہر مہینے کی تیرہویں تاریخ کو شوراتری ہوتی ہے۔ الہیرونی نے مہاشوراتری کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ شوراتری کا ذکر کیا ہے جو غالباً ماہانہ شوراتری ہے۔ تاریخ کا اختلاف یعنی 13 اور 16 بحر حال موجود اور اس کی وجہ غالباً کتابت کی غلطی ہے۔

ایک اور اختلاف بھی قابل غور ہے۔ الہیرونی نے تہواروں کا ذکر مہینے وار کیا ہے لیکن یہ نہیں کہا کہ مہینے ترتیب وار لکھے گئے ہیں لیکن ایسا صرف ایک جگہ ہے یعنی ساونجا سوا یوج کے بعد آتا ہے بھاد پرما کے بعد نہیں۔

۴۳۔ سیاوہل (?)..... سخاؤ نے لکھا ہے کہ سیاوہل (عربی میں سیاوہل لکھا ہے) غالباً کشمیری ہندو تھا جس نے اسلام قبول کر لیا تھا، یہ بات صحیح ہو یا نہ ہو اہم بات یہ ہے کہ ہندوستان کے سرحدی علاقوں خصوصاً غربی سرحد پر ایسے ہندوستانی موجود تھے جو عربی کتابیں پڑھ سکتے تھے اور ان سے کچھ سیکھنے کی



کوشش کرتے تھے۔

کتاب میں ایک جگہ الہیرونی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس نے ہندوؤں کے لئے مجسطی اور اقلیدس کا ترجمہ کیا تھا اور اسطرلاب کے تیار کرنے سے متعلق ایک رسالہ بھی لکھ کر دیا تھا۔ یہ بات خاصی اہم ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت بھی الہیرونی کی کتابوں کو پڑھنے والے ہندوستانی موجود تھے۔ ابھی اس مسئلہ کی طرف پوری طرح توجہ نہیں دی گئی ہے

LIBRARY	
University of Veterinary & Animal Sciences	
Lahore.	
Date.....	
Accession No.....	21388
Class No.....	

# ظہیر الدین محمد یابر

سولہویں صدی کے ہندوستان کا معمار



مصنف

ایل۔ ایف۔ رش بروک

مترجم ڈاکٹر رفعت بلگرامی

قیمت: 180

اپنے قریبی بک شال سے طلب فرمائیں

## یو پبلشرز

5- یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔

فون: 0333-4394686 - 042-7241778

## ہماری دیگر کتابیں

انقلاب فرانس	جے۔ ایم تھاپسن
انقلاب روس	محمد مسعود جوہر
تاریخ سکھ راج	بلونت سنگھ
تاریخ فرعون	خواجه حسن نظامی
احوال عالم اور جنرل مشرف	عبداللہ ملک
محمد ظہیر الدین بابر	بروک ولیمز
ناموغل شہزادیاں	طلحہ علی
سیاسی لیڈروں کا قتل	مرضی انجم
عظیم سیاستدان	مرضی انجم

# یو پی بلشرز

5- یسٹ مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور: 7241778